صدرِ پاکستان

جنرل محمّد ضیاالحق

تقاریر

تیرہواں حِصّہ

یکم اکتوبر — ۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء

صدرِ پاکستان

جنرل محمد ضیاء الحق

تقاریر

تیرہواں حصہ

یکم اکتوبر — ۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء

فہرست

پیش لفظ

۱۹۸۰ء کی آخری سہ ماہی سارے عالمِ اسلام کے لئے ایک اہم دور تھا کہ اسی دوران ۹ نومبر کو پندرھویں اسلامی صدی کا آغاز ہوا۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اس سہ ماہی کے دوران جتنی تقریریں کیں، ان پر مشتمل اس جلد کا آغاز پندرھویں صدی ہجری کے موقع پر اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب سے ہوتا ہے۔ صدر کی یہ تقریر ان کی اہم ترین تقریروں میں سے ایک ہے۔

یہ تقریر انہوں نے پورے عالمِ اسلام کے نمائندے کی حیثیت سے کی۔ اس نمائندگی کا اختیار انہیں اسلامی کانفرنس کے وزرائے خارجہ کے ایک اجلاس میں دیا گیا تھا جو اسی سال مئی میں اسلام آباد میں منعقد ہوا تھا۔ یقیناً یہ پاکستان اور صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے لئے ایک عظیم اعزاز تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اقوامِ متحدہ میں کسی مسلمان سربراہ نے پورے عالمِ اسلام کی طرف سے نمائندگی کا فریضہ انجام دیا۔

اپنی اس تاریخی تقریر میں صدر نے اقوامِ عالم کے سامنے اسلام کے آفاقی

اصول پیش کئے اور ان پر واضح کیا کہ اسلام امن و آشتی کا دین ہے۔ اسلحہ کی دوڑ ہو یا ماحولیاتی توازن کی بربادی سے انسانیت کے وجود کو خطرہ ہو، اسلام کے اصول بنی نوع انسان کو مامون رکھنے کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ بنی نوع انسان کے لئے مسلمانوں کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مسلمانوں نے نہ صرف علم و حکمت کا بیش بہا خزینہ چھوڑا ہے بلکہ یونانی اور رومی تہذیب کے ورثے کو تباہ ہونے سے بھی بچایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر مسلمان منگولوں کی یلغار کا سامنا نہ کرتے تو یورپ تیرھویں صدی ہجری میں مغلوب ہو گیا ہوتا۔

صدر نے عالم اسلام اور دنیا کو درپیش موجودہ مسائل کا ذکر کیا اور کہا کہ مشرقِ وسطیٰ میں عدم استحکام کی واحد وجہ اسرائیل کا رویہ ہے۔ اسے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ دوسروں کو مغلوب کرنے اور ان کے علاقے ہتھیانے کی پالیسی انجام کار کامیاب نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح قومی آزادی کی ہر تحریک مقدس ہے، اسی طرح افغانستان کے حریت پسندوں کی تحریکِ مزاحمت کا بھی احترام کیا جانا چاہیئے۔ ایران عراق جنگ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جنگ بندی کی ضمانت یہ ہے کہ کوئی تیسرا فریق اس میں شامل نہ ہو۔ انہوں نے جنوبی افریقہ، کمبوچیا اور دنیا بھر کے مظلوم عوام اور اقلیتوں کی حمایت کی۔ صدر نے منصفانہ عالمی اقتصادی نظام کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ اقوامِ متحدہ ایسے نظام کے لئے کام کرنے کا پابند ہے۔

صدر نے اپنی تقریر میں قرآن اور حدیث سے اقتباسات پیش کئے اور خطبۂ حجۃ الوداع کے نکات اقوامِ عالم کے سامنے رکھے۔ صدر نے اپنی تقریر کا اختتام اس دعا پر کیا:

"پندرھویں صدی ہجری اور اکیسویں صدی عیسوی میں ایسے عہد کی

ابتدا ہو جس میں بین الاقوامی تعلقات مختلف طاقتوں کی گروہ بندی کی بجائے اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر قائم کئے جائیں"۔

پندرھویں صدی ہجری کے پہلے دن صدر نے قوم سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر خطاب کیا اور کہا کہ اسلامی تاریخ میں دو واضح ادوار نظر آتے ہیں۔ ایک عروج کا دَور جس میں مسلمان سارے عالم میں علم و حکمت کا پرچم لئے آگے بڑھتے نظر آتے ہیں اور دوسرا انحطاط کا دَور جس میں بغداد اور قرطبہ کی تباہی اور مغلوں کا زوال نظر آتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ عروج کا دور وہ تھا جب مسلمانوں نے دین کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور انحطاط کا دور وہ ہے جب انہوں نے اس سے روگردانی کی۔ انہوں نے قوم کو یاد کرایا کہ اگر آج بھی ہم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم بلندیوں کو نہ چھو سکیں۔

اس سہ ماہی کے دوران انڈونیشیا، گنی اور نیپال کے سربراہانِ مملکت اور سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ فہد پاکستان کے سرکاری دورے پر آئے۔ ان کی آمد پر جو سرکاری ضیافتیں دی گئیں، ان میں صدر نے دو طرفہ تعلقات اور بین الاقوامی مسائل پر نقطۂ نظر کی باہمی یگانگت پر زور دیا۔ شاہ نیپال کے اعزاز میں دی گئی دعوت میں انہوں نے کہا کہ نیپال کی مثال سے ان کے اس نقطۂ نظر کو تقویت پہنچتی ہے کہ طرزِ حکومت کوئی بھی ہو، عوام کی فلاح حکومت کا اوّلین مقصد ہوتا ہے۔

اس سہ ماہی کے دوران صدر نے سندھ اور بلوچستان کا دورہ کیا اور اہلِ لاہور اور اہلِ پشاور نے ان کے اعزاز میں استقبالیہ دعوتوں کا اہتمام کیا۔ ان تمام مواقع پر صدر کو جنرل اسمبلی میں عالمِ اسلام کی نمائندگی کرنے پر مبارکباد پیش کی گئی، لیکن انہوں نے کہا کہ یہ اعزاز پاکستان اور پاکستان کے عوام کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ نے یہ اعزاز پاکستان کو اس لئے

بخشتا ہے کہ پاکستان میں نفاذِ اسلام کی تھوڑی بہت کوشش کی گئی ہے۔ اگر ہم پورے طور پر اسلام پر کاربند ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں نہ جانے کس کس اعزاز سے نوازیں گے۔

زیرِ نظر جلد میں صدرِ مملکت کی ۳۷ تقاریر اور ۲ پریس کانفرنسوں کا متن شامل ہے۔ حسب سابق ہر تقریر کے آغاز میں مختصر تعارفی نوٹ دیا گیا ہے۔ اس جلد کے آخر میں موضوعاتی اشاریہ بھی شامل کیا گیا ہے تاکہ کسی خاص موضوع کو آسانی سے تلاش کیا جا سکے۔

(ادارہ)

عالمِ اسلام کے نمائندے کی حیثیت سے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب

(انگریزی سے ترجمہ)

نیویارک : یکم اکتوبر، ۱۹۸۰ء

۱۹۸۰ء کی آخری سہ ماہی کے دوران پندرھویں صدی ہجری کا آغاز ہوا۔ اس اہم موقع پر صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے یکم اکتوبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے پینتیسویں اجلاس سے دنیا کے تمام اسلامی ممالک کے نمائندے کی حیثیت سے تاریخی خطاب کیا یہ پہلا موقع تھا کہ اقوام عالم کے اس ادارے میں کسی مسلمان سربراہ نے تمام عالمِ اسلام کی نمائندگی کی۔ اس نمائندگی کا اختیار پاکستان کو اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کی گیارہویں کانفرنس میں دیا گیا جو اسی سال مئی میں اسلام آباد میں منعقد ہوئی تھی۔ پاکستان اور خود صدر ضیاء الحق کے لئے یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا جس کا ذکر صدر نے اپنی تقریر میں بھی کیا۔

انسانی تاریخ میں اسلامی سن کی اہمیت بیان کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ سن ہجری کا آغاز نہ تو رسول اکرمؐ کی پیدائش کے دن سے ہوتا ہے اور نہ ہی نزولِ قرآن کے دن سے، بلکہ اسلامی سن کا آغاز اس روز سے ہوتا ہے جب رسولِ کریمؐ نے تعصب، تنگ نظری، ظلم و تعدی اور اخلاقی پستی کے گھٹے ہوئے ماحول سے

ہجرت کی اور مفاہمت، اُخوّت اور حریّت کے اصولوں پر مبنی اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے کہا کہ اسلام امن کا مذہب ہے اور تنگ نظری پر مبنی قوم پرستی، علاقائیت اور نسلی امتیاز کا مخالف ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام میں جہاد کا عنصر اس مسلسل جہد سے عبارت ہے جو قرآن اور سیرت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی مستقل جدوجہد ہے۔

صدر نے کہا کہ اسلامی عروج کا زمانہ عالمی اخوت، رواداری اور زندگی کی حرمت کا زمانہ تھا۔ مسلمان فلسفیوں، دانشوروں، سائنس دانوں اور طبیبوں نے جہاں ایک طرف دنیا کے لئے علم و دانش کا بیش بہا ورثہ چھوڑا ہے، وہاں دوسری طرف انہوں نے قدیم یونانی اور رومی تہذیب کے قیمتی سرمائے کو بھی تباہ ہونے سے بچایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ منگولوں کی یلغار کا سامنا مسلمانوں نے کیا۔ اگر مسلمان نہ ہوتے تو یورپ تیرھویں صدی عیسوی میں مغلوب ہو گیا ہوتا۔

صدر نے کہا کہ آج مسلمان انڈونیشیا سے لے کر سینیگال تک وسیع جغرافیائی خطے میں مختلف آب و ہوا کے علاقوں میں رہتے ہیں، مختلف زبانیں بولتے ہیں، مگر پھر بھی ان میں اسلامی یگانگت کا قوی احساس پایا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی کانفرنس مسلم اُمّہ کی اس امنگ کا بھرپور اظہار ہے کہ وہ امن و ترقی کے ایک عنصر کی حیثیت سے اپنا تاریخی کردار بحال کرے اور پوری دنیا میں پھیلی ہوئی مسلم اقوام میں پھر سے اتحاد قائم کرے۔

صدر نے اس خدشے کا بھی اظہار کیا کہ انسانیت کو دو طرف سے تباہی کا سامنا ہے۔ ایک تو انسان نے ایسے مہلک ہتھیار بنا لئے ہیں جن سے پوری انسانیت کو کئی بار صفحۂ ہستی سے مٹایا جا سکتا ہے اور دوسرے وہ اپنی آسائشوں کی خاطر قدرتی ماحول

کو اندھا دھند تباہ کیئے جا رہا ہے۔ انسان یہ بات نہیں سمجھ رہا کہ یہ دنیا اس کی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امانت ہے۔

صدر نے عالم اسلام کو درپیش مسائل کا ذکر بھی کیا۔ انہوں نے ایران اور عراق کے تنازعے پر تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ ان کے درمیان جنگ بندی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ بیرونی طاقتیں غیر جانبدار رہیں۔ مسئلہ فلسطین کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ساری دنیا جانتی ہے کہ فلسطینیوں کا مؤقف جائز ہے اور تنبیہہ کی کہ جب تک فلسطینیوں کے مطالبات تسلیم نہیں کیئے جاتے، دیرپا امن قائم نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا کہ مشرقِ وسطیٰ میں عدم استحکام پیدا کرنے والا سب سے بڑا عنصر اسرائیل ہے۔ اسے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس نے دوسروں کی زمین ہتھیانے اور دوسروں کو مغلوب کرنے کی جو پالیسی اختیار کر رکھی ہے، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو گی۔

صدر نے جنرل اسمبلی کو بتایا کہ افغانستان میں جو سانحہ پیش آیا ہے، دنیائے اسلام اس کے بارے میں فکر مند ہے۔ اس چھوٹے سے آزاد غیر وابستہ ملک میں افغان عوام کے قومی حقوق، ناوابستگی کے مقدس اصولوں اور اقوام متحدہ کے منشور کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بڑے پیمانے پر فوجی مداخلت کی گئی ہے۔ غیر ملکی تسلط کے خلاف ہر تحریک کی طرح افغان عوام کی تحریکِ مزاحمت بھی مقدس ہے اور اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کا احترام کیا جائے اور اس کی حمایت کی جائے۔ انہوں نے اس توقع کا اظہار کیا کہ معزز اسمبلی افغانستان سے غیر ملکی فوجوں کی واپسی، اس ملک کی غیر وابستہ حیثیت کی بحالی، افغان عوام کے حق خود ارادیت اور افغان مہاجرین کی باعزت وطن واپسی کے اصولوں پر مبنی اس بحران کا سیاسی حل تلاش کرنے کی طرف توجہ دے گی۔ انہوں نے کہا کہ کمپوچیا میں بھی افغانستان جیسی صورتِ حال ہے۔ دونوں جگہ بین الاقوامی

امن اور پُرامن بقائے باہمی کے اصولوں کی سنگین خلاف ورزی کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پریٹوریا کی حکومت کو اس بات پر مجبور کیا جانا چاہیئے کہ وہ نمیبیا پر اپنے ناجائز قبضے اور جنوبی افریقہ میں ظلم و تشدد کو ترک کرے۔

صدر نے مختلف ملکوں میں بسنے والی مسلم اقلیتوں کی حالتِ زار پر بھی افسوس کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ عالم اسلام کو نہ صرف مسلمان اقلیتوں سے بلکہ ان تمام اقلیتوں سے دلی ہمدردی ہے جن پر ظلم کیا جا رہا ہے خواہ ان کا تعلق کسی مذہب سے ہو۔

آخر میں صدر نے کہا کہ تیسری دنیا کے ملک بین الاقوامی منڈی کے رحم و کرم پر ہیں جسے چند ملک اپنے اشاروں پر چلاتے ہیں۔ یہ صورتِ حال دنیا کے امن اور تحفظ کے لئے خطرہ ہے، اس لئے ایک ایسا اقتصادی نظام ناگزیر ہو چکا ہے جو انصاف پر مبنی ہو۔ انہوں نے کہا کہ امن اور انصاف پر مبنی عالمی نظام کے قیام کے لئے اقوام متحدہ اب بھی ہماری امیدوں کا مرکز ہے اور اپنے منشور میں درج مقاصد کے پیش نظر یہ ادارہ ایسا نظام قائم کرنے کا پابند ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

جنابِ صدر!

السّلام علیکم۔ دنیائے اسلام کی شان دار اور اہم واقعات سے لبریز تاریخ کی پندرھویں صدی کا آغاز ہونے ہی والا ہے۔ چالیس روز کے بعد نئی اسلامی صدی شروع ہو جائے گی۔ ساری دنیا کے مسلمان ایک بے مثال واقعہ کی چودہ سو سالہ یادگار منانے والے ہیں جسے اسلام کے خلیفۂ دوئم حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی ہجری سنہ کا نقطۂ آغاز قرار دیا تھا۔ ہجری سن نہ تو پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیدائش کی یادگار ہے نہ اس دن کی یادگار ہے جب قرآنِ حکیم نازل ہونا شروع ہوا تھا۔ یہ ایک واقعہ کی یادگار ہے جو اسلام کے ارتقا میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ واقعہ یہ تھا کہ اس روز نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے مٹھی بھر جاں نثار ساتھیوں کے ساتھ اپنے مولِد مکّہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے تھے جو مکّہ سے چار سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہجرتِ مدینہ

کو اسلامی سن کا نقطۂ آغاز قرار دیا گیا، کیونکہ اس کے ساتھ ہی اسلامی معاشرے کی بنیاد قائم ہوئی تھی۔

مکّہ میں اسلام ایک اخلاقی قوّت بن کر ابھرا، لیکن مدینہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم کی رہنمائی میں پہلی اسلامی ریاست کا گہوارہ بنا۔ یہ ریاست قرآن مجید میں بتائے ہوئے ان اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر قائم ہوئی جو پوری دنیا میں قابل عمل ہیں۔ پہلا اسلامی معاشرہ مدینہ کے شہریوں یعنی انصار اور مکّہ کے مہاجرین کے میل ملاپ سے قائم ہوا تھا۔ اس طرح ایک بڑا اہم اتحاد قائم ہوا تھا۔ ان دونوں کا اتحاد اسلامی امّہ یا عظیم اسلامی برادری کی ابتدا تھا۔ اس اتحاد میں جو تصور کارفرما تھا وہ پوری انسانیت کے لئے مشعل راہ بن گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے مکّہ کو جو ان کے اسلاف کا وطن تھا اور اپنے قرابت داروں کو جن کے ساتھ انہیں بڑی محبت تھی، خیرباد کہنا بڑا تکلیف دہ تھا۔ آپؐ کی دیانت داری (ہر شخص آپؐ کو امین کے لقب سے پکارتا تھا) نرم مزاجی اور اعلیٰ اخلاق نے ہر شخص کو آپؐ کا گرویدہ بنا لیا۔ اگر آپؐ اس پیغام کی تبلیغ سے باز رہتے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا تھا تو آپؐ ایک سربرآوردہ ہاشمی خاندان کے باعزت فرد کی حیثیت سے مکّہ میں قیام کر سکتے تھے، لیکن جب آپؐ نے اس پیغام کی تبلیغ جاری رکھی تو اہل مکّہ کا غصّہ ایک غضب ناک طوفان بن گیا۔

اس طرح مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ساتھ ایک طرف تعصب، تنگ نظری، ظلم و تعدی اور اخلاقی پستی کے گھٹے ہوئے ماحول کو ترک کر دیا گیا اور دوسری طرف نوزائیدہ اسلامی معاشرے نے مفاہمت، رواداری، اخوّت اور حریّت کے اصولوں کو اپنانے کا عہد کیا۔ اس کے بعد چشم فلک نے مدینہ میں یکے

بعد دیگرے رونما ہونے والے ایسے بہت سے واقعات دیکھے جنہیں انسانیت کی تاریخ میں بڑی یادگار حیثیت حاصل ہے۔

جنابِ صدر!

میرے اور میرے ملک کے لئے یہ بڑی عزت کا باعث ہے کہ انسانیت کی تاریخ کے اس عہد آفریں واقعہ کی یاد منائے جانے کے موقع پر مجھے نوّے کروڑ مسلمان بھائیوں کی طرف سے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے پینتیسویں اجلاس سے خطاب کرنے کا موقع عنایت کیا گیا ہے۔ میں اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کی گیارھویں کانفرنس کے ارشاد کی تعمیل میں جس کی میزبانی کا شرف گزشتہ مئی میں پاکستان کو حاصل ہوا تھا، انتہائی انکساری کے ساتھ جنرل اسمبلی سے خطاب کر رہا ہوں۔

جنابِ صدر! آپ نے میرا خیر مقدم کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے اس پر آپ کا شکر گزار ہوں۔ میں اس موقع پر جنرل اسمبلی کے پینتیسویں اجلاس کا صدر منتخب ہونے پر اپنی طرف سے اور پاکستان کی حکومت اور عوام کی طرف سے آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

جناب سیکرٹری جنرل! آپ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں اور بڑا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ ہم آپ کی خوبیوں اور تجربے کو استحسان کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ آپ دو مرتبہ اس عہدے پر فائز ہوئے۔ اس عرصے میں یہ عالمی ادارہ بعض بڑے مشکل مسائل سے دوچار ہوا، جن سے آپ کو نمٹنا پڑا۔ آپ نے اپنی ذمہ داریاں بڑی خوش اسلوبی سے پوری کیں اور ہماری دعا ہے کہ آپ آئندہ بھی اسی طرح کامیاب رہیں۔

ایک معمولی مسلمان کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے مجھے ان اسلامی احکام کا شدت سے احساس ہے کہ رنگ، نسل اور عقیدہ کے فرق سے بالاتر ہو کر تمام انسانوں

کو ایک عالمی برادری کے افراد سمجھا جائے۔ اسلام کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ امن کا مذہب ہے اور رضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے کا نام ہے۔ اسلام کا اپنے پیروکاروں سے یہ تقاضا ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر ایسا معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کریں جس کی بنیاد عدل و مساوات ہو۔

ایسے ممتاز اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے جو پوری دنیا کی نمائندگی کرتا ہے، میرے لئے یہ انتہائی مناسب ہوگا کہ میں رواداری اور صلۂ رحمی کی ان اسلامی صفات کا تذکرہ کروں جن کی بدولت مختلف تہذیبوں کی خوبیاں یکجا ہوئیں اور مختلف مذاہب اور عقائد رکھنے والی قوموں میں متوازن امتزاج پیدا ہوا۔ اسلام تنگ نظری پر مبنی قوم پرستی، علاقائیت اور نسلی امتیاز کا مخالف ہے۔ اسلام نے اپنے عروج کے ایک ہزار سال سے زیادہ طویل دور میں مختلف فرقوں اور گروہوں کے درمیان صلح و آشتی کا جو نمونہ پیش کیا وہ موجودہ دور میں نسلی برتری کے بے جا دعوے، تعصّب اور ظلم سے بالکل مختلف تھا جس کا مظاہرہ دنیا کے بعض حصوں میں آج بھی ہو رہا ہے۔

اسلامی عروج کے دور کے بیشتر حصّے میں امن و سکون کا جو دور دورہ تھا اس کی بنیاد اسلامی اوصاف تھے۔ ان میں عالمی اخوّت، رواداری اور زندگی کی حرمت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

"جس نے کسی کو قتل کیا بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کئے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جو کسی کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگانی دی۔"

(القرآن ۵ : ۳۲)

اسلام میں جارحانہ جنگ کی خاص طور پر ممانعت ہے اور صرف اپنے دفاع

کے لئے ہتھیار اٹھانے کی اجازت ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا گیا ہے:

"اور اللہ کی راہ میں لڑو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (القرآن ۲ : ۱۹۰)

اسلام میں جہاد کا وہی تصوّر ہے جو ان قرآنی آیات میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جہاد میں جہد کا عنصر شامل ہے۔ مسلسل جدوجہد، پوری زندگی قرآنِ مجید کے احکام اور سیرتِ نبویؐ کے مطابق بسر کرنے کی مستقل جدوجہد۔

عالمی اخوّت، امن اور مساوات کا اسلامی پیغام ابدی ہے اور ہمیشہ کی طرح آج کی دنیا کے حالات پر بھی صادق آتا ہے۔ جب سے یہ دنیا قائم ہوئی ہے انسان مشکلات اور مصائب سے دوچار رہا ہے۔ ماضی میں مختلف تہذیبوں اور مذاہب کے درمیان جو تصادم ہوئے ان کے نتیجے میں نسل انسانی نیست و نابود نہیں ہوئی کیونکہ خوش قسمتی سے بڑے پیمانے پر تباہی کے ذرائع محدود تھے۔ آج ہم ایسے دور میں داخل ہو چکے ہیں جس میں انسانیت کے ہاتھ ایسے مہلک ہتھیار آ گئے ہیں جن سے پوری انسانیت کو کئی بار صفحۂ ہستی سے مٹایا جا سکتا ہے۔ اب دنیا تصادم اور جنگ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ انسانیت کو امن کی ضرورت ہے۔

ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ کے علاوہ تصادم کی ایک اور بھی شکل ہے جس سے انسانی بقا خطرے میں ہے۔ یہ انسان کی خود غرضی اور فطرت کا تصادم ہے۔ وہ اپنی روز افزوں مادی آسائشوں کی خاطر قدرتی ماحول کو اندھا دھند تباہ کئے جا رہا ہے۔ آج یہ کرۂ ارضی خاص طور پر صنعتی اعتبار سے انتہائی ترقی یافتہ قوموں کے

ہاتھوں ماحول کی تباہی کے اس مرحلے پر پہنچ گیا ہے جہاں کتنی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ انسان نے جو آگ خود روشن کی تھی اس میں اس نے اپنے ہاتھ تو نہیں جلا لئے ؟ دنیاوی ترجیحات میں وہ توازن کے احساس سے محروم تو نہیں ہو گیا ؟ کیا وہ یہ بات نہیں سمجھتا کہ یہ دنیا اس کی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اس کا خالق ہے، ایک امانت ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے :

"بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلنے میں اور کشتیوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لئے چلتی ہیں اور پانی میں جو اللہ تعالیٰ آسمان سے برساتا ہے اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں، عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔" (القرآن ۲ : ۱۶۴)

آج کی دنیا اس سمجھ بوجھ سے کام لے کر وہ توازن پھر حاصل کر سکتی ہے جس سے وہ بظاہر محروم ہو چکی ہے۔

اسلام کے پیروکاروں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کا دین اس پیغامِ الٰہی کی تکمیل ہے جو مختلف پیغمبروں کے ذریعے انسانوں کو بھیجا جاتا رہا ہے۔ مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے نبیوں پر بھی ایمان لائیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے :

"بے شک جو لوگ ایمان والے ہیں یا یہود یا نصاریٰ یا صابی ان

میں جو بھی اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ایسے ہی لوگوں کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔"

(القرآن ۲ : ۶۲)

خود پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے :-

"میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور یومِ آخرت پر۔"

یہ بات قابلِ غور ہے کہ رسولِ پاکؐ نے اللہ کی تمام اتاری ہوئی کتابوں کا ذکر فرمایا ہے، محض ایک کتاب کا نہیں۔ اسی طرح آپؐ نے اللہ کا پیغام لانے والے تمام پیغمبروں کا ذکر فرمایا ہے، صرف ایک پیغمبر کا نہیں جو وہ خود تھے۔ ہم مسلمانوں کے ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم تک جو آخری نبی ہیں تمام انبیاء اور تمام کتابوں پر ایمان لائیں۔

آج مسلمان مشرق میں انڈونیشیا سے لے کر مغرب میں سینیگال تک بڑے وسیع جغرافیائی خطّے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مسلمان مختلف آب و ہوا میں رہتے ہیں۔ ان کی رسوم اور سیاسی نظام بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ وہ مختلف زبانیں اور بولیاں بولتے ہیں، پھر بھی ان میں اسلامی یگانگت کا قوی احساس پایا جاتا ہے۔ تنوع میں یہ اتحاد ہی مسلم اُمّہ یا مسلم اقوام کی دولتِ مشترکہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسلامی کانفرنس جس کے موجودہ چیئرمین ہونے کا مجھے اعزاز حاصل ہے، مسلم اُمّہ کی اس امنگ کا ٹھوس اظہار ہے کہ وہ امن و ترقی کے ایک عنصر کی حیثیت سے اپنا تاریخی کردار بحال کرے اور پوری دنیا میں پھیلی ہوئی مسلم اقوام میں پھر اتحاد پیدا کرے۔

اس وقت جب کہ پندھویں صدی ہجری کا آغاز ہونے والا ہے، ہم فخر کے ساتھ اس حقیقت پر نظر ڈال سکتے ہیں کہ اسلامی ملکوں نے سیاسی آزادی پھر حاصل کرلی ہے اور اب وہ دنیا میں اپنا جائز مقام حاصل کرنے کے لئے مل جل کر کام کر رہے ہیں۔ ان کے اتحاد کی خواہش کا اظہار بیالیس ممبروں کی اسلامی کانفرنس سے ہوتا ہے جس نے بین الاقوامی تنظیموں میں نمایاں حیثیت حاصل کرلی ہے اور جس کے فیصلے بین الاقوامی برادری میں روز افزوں اہمیت حاصل کرتے جارہے ہیں۔

اسلام پھیلنے سے عرب کے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا فارس، یونان، مصر اور ہندوستان کی بڑی بڑی تہذیبوں سے سامنا ہوا جس کے نتیجے میں انسان کی اختراعی قابلیت کے وہ جوہر نمایاں ہوئے جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ تخلیقی سرگرمیوں کا یہ عظیم عہد جو دوسری صدی ہجری میں شروع ہوا کئی سو سال تک جاری رہا۔ اسلام کے مرکز میں جو براہ راست خلفاء کے زیر نگیں رہا اور ہسپانیہ، ہندوستان، وسطی ایشیا، ایشیائے کوچک، افریقہ اور جنوب مشرقی ایشیا جیسے دور دراز علاقوں میں شاندار اسلامی ثقافتوں نے جنم لیا۔ ان ثقافتوں میں روحِ انسانی جسے اسلام نے جلا بخشی تھی، علوم و فنون کے میدانوں میں نمایاں ترقی کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ یہ وہ عہد تھا جس میں جدید علوم اور سائنس کی بنیاد پڑی۔

مجھے یہ حقیقت یاد دلاتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ انسانی ترقی پر قرونِ اولیٰ کے ان مسلمان دانش مندوں، فلسفیوں، سائنس دانوں اور طبیبوں کا بڑا احسان ہے جنھوں نے اپنے میدان میں بڑا قیمتی سرمایہ چھوڑا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے قدیم یونانی، رومی تہذیب کے قیمتی سرمائے کو نیست نابود ہونے سے بچا لیا اور بعد میں یہ سرمایہ مغرب کے حوالے کر دیا۔ ابنِ رشد، ابنِ سینا، ابن الہیثم،

ابنِ خلدون، البیرونی اور عظیم عمر خیام جیسی جاوداں ہستیوں کو کون فراموش کر سکتا ہے؟

ان مسلم ناموروں میں سے جنہوں نے علم کا دائرہ وسیع کیا اور انسانی تجربات کو مالامال کیا، یہ چند نام ہیں۔ انہوں نے بڑی روشن خیالی کے ساتھ علم حاصل کیا اور علم پھیلایا جس کی بدولت یہ ترقی ممکن ہو سکی۔ انہوں نے ایسے ہر ذریعے سے جس تک ان کی پہنچ ہو سکتی تھی، علم حاصل کیا۔ ان ذرائع میں یونانی، رومی اور چینی، اہلِ فارس، ہندو، بودھی اور دوسرے شامل تھے۔ ان کے لئے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہی حکم تھا۔ مجھے بہت سی احادیث نبویؐ میں سے صرف چار احادیث نقل کرنے کی اجازت دیجئے۔

"علم حاصل کرو مہد سے لحد تک"

"جس نے اجتہاد کیا اور صحیح کیا تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جس نے غلطی کی تو اس کے لئے ایک اجر ہے"

"حصولِ علم میں ایک گھڑی رات بھر کے قیام سے افضل ہے"

"علماء کی روشنائی شہداء کے خون سے افضل ہے"

ان احادیث میں نہ صرف تعلیم حاصل کرنے بلکہ دوسروں تک علم پہنچانے پر بھی زور دیا گیا ہے تاکہ پوری انسانیت ترقی کرے۔ اس میں موجودہ دنیا کے لئے سبق ہے جہاں نہایت مفید علم تک رسائی کسی کسی کو حاصل ہے اور چند خوش قسمت بہت سے بدنصیبوں کو جنہیں اس کی بڑی ضرورت ہے، اس علم سے محروم رکھتے ہیں۔

دنیائے اسلام نہ صرف پہلے ذہنی سرگرمیوں کا سبب بنی جن کی بدولت یورپ کے نشاۃِ ثانیہ کے لئے میدان ہموار ہوا بلکہ یہی دنیائے اسلام منگولوں کی یلغار

کے خلاف جو آفتِ سماوی سے کم نہیں تھی، مغربی تہذیب کے دفاع کے لئے ایک پشت پناہ ثابت ہوئی۔ دنیائے اسلام نے منگولوں کی بڑی یلغار کا سامنا کیا۔ اگر مسلمان نہ ہوتے تو یورپ ساتویں صدی ہجری یعنی تیرہویں صدی عیسوی میں مغلوب ہو جاتا۔ یہ تقدیر کی ستم ظریفی ہے کہ ان ہی لوگوں نے جنہیں مسلمانوں نے بچا لیا تھا، پلٹ کر مسلمانوں کے علاقوں پر قبضہ کر کے وہاں لوٹ مار مچائی اور ان علاقوں کو اپنی نوآبادی بنا لیا۔

اسلامی تاریخ کا یہ اندوہناک دور قصۂ پارینہ بن چکا ہے، لیکن ابھی اس کے مضر عواقب ختم نہیں ہوئے۔ مسلم ممالک نے سیاسی آزادی تو حاصل کر لی لیکن ابھی ان پر اقتصادی استحصال کی گرفت جو نوآبادیاتی نظام کے ساتھ لازم و ملزوم ہے، ڈھیلی نہیں ہوئی۔ یہ ملک ابھی تک صنعتی طور پر ترقی یافتہ ملکوں کے دست نگر ہیں جس کی وجہ سے ان کی حالت پہلے سے بدتر ہے۔ ان کا محلِ وقوع جنگی حکمتِ عملی کے نقطۂ نظر سے بڑا اہم ہے، اس لئے وہ طاقتیں جو دوسروں پر اپنا تسلط جمانا چاہتی ہیں، ان پر ناقابلِ برداشت حد تک دباؤ ڈال رہی ہیں اور ان کے اہم قدرتی وسائل کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی ہیں۔

آج دنیا کے بیشتر علاقوں میں عدم تحفظ کا جو احساس پایا جاتا ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہی رجحان ہے کہ محدود وسائل پر قابو پانے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے طاقت استعمال کی جائے اور دباؤ ڈالا جائے۔ اس کی وجہ سے جو بے چینی پیدا ہو گئی ہے وہ استحصال کرنے والوں اور استحصال کا شکار ہونے والوں، دونوں کے چہروں سے عیاں ہے۔ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟

قرآن مجید میں اس رجحان کے خلاف ان الفاظ میں خبردار کیا گیا ہے:

"اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا اسے ہم جلد سختی پہنچائیں گے۔" (القرآن ۹۲-۸-۱۰)

جنابِ صدر!

حرص اور لالچ نے جو کشاکش پیدا کر دی ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس معزز اسمبلی کو بتاؤں کہ دنیا میں کشیدگی کے بعض اہم علاقوں کے بارے میں ہمارے احساسات کیا ہیں۔

دو اسلامی ملکوں ایران اور عراق کا افسوس ناک تنازعہ پوری دنیا کے لئے گہری تشویش کا باعث ہے۔ اس سے خاص طور پر دنیائے اسلام کو بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ دو برادر اسلامی ملکوں کے درمیان مسلح تصادم ان غیر مستقل حالات کا نتیجہ ہے جو ایک اہم علاقے میں بڑی طاقتوں کی آویزش کے دباؤ اور جوابی دباؤ کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہماری دلی دعا ہے کہ ان دو ہمسایہ ملکوں میں جلد امن قائم ہو جائے۔ بین الاقوامی برادری خاص طور پر دنیائے اسلام اور غیر وابستہ دنیا کا یہ فرض ہے کہ وہ ایران اور عراق کے اختلافات دور کرانے میں مثبت کردار ادا کریں۔ ان دونوں ملکوں میں امن کی بحالی کی ضروری شرط یہ ہے کہ بیرونی طاقتیں بالکل غیر جانبدار رہیں اور ان ملکوں کے اندرونی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں۔

جنابِ صدر!

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، میں ان دونوں ملکوں کے دارالحکومتوں سے ہو کر سیدھا نیویارک آیا ہوں۔ وہاں صدر بنی صدر اور صدر صدام حسین نے اسلامی اخوّت کے جذبے کے تحت گرمجوشی سے میرا خیر مقدم کیا۔ میں اسلامی کانفرنس کی ہدایت پر تہران اور بغداد گیا تھا۔ اس دورے کا اصل مقصد حالات معلوم کرنا اور خیر سگالی تھا۔ ہم نے

باہمی اعتماد کے ماحول میں کئی ملاقاتوں میں اپنے دونوں بھائیوں کے خیالات معلوم کئے۔ میں نے جنگ ختم کرنے کے بارے میں ایک بھائی کے خیالات اور موقف سے بے کم وکاست دوسرے بھائی کو آگاہ کر دیا ہے۔ مجھے پختہ اُمید ہے اور میری دلی دعا بھی یہی ہے کہ ایران اور عراق کے درمیان افسوس ناک تنازعہ ختم کرانے کی کوششیں جاری رہیں گی اور یہ کہ انصاف اور ایک دوسرے کے حقوق کے احترام کی بنیاد پر اور اسلامی اتحاد اور اخوّت کی بنیاد پر ان کے اختلافات کا پُرامن حل تلاش کر لیا جائے گا۔

جنابِ صدر!

مشرقِ وسطیٰ میں عدم استحکام پیدا کرنے والا سب سے بڑا عنصر اسرائیل ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ فلسطینی حق پر ہیں۔ وہ چودہ سو سال کے بیشتر عرصے میں جس وطن میں آباد تھے، وہاں سے انہیں بڑی بے رحمی کے ساتھ نکال دیا گیا ہے۔ وہ صیہونیت کے ہاتھوں ناقابلِ بیان ظلم و تشدد اور دہشت گردی کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

فلسطین کے مسئلے سے امنِ عالم کو جو خطرہ درپیش ہے، وہ سب پر عیاں ہے۔ صورتِ حال کسی وقت بھی قابو سے باہر ہو سکتی ہے۔ اس کے نتیجے میں دنیا میں ایسی تباہی مچے گی کہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہو گی۔ ظلم سے جذبات مشتعل ہوتے ہیں۔ یہ جذبات طاقت کے استعمال، تشدد یا سختی سے کچلے نہیں جا سکتے۔ اسرائیل ماضی کے حوالے دینے کو تیار رہتا ہے۔ اسے تاریخ کا بار بار دُہرایا ہوا یہ سبق نہیں بھولنا چاہیئے کہ اس نے دوسروں کی زمین ہتھیانے اور دوسروں کو مغلوب رکھنے کی جو پالیسی اختیار کر رکھی ہے، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو گی۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی

رہتی ہے۔

اسرائیل کے ان زبانی دعووں کے باوجود کہ وہ مشرق وسطیٰ کی صورتِ حال کے پیشِ نظر فلسطین کے مسئلے کا پُرامن حل چاہتا ہے، یہ حقیقت ہے کہ اسرائیل عالمی برادری کے فیصلے کو نظر انداز کر رہا ہے۔ عالمی برادری جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل میں متعدد مواقع پر اپنے فیصلے کا اظہار کر چکی ہے۔ اسرائیل عربوں اور فلسطینیوں کے علاقے پر طاقت کے بل پر بدستور قابض ہے۔ اس نے القدس الشریف کی حیثیت تبدیل کرنے کے لئے قانون بنا کر پوری دنیا کے قریب قریب متفقہ فیصلے کو نظر انداز کر دیا ہے۔ سلامتی کونسل نے اپنا ردّ عمل ظاہر کرتے ہوئے ان تمام ملکوں سے جن کے سفارتی دفاتر بیت المقدس میں تھے، اپیل کی کہ یہ دفاتر وہاں سے منتقل کر دیئے جائیں۔ اس اپیل پر متفقہ طور پر اور بلا تاخیر عملدر آمد کیا گیا۔

میں اس موقع پر ان تیرہ کے تیرہ ملکوں کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ وہ ملک یہ ہیں: بولیویا، چلی، کولمبیا، کوسٹاریکا، ڈومینکن ریپبلک، ایکویڈور، السالویڈور، گوئٹے مالا، ہیٹی، نیدرلینڈ، پانامہ، یوروگوئے اور وینزویلا۔ ان ملکوں نے اسرائیل کی طرف سے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی اور رائے عامہ کو نظر انداز کرنے پر ناراضگی ظاہر کرنے کے لئے بیت المقدس سے اپنے سفارتی دفتر منتقل کر لئے ہیں۔ ہم انہیں ان کے با اصول فیصلے پر سلام کرتے ہیں۔ کیا فلسطین کے مسئلے کے بارے میں وہ شرائط پوری کرانے کے لئے جنہیں عام طور پر عالمی رائے عامہ اور خاص طور پر اسلامی کانفرنس اس لئے ضروری سمجھتی ہے کہ مشرق وسطیٰ میں امن قائم ہو، عالمی برادری کی طرف سے مزید اقدام کا وقت ابھی نہیں آیا؟ اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیئے کہ فلسطینیوں کو جو زخم لگائے گئے ہیں وہ وقت کے ساتھ

ساتھ مندمل ہو جائیں گے۔ اقدام کا یہی وقت ہے ورنہ وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔

امریکہ کا دعویٰ ہے کہ مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ سے جو نہ صرف عربوں کا وطن ہے بلکہ یورپ کے لئے جنگی حکمتِ عملی کی سرحد بھی ہے، اس کے اہم معاشی اور جنگی حکمتِ عملی کے مفادات وابستہ ہیں۔ پھر بھی امریکہ ایسی پالیسی اختیار کئے ہوئے ہے جس کی وجہ سے اس نے دنیائے عرب کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ وہ اسرائیل کی کھلم کھلا حمایت کرتا ہے اور اس حمایت کے بل بوتے پر اسرائیل عالمی رائے کو ٹھکرا کر جارحانہ پالیسی اختیار کئے ہوئے ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ اس بڑی طاقت کے بل بوتے پر اسرائیل کو بین الاقوامی برادری کے فیصلے کی خلاف ورزی کرنے اور اہلِ فلسطین کے جائز حقوق غصب کرنے کی جرأت ہوئی ہے۔

فلسطین کے عوام اپنی جائز اور واحد نمائندہ جماعت تنظیم آزادیٔ فلسطین کی قیادت میں اپنی مقدس سرزمین کو صیہونیوں کی حکمرانی اور قبضے سے آزاد کرانے کے لئے جو منصفانہ جدوجہد کر رہے ہیں، عالمِ اسلام اس کی بھرپور حمایت کرتا ہے۔ عالمِ اسلام یہ سمجھتا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کے معاملے میں فلسطین کے مسئلے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یکے بعد دیگرے منعقد ہونے والی اسلامی کانفرنسوں نے مطالبہ کیا ہے کہ:

ا ۔ تمام اسرائیلی فوجیں سارے مقبوضہ عرب علاقوں سے جن میں القدس الشریف بھی شامل ہے، نکل جائیں۔

ب ۔ اہل فلسطین کو اپنے قومی حقوق استعمال کرنے کا موقع دیا جائے۔ ان میں تنظیم آزادیٔ فلسطین کی قیادت میں اپنے وطن میں اپنی خود مختار مملکت قائم کرنے

کا حق بھی شامل ہے اور

ج ۔ مقبوضہ عرب علاقوں میں تمام نام نہاد "بستیاں" مسمار کر دی جائیں۔

جب تک یہ جائز مطالبات مکمل طور پر پورے نہیں ہوتے مشرقِ وسطیٰ میں حقیقی اور دیرپا امن قائم نہیں ہوگا اور دنیا کے سر پر بڑے پیمانے پر جنگ و جدل کا خطرہ منڈلاتا رہے گا۔ ایسی صورت میں اسرائیل کو تحفظ دینے والوں کے مفادات کو سب سے زیادہ نقصان پہنچے گا۔

جنابِ صدر!

افغانستان میں جو سانحہ پیش آیا ہے، دنیائے اسلام اس کے بارے میں بھی بہت فکر مند ہے۔ اس چھوٹے سے آزاد غیر وابستہ مسلم ملک میں افغان عوام کے قومی حقوق اور غیر وابستگی کے مقدس اصول اور اقوامِ متحدہ کے منشور کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بڑے پیمانے پر فوجی مداخلت کی گئی ہے۔

افغانستان کے لوگوں نے اپنی صدیوں پرانی قومی روایت اور آزادی کے ناقابلِ تسخیر جذبے سے کام لیتے ہوئے یہ چیلنج قبول کر لیا ہے اور بے خوف و خطر ملک کے طول و عرض میں تحریکِ مزاحمت شروع کر دی ہے۔ ان کی تحریک بھی الجزائر کے عوام اور زمبابوے کے عوام کی تحریک بلکہ غیر ملکی تسلط کے خلاف کہیں بھی اور کسی وقت بھی چلائی جانے والی ہر تحریک کی طرح مقدس ہے اور اس لائق ہے کہ اس کا احترام کیا جائے اور اس کی حمایت کی جائے۔

اس جارحانہ کارروائی کے خلاف بین الاقوامی برادری خاص طور پر دنیائے اسلام کے شدید غصے کا اظہار واضح طور پر اس مطالبے کی شکل میں کیا گیا ہے کہ تمام سوویت فوجیں فوری طور پر اور کسی شرط کے بغیر افغانستان سے نکل جائیں۔ گزشتہ مئی میں اسلام آباد میں

اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کی جو کانفرنس ہوئی، اس نے افغانستان کے بحران کو پُرامن مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ کانفرنس میں ایک قرارداد کے ذریعے پاکستان اور ایران کے وزرائے خارجہ اور اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے سیکرٹری جنرل پر مشتمل ایک مجلس قائمہ کی تشکیل کی گئی تاکہ مندرجہ ذیل اصولوں کی بنیاد پر تصفیے کے لئے تمام فریقوں سے صلاح مشورہ کیا جائے:

ا ۔ افغانستان سے سوویت یونین کی تمام فوجوں کا فوری، غیر مشروط اور مکمل انخلا۔

ب ۔ افغانستان کی آزاد اور غیر وابستہ حیثیت کی بحالی۔

ج ۔ افغانستان کے لوگوں کے اس حق کا احترام کہ وہ اپنی قسمت کا خود فیصلہ کریں اور اپنی خواہش کے مطابق بیرونی مداخلت کے بغیر اپنی مرضی کا طرزِ حکومت اختیار کریں۔

د ۔ ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ افغان پناہ گزین عزت اور خیریت کے ساتھ اپنے وطن واپس جاسکیں۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اسلامی کانفرنس نے جو پہل کی تھی وہ فی الحال کابل کے حکمران ٹولے کے منفی رویّے کی وجہ سے تعطل کا شکار ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ معزز اسمبلی ان اصولوں کے تحت افغانستان کے بحران کا سیاسی حل تلاش کرنے کے اہم فریضے کی طرف توجہ دے گی۔

اس اثنا میں دس لاکھ سے زیادہ افغان پناہ گزین چودہ سو میل لمبی سرحد پار کرکے پاکستان آگئے اور بہت سوں نے ایران میں پناہ لے لی۔ مردوں، عورتوں اور بچوں پر مشتمل خاندان کے خاندان اور گاؤں کے گاؤں لڑائی کی شدت کی وجہ سے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوکر برابر پاکستان آرہے ہیں۔ میرا ملک انسان دوستی کے جذبے اور اسلامی اخوت

کی روایت سے کام لیتے ہوئے انہیں پناہ دے رہا ہے۔ پاکستان کے ذرائع محدود ہیں اور یہ ذمہ داری بہت بڑی ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں برادر اسلامی ملکوں اور دوسری دوست قوموں، اقوام متحدہ کے کمشنر برائے مہاجرین اور مختلف بین الاقوامی ایجنسیوں اور انسان دوست اداروں کی طرف سے جن میں ہلال احمر، ریڈ کریسنٹ اور ریڈ کراس سوسائٹیاں شامل ہیں ، جو امداد ملی ہے، اس پر ہم ان سب کے شکر گزار ہیں۔

جناب صدر!

لوگ جب تک بالکل مجبور نہ ہو جائیں وہ اپنے گھر بار کی آسائشیں ترک کرنے اور جلاوطن ہو کر صعوبتیں برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ جو افغان پناہ گزیں ہمارے ملک میں آئے ہیں وہ اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے کیونکہ ان کی زندگی دوبھر کر دی گئی تھی۔ سوچی سمجھی پروپیگنڈا مہم جس کے تحت پاکستان پر افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا الزام عائد کیا جا رہا ہے، دنیا کو دھوکا نہیں دے سکتی۔ پروپیگنڈے سے اس حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا کہ افغانستان میں مزاحمت کی تحریک، ایک غیور قوم کے جذبۂ حب الوطنی کا اظہار ہے، جس نے کبھی بیرونی تسلط برداشت نہیں کیا۔ میں ایک بار پھر اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دینے کے اصول پر سختی سے کاربند ہے اور اس الزام کی پرزور تردید کرتا ہوں کہ افغانستان میں مزاحمت کی جو تحریک چل رہی ہے، اس میں کسی طرح پاکستان کا ہاتھ ہے۔

جناب صدر!

یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ مزاحمت کی تحریک خاص طور پر افغانستان کے اندرونی علاقوں میں چلائی جا رہی ہے جہاں بہادر مرد اور عورتیں، بہادر لڑکے اور

لڑکیاں اور بہادر کسان اور مزدور اپنے آپ کو غیر ملکی فوجوں کے جبری قبضے سے آزاد کرانے کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں بڑی طاقتوں کا رویّہ حیرت انگیز ہے۔ ایک بڑی طاقت نے دوسری بڑی طاقت پر الزام لگایا ہے کہ وہ اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہی ہے۔ یقیناً بحر ہند کے جزیروں میں ایک ملک کی فوجوں کی موجودگی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے حیلہ بنا کر دوسرا ملک جبری طور پر ایک آزاد مسلم اور غیر وابستہ ملک پر قبضہ کرے۔

کمپوچیا میں بھی افغانستان جیسی صورتِ حال پائی جاتی ہے۔ وہاں بھی غیر ملکی قابض فوجوں نے ایک کٹھ پتلی حکومت کو اقتدار کی کرسی پر بٹھا دیا ہے اس کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ کمپوچیا کے لوگ بہت بڑی تعداد میں ترک وطن کرنے اور کڑے مصائب برداشت کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ افغانستان اور کمپوچیا دونوں جگہ بین الاقوامی قانون اور پُرامن بقائے باہمی کے اصول کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

جنابِ صدر!

دنیائے اسلام یہ نہیں سمجھتی کہ جب تک دہشت کا غیر مستحکم توازن قائم ہے اور اسلحہ کی دوڑ جاری ہے اس وقت تک صحیح معنوں میں بین الاقوامی تحفظ قائم ہو سکتا ہے۔ دو بڑی طاقتوں کے درمیان کشیدگی کم کرنے کے لئے ماضی میں جو بھی اقدامات کئے گئے ہیں، ہم نے ہمیشہ ان کا خیر مقدم کیا ہے۔ ہم اب بھی مہلک ایٹمی ہتھیاروں کی تخفیف کے لئے ان کی کوششوں کی تہہِ دل سے حمایت کرتے ہیں۔ لیکن ایسی مفاہمت کی حمایت نہیں کرتے جس کا مقصد یہ ہے کہ دو بڑی طاقتیں دنیا کو اپنے اپنے دائرۂ اثر میں بانٹ لیں۔ کیونکہ اس سے اسلامی اور غیر وابستہ دنیا کو نقصان پہنچے گا۔ ہم ایسی مفاہمت کے حامی نہیں، ہیں جس کے تحت کرۂ ارض کے

بعض علاقوں کو کشیدگی سے پاک رکھا جائے اور دوسرے علاقوں کو مختلف شکلوں میں توڑ پھوڑ اور جارحیت کا شکار بننے دیا جائے۔ ہم امن کے خواستگار ہیں۔ ہم عزت کے ساتھ امن چاہتے ہیں۔ ہم وقار کے ساتھ امن چاہتے ہیں۔ ہمارا پختہ یقین ہے کہ امن ناقابلِ تقسیم ہے اور یہ پوری دنیا پر محیط ہونا چاہیئے۔ امن کو کسی علاقے یا طرزِ نفاذ تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔

دنیائے اسلام اصولی معاملے کے طور پر اقوام کی خود ارادیت اور آزادی کے حق کی حمایت میں ہمیشہ صفِ اوّل میں رہی ہے۔ ہم سب کے لئے یہ بات بڑی اطمینان بخش ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد قریب قریب ایک سو اقوام نے آزادی حاصل کر لی ہے۔ افریقی اقوام کی دلیرانہ جدوجہد کی کامیابی آزادی کی تاریخ کا ایک شاندار باب ہے۔ ہم آزادی کی عظیم تحریکوں کے ناقابلِ تسخیر جذبے کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں اور خاص طور پر ان شہیدوں کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں جن کی عظیم قربانیوں کی بدولت یہ کامیابی حاصل ہوئی۔

آج ہمارے درمیان اقوام متحدہ کے مکمل ممبر کی حیثیت سے زمبابوے کی موجودگی برِّاعظم افریقہ کی شاندار کامیابیوں کی علامت ہے اور یہ نمیبیا اور جنوبی افریقہ کے لوگوں کے لئے جو نوآبادیاتی نظام اور نسلی اقلیت کی حکمرانی کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں، امید کی نئی کرن ہے۔ ہماری دعائیں اور تمام اخلاقی اور مادی حمایت ہمیشہ جنوبی افریقہ کے حریت پسندوں کے ساتھ ہو گی۔ ان کے مسائل ہمارے مسائل اور ان کی مشکلات ہماری مشکلات ہیں۔ وقت ان کے ساتھ ہے۔ وہ ضرور کامیاب ہوں گے کیونکہ وہ حق پر ہیں۔

جنابِ صدر! جس طرح گزرا ہوا کل واپس نہیں آ سکتا اسی طرح آزادی کی

رُو کو پلٹا نہیں جا سکتا۔ جدید تاریخ بھی ثابت کرتی ہے کہ لوگوں کو غلام اور ملکوں کو نوآبادی بنائے رکھنے کی تمام کوششوں کے لئے ناکامی مقدر ہو چکی ہے۔

جنوبی افریقہ نسلی امتیاز، مختلف نسل کے لوگوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے اور اکثریت پر اقلیت کی حکمرانی کی جن پالیسیوں پر کاربند ہے، وہ اسلام اور بین الاقوامی اخلاقیات کی روح کے منافی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ جو بھی نسلی امتیاز برتے گا یا رنگ کی بنیاد پر ایک انسان کو دوسرے سے برتر سمجھے گا، اسے اس کی سزا ضرور ملے گی۔

پرٹیوریا کی حکومت کو اس بات پر مجبور کیا جانا چاہیئے کہ وہ نمبیبیا پر اپنا ناجائز قبضہ اور اس علاقے میں اور خود جنوبی افریقہ میں ظلم و تشدد کے اقدامات اور پالیسیاں ترک کر دے۔ نمبیبیا کے عوام کو اس بات کی اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ اقوامِ متحدہ کی زیرِ نگرانی غیر جانبدار انتخابات کے ذریعے اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کریں۔ بظاہر خواہ کتنی ہی مشکلات درپیش ہوں، ہمیں یقین ہے کہ آخر کار نمبیبیا کے عوام سواپو کی قیادت میں اپنی جدوجہد میں کامیاب ہوں گے۔

امتیازی سلوک کی ایک اور شکل ہے جو آج دنیائے اسلام کے لئے گہری تشویش کا باعث ہے۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں بسنے والی مسلم اقلیتوں کی مجموعی تعداد قریب قریب تیس کروڑ ہے۔ مذہبی تعصب کی وجہ سے اکثر ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے اور انہیں ناقابلِ بیان اذیتوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کچھ ملکوں میں انہیں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت غلاموں کی حیثیت دی جا رہی ہے۔ دوسرے ملکوں میں انہیں ان کے گھر بار سے نکال کر ایسے علاقوں میں بھیجا جا رہا ہے جہاں ان کا جینا دشوار ہو۔ ان پر خود قانون کے محافظ ظلم ڈھا رہے ہیں اور انہیں ختم کرنے کے

درپے ہیں۔ یہ دنیا کے ضمیر کے لئے ایک چیلنج ہے جس کا مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے۔ یہ انسانی حقوق کے لئے بھی چیلنج ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ضمیر اور مذہب کی آزادی ہر شخص کا حق ہے۔ کیا دنیا ان کروڑوں انسانوں کی طرف سے آنکھیں بند کر سکتی ہے جو محض اس وجہ سے شدید مصائب کا شکار ہیں کہ وہ کسی خاص مذہب کے پیروکار ہیں؟ اسلامی تعلیمات کے مطابق ہمیں نہ صرف ان مسلمان اقلیتوں سے ہمدردی ہے جنہیں جانبداری اور ظلم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، بلکہ ان تمام اقلیتوں سے خواہ وہ کسی بھی مذہب یا نسل سے تعلق رکھتی ہوں، دلی ہمدردی ہے جو اسی طرح کے ظلم کا شکار ہیں۔

ان اقلیتوں کی زبوں حالی پر انسان دوستی کے جذبے کے تحت تشویش کے اظہار کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی ملک کے اندرونی معاملوں میں مداخلت کی جا رہی ہے۔ عالمی برادری کو اخلاقی طور پر ایسے حالات کے خلاف ضرور غصّے کا اظہار کرنا چاہیئے کیونکہ بیشتر حالات میں ظالم پر دباؤ ڈالنے کا یہی واحد طریقہ رہ جاتا ہے۔

اگر ہمیں انسانی تکلیفوں کا احساس نہ رہے یا افلاس اور بھوک کا منظر ہمارے ضمیر کو جھنجھوڑ نہ سکے تو بنی نوع انسان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

"وہ مومن نہیں جو پیٹ بھر کر کھالے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہے"

(حدیثِ نبویؐ)

"جو اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرے گا۔" (حدیثِ نبویؐ)

یہ بات افراد کی طرح اقوام پر بھی صادق آتی ہے۔

جنابِ صدر!

ہم مسلم اقوام اور تیسری دنیا سے تعلق رکھنے والے ہمارے بھائی نوآبادیاتی نظام کے تحت سختیوں کا شکار رہے ہیں۔ ہم نے اپنی آزادی کے حصول کے لئے شانہ بشانہ جدوجہد کی ہے۔ آزادی کے بعد ہم نے ایک جیسی مشکلات کا سامنا کیا ہے۔ ہمیں ایک ہی جیسے مسائل ورثے میں ملے ہیں۔ ہمیں ایک ہی جیسے چیلنج کا سامنا ہے۔ ہمیں یکساں طور پر اس مایوسی کا سامنا ہے کہ ہمارے عوام کی روز افزوں امنگیں اور توقعات پوری نہیں ہو سکیں۔

ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان موجودہ اقتصادی تعلقات عدل و انصاف کے حصول یا یوں کہنا چاہیئے کہ اس اصول کے فقدان کی بنیاد پر قائم ہیں۔ ترقی پذیر قومیں خام مال فراہم کرتی ہیں، لیکن ترقی یافتہ قومیں جو مصنوعات فراہم کرتی ہیں وہ اس کی بہت زیادہ قیمت مانگتی ہیں جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ہم تیسری دنیا کی قومیں بین الاقوامی منڈی کے رحم و کرم پر ہیں۔ اس منڈی کو معدودے چند صنعتی ملک اپنے اشاروں پر چلاتے ہیں۔ ترقی یافتہ ملکوں کا مفاد اسی میں ہے کہ وہ یوں محسوس کریں کہ اس طرح کے ہتھکنڈوں سے صرف مختصر مدت تک فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ہم ایک دوسرے پر انحصار کے دور میں داخل ہو چکے ہیں اور کوئی ایک ملک ایسی تدابیر اختیار کر کے جن سے دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں کے جائز مفادات کو نقصان پہنچتا ہو، اپنی خوش حالی کی ضمانت حاصل نہیں کر سکتا۔ ترقی پذیر ملکوں کے خلاف استحصالی اور جانبدارانہ حربے اقتصادی اور سیاسی عدم استحکام کا باعث ہیں۔ یہ صورتِ حال دنیا کے امن اور تحفظ کے لئے خطرہ ہے۔ یقیناً وقت آگیا ہے کہ ایک نیا اقتصادی نظام قائم کیا جائے جو پائیدار ہو۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے

کہ یہ نظام انصاف پر مبنی ہو۔

ستتر ملکوں کا گروپ جو تیسری دنیا کی نمائندگی کرتا ہے، ۱۹۶۴ء سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ ایک ایسا اقتصادی نظام قائم کیا جائے جس کے تحت پوری دنیا کی معیشت بہتر ہو، جس سے تمام ملکوں کو فائدہ پہنچے۔ شمالی ملکوں اور جنوبی ملکوں کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ قریب قریب دس سال سے جاری ہے اور کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوا۔ اس اثنا میں نصف سے زیادہ دنیا میں افلاس اور محرومی میں مزید اضافہ ہو گیا ہے جس سے دنیا میں استحکام کو پہلے سے زیادہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ترقی پذیر ملکوں کو یہ امید نہیں ہے کہ ترقی یافتہ ملک ضروری وسائل اور ٹیکنالوجی تک رسائی میں خطرناک عدم توازن کی اصلاح کے لئے کوئی ذمہ دارانہ اور تعمیری اقدام کریں گے۔

اس اثنا میں دنیائے اسلام نے مربوط اقدامات کے ذریعے اپنے وسائل کو یکجا کرنے کی ابتدا کی ہے اور اس مقصد کے لئے مالی اور بینکاری کے ادارے قائم کئے ہیں۔ مناسب وقت پر ان اداروں کی مدد سے مسلمانوں میں اقتصادی میدان میں خود اعتمادی پیدا ہو جائے گی۔ صحیح اسلامی روایت کے مطابق تیل پیدا کرنے والے مسلم ممالک نے نہ صرف برادر مسلم ملکوں بلکہ تیسری دنیا کے ملکوں کی مشکلات دور کرنے کے لئے امداد و تعاون کے رویّے سے کام لیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مسلم ممالک ستتر کے گروپ کے مقاصد حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتے رہیں گے۔ ان کی آواز شمالی اور جنوبی ملکوں کے مذاکرات میں بھی واضح طور پر سنی جائے گی۔ مسلم ممالک دولت مند ملکوں پر زور دیں گے کہ وہ تیسری دنیا کے لئے اپنی سرکاری ترقیاتی امداد اپنی مجموعی قومی پیداوار کے ۷ء۰ فیصد کی حد تک بڑھا دیں جس پر اتفاق رائے ہو چکا ہے کیا فراخ دلی کا یہ معیار رہ گیا ہے؟

ایک طرف تو افلاس اور پسماندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے جس پر مستقبل میں دنیا کے استحکام کا انحصار ہے، اتنی کم امداد دی جا رہی ہے اور دوسری طرف مہلک ہتھیاروں کے حصول کے لئے زیادہ سے زیادہ وسائل کام میں لائے جا رہے ہیں۔ ایک اور سانحہ یہ ہے کہ ان ملکوں کو بھی جو اپنے قیمتی وسائل اپنے عوام کی بہبود کو نظرانداز کر کے اسلحہ کے حصول پر خرچ کر رہے ہیں، بڑے پیمانے پر مہلک ہتھیار دیئے جا رہے ہیں۔ دنیا کے تحفظ کو غریب عوام کی بنیادی ضروریات نظرانداز کرنے سے جتنا بڑا خطرہ درپیش ہے، اتنا ہی بڑا خطرہ وسائل کو اسلحہ کی دوڑ پر اندھا دھند خرچ کرنے سے بھی لاحق ہے۔ ان دونوں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ اسلحہ کی تخفیف بین الاقوامی کشیدگی دور کرنے کے لئے ہی نہیں بلکہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ انسانی ترقی کے لئے وسائل کو بہتر طریقے سے کام میں لایا جا سکے۔ تخفیف اسلحہ عالمی برادری کی فوری توجہ کی مستحق ہے اور یہ ضروری ہے کہ عالمی اور علاقائی سطحوں پر اس مسئلے سے نمٹا جائے۔

جناب صدر!

امن اور انصاف کی بنیاد پر عالمی نظام قائم کرنے کے سلسلے میں اقوامِ متحدہ اب بھی ہماری امیدوں اور امنگوں کا مرکز ہے۔ ان مقاصد کے تحت جو اقوامِ متحدہ کے منشور میں بتائے گئے ہیں، یہ عالمی ادارہ ایسا نظام قائم کرنے کا پابند ہے۔ اقوامِ متحدہ کو قائم ہوئے پینتیس سال ہو چکے ہیں۔ اس عرصے میں اس ادارے کو بین الاقوامی امن اور ترقی کی قوت کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ گاہے گاہے اقوامِ متحدہ اپنے وعدوں کو عملی شکل نہیں دے سکی، لیکن اس سے ہماری حوصلہ شکنی نہیں ہوئی۔ ہمیں ان حالات کا احساس ہے جن کی وجہ سے یہ عالمی ادارہ اپنا یہ فیصلہ نافذ نہیں کر سکا

کہ فلسطینیوں کو اپنے وطن میں اپنی خود مختار مملکت بنانے کا موقع دیا جائے۔ اور اپنا یہ وعدہ بھی پورا نہیں کر سکا کہ جموں و کشمیر کے باشندوں کو اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کے تحت اپنا مستقبل آپ طے کرنے کا موقع دیا جائے گا۔

چونکہ ریاست جموں و کشمیر کے تذکرے کا پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات سے واسطہ ہے، اس لیے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ جیسا کہ ہماری مستقل پالیسی ہے، ہم ۱۹۷۲ء کے شملہ سمجھوتے کے تحت ہندوستان کے ساتھ اپنے تعلقات کو اور زیادہ معمول پر لانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ دونوں ملکوں کے درمیان مواصلات، سفر اور تجارت بڑھانے کے سلسلے میں گزشتہ برسوں میں نمایاں پیش رفت ہوئی ہے۔ اگر جموں و کشمیر کا تنازعہ پرامن طریقے سے طے ہو جائے تو اس سلسلے میں اور زیادہ پیش رفت ہو سکتی ہے بلکہ پیش رفت ضرور ہوگی۔ اس معاملے میں پاکستان کا موقف پوری دنیا میں تسلیم شدہ اصولوں پر مبنی ہے۔

دنیائے اسلام اقوامِ متحدہ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اس کے بنیادی مقاصد کے حصول کی کوشش کرتی رہے گی۔ اسلام کا پیغام امن، انسانی مساوات، قانون کی حکمرانی اور انصاف کی بالادستی ہے۔ اقوام متحدہ کے بنیادی اصول بھی یہی ہیں۔ اس مذہب کے پیروکاروں کی حیثیت سے جو یہ پیغام دنیا میں لایا اور اس منشور پر دستخط کرنے والوں کی حیثیت سے جس میں یہ پیغام شامل ہے، مسلمانوں پر اقوامِ متحدہ کے نصب العین سے وابستہ ہونے کی دُہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

پیغمبرِ اسلامؐ نے فرمایا:

"جو شخص ہر روز ترقی کی طرف بڑھتا رہتا ہے وہ بھی کمال سے بہت دور ہے۔" (حدیثِ نبویؐ)

اس لیے اگر اقوام متحدہ کے مقاصد پورے ہوتے نظر نہیں آتے، اگر بین الاقوامی سطح پر جارحیت، زور اور زبردستی کا دور دورہ ہے، اگر طاقت ور کے ہاتھوں کمزور کی سلامتی اور خود مختاری خطرے میں ہے، اگر آج بھی حق کا دوسرا نام طاقت ہے تب بھی ہم مایوس نہیں ہیں۔ ہم اب بھی پر اُمید ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ اپنے نصب العین تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔

یہی وہ یقین اور عزم ہے جس کے ساتھ دنیائے اسلام پندرھویں صدی ہجری میں داخل ہونے کو ہے۔ اس کا شاندار ماضی اس کی تقویت کا باعث ہے۔ اسے حال کے مسائل اور مواقع دونوں کا احساس ہے۔ اسے یہ بھی احساس ہے کہ اس کی روحانی، ثقافتی اور سیاسی زندگی کا نیا دَور شروع ہو رہا ہے۔ اس کی قوت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اسے اپنے مستقبل پر اعتماد ہے۔ آج اس کی قوت کا سرچشمہ فکر و عمل میں اتحاد کی تڑپ ہے۔ مسلم ممالک جن کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے، عام طور پر اس بات سے متفق ہیں کہ ان پر اثر انداز ہونے والے معاملات اور دوسرے عالمی مسائل کے بارے میں انہیں متحدہ اور اجتماعی موقف اختیار کرنا چاہیئے۔ اس اندازِ فکر نے اس تصوّر کو جنم دیا ہے کہ مسلم ممالک اپنے قدرتی وسائل، اپنی کثیر افرادی طاقت اور موجودہ مہارتوں کو یکجا کر کے اپنا تحفظ مستحکم کریں۔ اس قریبی تعاون سے خود اعتمادی پیدا ہو گی اور بیرونی عوامل پر جو غیر یقینی اور اکثر تکلیف دہ ہیں، انحصار کم ہو جائے گا۔ اسلامی ملکوں کی سلامتی کے اس تصوّر کا یہ مقصد نہیں کہ طاقت کے کسی گروپ میں شامل ہوا جائے یا بہت سے ملکوں کے ساتھ دفاعی معاہدے کئے جائیں۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ پوری امتِ مسلمہ کے مفاد میں اجماع کے ذریعے جو مقاصد متعین کر دیئے گئے ہیں، ان کے حصول کے لئے مسلم ممالک کی انفرادی اور

اجتماعی صلاحیتوں میں اضافہ کیا جائے۔

جنابِ صدر!

آج کی دنیا میں اگر انسان یہ سوچنے لگے کہ اس کا مستقبل تاریک ہے اور پھر مایوسی کے ماحول میں وہ اپنی راہ سے بھٹک جائے تو یہ تعجب کی بات نہ ہوگی۔ لوگ مایوسی اور احساس محرومی کا شکار ہیں۔ انہیں ہر طرف خطرات اور مصائب دکھائی دیتے ہیں۔ مختلف گروہوں کے درمیان معاشرتی ناانصافی اور قوموں کے درمیان اقتصادی عدم مساوات پائی جاتی ہے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ یہ سب کچھ حد سے بڑھی ہوئی مادہ پرستی، اخلاقی قدروں کے انحطاط اور ایمان کی کمی کا نتیجہ ہے۔

ہماری نجات اسی میں ہے کہ ہم اپنا ایمان مستحکم کریں اور خالق اور اس کی مخلوق پر بھروسہ کرنا سیکھیں۔ میں ایک مسلمان کی حیثیت سے بات کر رہا ہوں۔ مجھے اس بات کا شدید احساس ہے کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کے بارے میں بے جا ادّعا کی ممانعت ہے۔ اسلام کا حکم ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کے بارے میں بے جا فخر و مباہات کا اظہار نہ کریں۔ لہٰذا میں بڑی عاجزی کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک آج کی دنیا جن مسائل سے دوچار ہے، اسلام ان کے حل میں مدد دے سکتا ہے۔ وہ عالمی اخوّت اور پُرامن بقائے باہمی کے اصولوں کی بنیاد پر بین الاقوامی بھائی چارے کا مضبوط ڈھانچہ قائم کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اسلام دوسرے مذاہب کی طرح محض مذہب نہیں بلکہ ہمہ جہت عمارت ہے۔ یہ قانون کا ایک بے مثال اور جامع نظام ہے۔ یہ ایک ممتاز ثقافت ہے، ایک دلکش تہذیب ہے۔ یہ انسان کی تسکین اور نجات کے لئے اعلیٰ ترین مابعد الطبیعیاتی اصول ہے۔ اسلام نے چودہ سو سال میں جو خدمات انجام دی ہیں ان سے سب واقف ہیں۔

مسلمان اقوام عالم کے درمیان صلح و آشتی کو فروغ دینے کے لئے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس کی نشاندہی کوہِ عرفات پر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خطبۂ حجۃ الوداع سے ہوتی ہے جس میں انسانی حقوق اور فرائض کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ یہ خطبہ آج بھی ایسا ہی برمحل ہے جیسا چودہ سو سال پہلے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"اے لوگو! میری بات غور سے سنو! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں ہے۔ تم سب حضرت آدمؑ کی اولاد ہو اور حضرت آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔

زمانہ جاہلیت میں خون کا بدلہ لینے کا جو رواج تھا وہ اب ختم کیا جاتا ہے۔

خاندانی دشمنیوں کا سلسلہ بھی ختم کیا جاتا ہے۔

تم ایک دوسرے کی جان، مال اور عزت کو قیامت کے دن تک اپنے اوپر حرام سمجھو۔

عورتوں کے ساتھ معاملات میں اللہ کو یاد رکھو۔ ان پر تمہارے کچھ حقوق ہیں۔ تم پر بھی ان کے کچھ حقوق ہیں۔

ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ بیٹا باپ کے جرم کا ذمہ دار نہیں۔ باپ بھی اپنے بیٹے کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ہے۔ جس کے پاس کوئی امانت ہے وہ اس کے مالک کو واپس کر دے۔

ربا ختم کیا جاتا ہے، لیکن تم سرمایہ رکھ سکتے ہو۔ تم کسی پر ظلم نہ کرو، تم پر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تم ایک برادری ہو۔ ایک شخص کا مال اس کے بھائی کے لئے جائز نہیں

تاوقتیکہ یہ مال خوشی سے نہ دے دیا گیا ہو۔ خیال رکھو کہ کسی پر ظلم نہ کرو۔ یقیناً تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی پرسش کرے گا۔"

اگر پیغام یہ ہے تو کیا اسلام کا احیاء اور دنیا کے مسلمانوں کی بیداری ایسی صورتِ حال نہیں ہے جس کا خیر مقدم کیا جانا چاہیئے؟ ۔ اسلام کا ایسی قوت کی حیثیت سے خیر مقدم کرنا چاہیئے جو کشاکش سے تھکی ہوئی دنیا میں امن قائم کر سکتی ہے اور مایوس انسانیت کے دل میں اُمید کی شمع روشن کر سکتی ہے۔

یہ ایسا مذہب نہیں ہے جو اپنے آپ کو دوسروں پر مسلّط کرتا ہے۔ قرآن مجید ہمیں واضح طور پر یاد دلاتا ہے کہ

" دین میں زبردستی نہیں ہے۔" (القرآن ۲ : ۲۵۶)

اسلام کسی جبر کے بغیر اور غیر محسوس طریقے سے عالمی برادری کا ضمیر بیدار کر سکتا ہے۔ دینِ اسلام اس دنیا کی زندگی بہترین طریقے سے بسر کرنے میں اپنے پیروکاروں کی رہنمائی کرتا ہے۔

مسلمانوں کی دعا یہ ہے :

" اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر۔"

یہ زندگی آخرت کی زندگی کی تیاری ہے۔ ہمیں یہ زندگی بھرپور طریقے سے دیانتداری کے ساتھ اور پورے عزم کے ساتھ بسر کرنی ہے۔ یہ زندگی اللہ کے لئے، اس کے پاک نام پر اس کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے بسر کی جائے۔

جنابِ صدر! دنیائے اسلام کو یقین ہے کہ خالص مادہ پرستی کا دور ہمیشہ کے

لئے ختم ہو چکا ہے۔ شہنشاہیت، نو آبادیاتی نظام اور ہر طرح کی بے انصافیاں اسی مادہ پرستی کی پیداوار تھیں۔ اب مادہ پرستی کو واپس نہیں لایا جا سکتا۔ اس وقت مسلمان پندرھویں صدی ہجری میں داخل ہونے کو ہیں۔ اب وہ اپنے مذہب، اپنی عظیم ثقافت اور بے مثال معاشرتی اور معاشی اداروں پر فخر کرنا پھر سیکھ گئے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ اس صدی کا آغاز ایک نئے عہد کی ابتدا ثابت ہو گا جس میں وہ امن و انصاف، انسانی مساوات اور کائنات کے بارے میں اپنے شعور کی بدولت بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے قابلِ قدر کام انجام دینے کے قابل ہو جائیں گے۔

میں اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے دنیا کے مسلمانوں کی طرف سے دلی امید ظاہر کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ۴۵ اقوام جو یہاں جمع ہیں صدقِ دل سے عہد کریں کہ

ا۔ پندرھویں صدی ہجری اور اکیسویں صدی عیسوی کے ساتھ ایسے عہد کی ابتدا ہو گی جس میں بین الاقوامی تعلقات مختلف طاقتوں کی گروہ بندی کی بجائے اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر قائم کئے جائیں گے۔

ب۔ ہم عالمی اخوّت کی بنیاد پر نیا انسانی معاشرہ قائم کریں گے۔

ج۔ نسل، رنگ، عقیدے اور جنس کی بنیاد پر تمام تعصّبات ختم کر دیئے جائیں گے۔

د۔ دنیا میں ظلم اور ناانصافی کے بچے کھچے آثار مٹا دیئے جائیں گے۔

ہ۔ طاقتور قومیں کمزور قوموں کو نہیں ستائیں گی اور دولت مند غریبوں پر دھونس نہیں جمائیں گے۔

و۔ سائنسی علوم اور قدرتی وسائل کو اسلحہ کے حصول اور جنگ کی دوسری تیاریوں پر ضائع کرنے کی بجائے پوری نسل انسانی کی بھلائی کے لئے منصفانہ بنیاد پر تقسیم

کیا جائے گا۔

ذ۔ اس کرۂ ارض کے ماحول کو خراب نہیں کیا جائے گا تاکہ آنے والی نسلیں ایسی دنیا کی وارث بنیں جو حسین بھی ہو اور جس پر اچھی زندگی بسر کی جا سکے، جیسا کہ خالق نے اسے ہمارے لئے بنایا تھا۔

ط۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قوموں کے درمیان امن کا دور دورہ ہوگا اور لوگ بھائی چارے کے ساتھ رہیں گے تاکہ بنی نوع انسان ہماری قیمتی تہذیب کو محفوظ رکھ سکے جس میں ہر نسل کا حصہ ہے اور سیاسی اقتصادی اور معاشرتی انصاف کی بنیاد پر ایسی عمدہ زندگی بسر کریں جس کی ہم سب کو تمنا ہے، لیکن جس تک ابھی ہماری رسائی نہیں ہے۔

جناب صدر! اس معزز اسمبلی سے خطاب کرنے کا موقع دینے پر میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

وَالسَّلَامُ عَلَیکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

پاک امریکہ اقتصادی کونسل کے ارکان سے خطاب

(انگریزی سے ترجمہ)

نیویارک : ۵ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

۵ اکتوبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے پاک امریکہ اقتصادی کونسل کے ارکان سے خطاب کیا۔ صدر نے اپنی لکھی ہوئی تقریر کو نظر انداز کر کے فی البدیہہ تقریر کی جس کا لہجہ نہایت بے تکلفانہ اور دوستانہ تھا۔

صدر نے پاکستان کی چمڑے اور ٹیکسٹائل کی صنعت کا ذکر کیا اور کونسل کے ارکان پر زور دیا کہ وہ پاکستان سے مزید کپڑا درآمد کریں جو ان کے اپنے تیار کردہ کپڑے سے معیار میں کم نہ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں فری انٹرپرائز ہے ہم نجی شعبے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ امریکی تاجروں کے لئے پاکستان کے ساتھ تجارت میں بہت وسیع امکانات ہیں۔

صدر نے کہا کہ تجارت اپنے قوائد و ضوابط خود منضبط کرتی ہے۔ آپ پاکستان کی اشیاء آزما کر دیکھئے اگر آپ مطمئن ہو جائیں تو جاری رکھئے ورنہ ترک کر دیجئے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ

پاک امریکہ اقتصادی کونسل کے ارکان ،

معزز حاضرین

اور

خواتین وحضرات !

السّلام علیکم۔ اتنے چہروں پر اس قدر دوستی کا تاثر دیکھ کر میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کو مربّیانِ پاکستان کہہ کر خطاب کروں۔ آپ کی آنکھوں میں مجھے دوستی اور محبّت کا اتنا گہرا احساس نظر آتا ہے کہ میں نے اپنی لکھی ہوئی تقریر کو نظر انداز کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ آپ سے بلاتکلّف بات کرسکوں۔ لکھی ہوئی تقریر کی نقول اگر آپ کے پاس ہیں تو انہیں فارغ وقت پر اٹھا رکھیے۔

اگر میں کہوں کہ پاکستان کی معیشت مستحکم ہو رہی ہے یا یہ کہ پاکستان کی برآمدات میں اضافہ ہوا ہے تو لامحالہ آپ کے ذہن میں سوال ابھرے گا کہ "پھر کیا ہوا"؟ اگر میں

کہوں کہ پاکستان کی زراعت میں بہتری ہوئی ہے تو آپ کہیں گے: "ٹھیک ہے، پاکستان کا بھلا ہو! کیونکہ آخر کار پاکستان کو خود اپنے لوگوں کے لئے خوراک مہیا کرنی چاہیئے" لیکن جب میں یہ کہتا ہوں کہ مغربی ایشیا کے ایک کونے میں اسّی ملین لوگ ایسے ہیں جو اس خراجِ تحسین کو قبول کرنے میں میرے ساتھ شامل ہیں جو ابھی ڈاکٹر ہمل نے پیش کیا کہ یہ لوگ آبرومند لوگ ہیں، اور کرۂ عرض کی سب سے بڑی جمہوریت ریاستہائے متحدہ امریکہ سے تعاون کرنے پر آمادہ ہیں تو یقین کیجئے کہ یہ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے کہہ رہا ہوں۔

ہماری بڑی برآمدات چاول اور کپاس ہیں، لیکن چاول اور کپاس آپ کے ہاں بھی ہوتے ہیں حتیٰ کہ آپ انہیں برآمد کرتے ہیں۔ امریکہ ایک برّاعظم ہے، لیکن شمالی امریکہ تو بذاتِ خود ایک دنیا ہے۔ کونسی چیز ہے جو آپ کے ہاں نہیں؟ اس کے باوجود جب میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے پاس کچھ ایسی اشیاء ہیں جو آپ خرید سکتے ہیں تو یہ میں تقابلی اعتبار سے کہہ رہا ہوں، مثال کے طور پر آلاتِ جرّاحی ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے ہاں تیار ہونے والے آلاتِ جرّاحی دنیا بھر میں بہترین ہوتے ہیں۔ انہیں آزمائیے۔ ایک اور چیز جو آپ لے سکتے ہیں، چمڑا اور کھالیں ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ترقی پذیر ملک ہونے کے باعث ہماری ٹیکنالوجی اعلیٰ درجے کی نہیں ہے، اگرچہ ہمارے پاس مویشیوں کی دولت وافر ہے۔ میں جو جوتا پہنتا ہوں، وہ ہمارے ہاں پانچ یا چھ ڈالر میں فروخت ہوتا ہے۔ ایسا ہی جوتا میرے ایک دوست نے واشنگٹن میں پچاس ڈالر کا خریدا۔ وہ کل بڑے فخر سے کہنے لگے: "آپ نے یہ جوتا دیکھا ہے؟" میں نے کہا: "ہاں! بڑا عمدہ ہے۔" کہنے لگے: "ایسا آپ بھی منگوا لیجئے۔" میں نے پوچھا: "کتنے کا ہے؟" کہنے لگے: "پچاس ڈالر کا۔" میں نے

کہا: "پچاس ڈالر کا جوتا تو میں نہیں خریدوں گا۔" یہاں جو بات میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اگر پاکستان کے لوگوں کے پاس چمڑے کی اشیاء تیار کرنے کی کسی قدر بہتر ٹیکنالوجی ہوتی تو وہ ویسا ہی جوتا پاکستان میں بناتے اور آپ کے پاس پچیس ڈالر میں فروخت کرتے۔ پھر آپ اسے امریکہ میں پچاس ڈالر میں فروخت کر کے اس پر پچیس ڈالر بناتے۔

ہم کپڑا تیار کرتے ہیں آپ کے ہاں بھی اعلیٰ کپڑا تیار ہوتا ہے۔ تاہم مجھے معلوم ہے کہ آپ بہت سا کپڑا جاپان سے درآمد کرتے ہیں۔ آپ نے کپڑے کی درآمد کا کوٹہ مقرر کر رکھا ہے اس بارے میں میرے خیال میں پاکستان اور امریکہ کی حکومتوں کے درمیان یا میرے اور مسٹر ہمل کے مابین تفصیلی گفتگو ہونی چاہیئے۔ میں امریکہ میں تیار ہونے والے فریجڈیٹر کی پاکستان میں درآمد پر کوئی پابندی نہیں لگانا چاہتا۔ لوہے اور بجلی کے سامان کی درآمد پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے، بشرطیکہ کوئی درآمد کرے۔ آپ جس قدر چاہیں درآمد کر سکتے ہیں لیکن جب میں کہتا ہوں کہ پاکستان اپنی کپاس اور اپنے تھوڑے بہت تجربے سے ایسا کپڑا تیار کرتا ہے جو آپ کے بہترین کپڑے کا مقابلہ کر سکتا ہے تو میں یہ تجویز بھی آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اگر انسان کو انسان کی مدد کرنی چاہیئے تو پھر امریکہ کی تاجر برادری کو بھی چاہیئے کہ وہ پاکستان سے مزید کچھ کپڑا درآمد کرنے پر غور کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان میں تیار ہونے والا کپڑا اعلیٰ کوالٹی کا ہوگا۔

جب میں پاکستان اور امریکہ کے مابین تجارت کی بات کرتا ہوں تو یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ پاکستان میں فری انٹرپرائز ہے ہم نجی شعبے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ میں آپ کے ملک کے بڑے تاجروں سے اپیل کرتا ہوں کہ پاکستان کو ایک بار آزمایئے۔

اگر آپ مطمئن ہو جائیں تو پاکستان کے ساتھ تجارت جاری رکھیئے اور اگر آپ مطمئن نہ ہوں تو ترک کر دیجئے کیونکہ تجارت کے قواعد خود تجارت منضبط کرتی ہے۔

جب میں یہ کہتا ہوں کہ پاکستان میں آپ کے لئے بہتر امکانات ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے اپنے ملک اور اپنے ملک کی مصنوعات کی تعریف میرے لئے لازمی امر ہے۔ اس نقطۂ نظر سے آپ شاید یہ سوچیں کہ اس کی بات کو چار پر تقسیم کر لیں تو صحیح صورت سامنے آجائے گی۔ یہ موضوع میرے دل کے اتنا قریب ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اپنا سارا زور بیان صرف کر دوں تاہم جن چیزوں کی میں تعریف کرتا ہوں ان کے بارے میں یہ بھی کہتا ہوں کہ آزما کر دیکھئے۔ پھر اگر آپ خود بھی تعریف کریں تو میرا تعریف کرنا بجا معلوم ہو گا۔

آپ کا ردِ عمل بہت حوصلہ افزا رہا ہے۔ مجھے معلوم ہے آج ہفتے کا دن ہے، چھٹی کا دن ہے، اس کے باوجود پاکستان کے دوستوں نے اتنی بڑی تعداد میں اس عصرانے میں شرکت کی ہے۔ آپ نے پاک امریکہ اقتصادی کونسل کی اور پاکستان کی عزت افزائی کی ہے جس کے لئے خواتین و حضرات، میں تہہِ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مجھے اپنے سادہ سے انداز میں یہی کچھ کہنا تھا۔

پاکستان پائندہ باد

پریس کانفرنس سے خطاب

(انگریزی سے ترجمہ)

لندن : ۶ اکتوبر ۱۹۸۰ء

۶ اکتوبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے "لندن ٹائمز" کے صحافیوں کے ایک وفد سے مختصر ملاقات کی۔ اس ملاقات کے دوران انہوں نے ایران عراق جنگ کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ فی الحال یہ نظر نہیں آتا کہ دونوں فریق کسی حل کو قبول کرنے پر رضامند ہو جائیں گے، اس لئے جنگ کچھ دیر جاری رہے گی۔ تاہم آخر کار یہ امکان ہے کہ دونوں فریق بحالیٔ امن پر رضامند ہو جائیں گے۔ انہوں نے اپنے نیویارک اور لندن کے دورے کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ صدر کارٹر اور مسز تھیچر سے ان کی بات چیت نہایت اچھی رہی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

لندن ٹائمز کے صحافتی عملے کے معزّز ارکان !

السّلام علیکم ۔ حال ہی میں مجھے پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر نو سو ملین مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس سے خطاب کا تجربہ ہوا۔ اس کا اختیار مجھے اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ نے اپنی گیارہویں کانفرنس میں دیا تھا جو گزشتہ مئی میں اسلام آباد میں منعقد ہوئی تھی۔ مجھے اُمید ہے آپ نے میری اس تقریر کے بارے میں کچھ سنا ہو گا۔ اگر آپ مزید کچھ جاننا چاہیں تو میں حاضر ہوں۔ اس کے علاوہ حال ہی میں امریکہ میں قیام کے دوران صدر کارٹر سے میری مختصر لیکن بہت مفید ملاقات ہوئی ہے اور واپسی پر وزیرِ اعظم مسز تھیچر سے بھی تبادلۂ خیال کا موقع ملا ہے۔

یہ مختصر سی تمہید ہے۔ میں سمجھتا ہوں آپ کے ذہنوں میں کچھ سوالات ہوں گے۔ جن کے لئے میں حاضر ہوں۔

سوال : جنابِ صدر ! آپ تہران اور بغداد سے واپس پہنچے ہی ہیں ۔ جب آپ روانہ

ہوئے تھے تو امن کے امکانات کے بارے میں مایوس نظر آتے تھے۔ آپ کے خیال میں کیا عراق اور ایران کی جنگ لمبی ہو گی؟ اگر ایسا ہے تو کیا وجہ ہے کہ امن کے لئے امکانات نہیں ہیں؟

جواب: خوب! آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ میں قنوطی ہوں۔

صحافی: آپ کے بیانات سے۔

صدر: یا آپ یہ اشارہ کر رہے ہیں کہ میں مایوس تھا۔ ایسا نہیں ہے۔ جب میں بغداد روانہ ہوا تو بہت پُر امید تھا اور یہ میں نے کہا بھی تھا۔ میں نے کہا تھا کہ میں پُر امید ہوں، اس لئے نہیں کہ میں فطرتاً رجائیت پسند ہوں بلکہ جو معلومات مجھ تک پہنچی تھیں، ان کی بنا پر۔

دونوں فریق جنگ لڑ رہے ہیں، لیکن باقی دنیا امن میں دلچسپی رکھتی ہے۔ میں اس علاقے میں امن کے کچھ امکانات دیکھتا ہوں۔ میں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ امکانات بہت واضح نہیں ہیں، لیکن شاید جلد یا بدیر ایسا حل ممکن ہو گا جو فریقین کے لئے قابلِ قبول ہو۔ جنگ جاری ہے اور میرا تاثر یہ ہے کہ دونوں فریق مضبوط پوزیشن سے بول رہے ہیں۔ دونوں فریقوں کا اپنا اپنا موقف ہے۔ جب تک دونوں فریق کسی حل کو قبول کرنے پر رضا مند نہ ہو جائیں، جو فی الحال نظر نہیں آتا، جنگ کچھ دیر جاری رہے گی۔ دونوں کے موقف میں بنیادی طور پر اتنا بُعد ہے کہ انہیں کسی حل کو قبول کرنے پر آمادہ کرنا مشکل ہے۔ تاہم میرا خیال ہے کہ آخر کار ممکن ہے، وہ رضا مند ہو جائیں۔

سوال: کیا مسٹر تھیچر سے آپ کی گفتگو زیادہ تر ایران عراق جنگ کے بارے میں تھی یا روسیوں کو افغانستان چھوڑنے پر آمادہ کرنے کے امکانات پر بھی تبادلۂ خیال

کیا جو آپ کا ایک موضوع ہے ؟

جواب: جی ہاں! ہم نے افغانستان کے بارے میں بھی گفتگو کی۔ میں شکر گزار ہوں کہ مجھے وزیراعظم مسز تھیچر سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے انہیں ایران عراق جنگ کے بارے میں اپنے خیالات سے آگاہ کیا اور ان سے افغانستان کی موجودہ صورتِ حال کے بارے میں بھی تبادلۂ خیال کیا۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

لندن میں پاکستانیوں سے خطاب

لندن : ۶ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

اقوامِ متّحدہ سے واپسی پر صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے لندن میں مختصر قیام کیا اور برطانوی وزیر اعظم مسنر مارگریٹ تھیچر سے مذاکرات کئے۔ اسی دوران انہوں نے ۶ اکتوبر کو برطانیہ میں مقیم پاکستانیوں کے ایک اجتماع سے مختصر خطاب کیا جنہیں صدر سے ملاقات کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ صدر نے انہیں یقین دلایا کہ پاکستانی سفارت خانے کے اہل کار بیرونِ ملک پاکستانی باشندوں کے خادم ہیں اور اس توقع کا اظہار کیا کہ پاکستانی سفارت کار اپنا آرام و آسائش بالائے طاق رکھ کر پاکستانی باشندوں کی خدمت کریں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ خَاتَمِ النَّبِیِّینَ

میرے عزیز ہموطنو!

السّلام علیکم۔ میں آپ کا ممنون ہوں، احسان مند ہوں کہ آپ نے زحمت فرمائی اور یہاں تشریف لائے۔ میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ بتایئے کہ پاکستان کی حکومت آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہے۔ پاکستانی خدا کے فضل سے دنیا کے ہر حصّے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر ملک کی اپنی اپنی مشکلات ہوتی ہیں اور اپنے اپنے حالات ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب ہم گھر سے باہر نکلتے ہیں تو ہماری توقعات بڑھ جاتی ہیں۔ ہم یہ توقع کرتے ہیں کہ حکومتِ پاکستان کا جو سفارت خانہ ہے، وہ ہمارا ملازم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سفارت خانے کے تمام اصحاب آپ کے خادم ہیں۔ وہ پاکستانی عوام اور پاکستانی باشندوں کے خادم ہیں۔ اس لئے ان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ جو کچھ قوم اور ملک کی بہتری کے لئے

ہو سکے، وہ کریں۔ اپنے آرام و آسائش کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قوم کی خدمت کریں۔

پاکستان پائندہ باد

پریس کانفرنس سے خطاب

اسلام آباد : ۱۰ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

صدر جنرل محمد ضیاء الحق اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب اور مختلف سربراہوں سے ملاقات کے بعد ۱۰ اکتوبر کو اسلام آباد پہنچے۔ اس موقع پر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ عالمِ اسلام کے متعلق لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہوتی نظر آتی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس دورے کے دوران وہ نو مختلف دارالحکومتوں میں گئے اور جہاں بھی گئے، پاکستان کے متعلق نہایت اچھے جذبات دیکھنے میں آئے۔

صدر نے بتایا کہ اسلامی کانفرنس ایران عراق جنگ بند کروانے کی پوری کوشش کر رہی ہے اور اگر دوبارہ امن مشن پر ان کے جانے کی ضرورت ہوئی تو وہ ضرور جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ مختلف سربراہوں سے ملاقات کے دوران انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ عالمی برادری کو افغانستان سے فوجیں نکالنے کے لئے روس پر دباؤ ڈالنا چاہیئے۔ صدر نے بتایا کہ امریکہ کے سابق صدر کارٹر اور روس کے صدر گرومیکو سے ملاقات کے بعد وہ مطمئن ہیں کہ ہمارا نقطۂ نظر واضح طور پر سمجھ لیا گیا ہے۔

صدر نے بتایا کہ امریکی سرمایہ کاروں کو پاکستان میں سرمایہ لگانے کی دعوت کا ردّ عمل توقع سے بڑھ کر ہوا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اگر دولتِ مشترکہ میں شریک ملک عزت و وقار کے ساتھ اس ادارے میں ہماری دوبارہ شمولیت چاہیں گے تو ہم اس میں شمولیت اختیار کر لیں گے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اسی مہینے ملک کے نظامِ حکومت کے بارے میں ڈھانچے کا اعلان کریں گے جس میں اسلامی اقدار کو اپنایا جائے گا اور جمہوریت کو فروغ دیا جائے گا۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اخبارات پر سنسر بہت نرم ہے اور ابھی کچھ دیر اس کا رہنا ضروری ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ۔

معزّز صحافی خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، میں پیغامِ اسلام اور پیغامِ امن لئے بہت سے ممالک سے ہو کر آ رہا ہوں۔ اس سلسلے میں یکم اکتوبر کو پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کے موقع پر مَیں نے جو تقریر کی، اُمید ہے آپ حضرات نے ضرور سنی ہو گی یا اس کا متن پڑھا ہو گا۔ اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی اسلام کی صحیح معنوں میں نمائندگی کرنے کے لئے اور موجودہ زمانے میں امن کے حالات سے متعلق گفتگو کرنے کی غرض سے مجھے مختلف سربراہوں سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ مجھے جب پرسوں مختار زمن صاحب نے بتایا تو مجھے اچھنبا ہوا کہ اتنے تھوڑے سے عرصے میں نو مختلف سربراہوں سے ملاقاتیں ہوئیں، نو مختلف دارالحکومتوں میں جانا ہوا اور کافی مصروفیت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس قابل بنایا کہ میں کچھ عالمِ اسلام کے نقطۂ نظر اور کچھ امن کے سلسلے میں ان سے گفتگو کر سکوں۔ یہ

خداوندِ ذوالجلال کا فضل ہے کہ جہاں بھی گئے، بڑے اچھے تاثرات ملے۔ پاکستان کے متعلق نہایت ہمدردانہ جذبات دیکھنے میں آئے اور عالمِ اسلام کے متعلق لوگوں کو جو غلط فہمیاں تھیں، وہ دور ہوتی نظر آنے لگیں۔ کل اس سلسلے میں بون Bonn میں میں نے ایک بھرپور پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا۔ وہاں کی رپورٹ بھی آپ تک پہنچ گئی ہوگی۔ بہرحال، ان ابتدائی کلمات کے بعد میں آپ سے گزارش کروں گا کہ اگر آپ کوئی سوال پوچھنا چاہیں یا کسی چیز کی وضاحت چاہیں تو بڑے شوق سے ارشاد فرمائیں۔

سوال:۔ جنابِ صدر! ایران اور عراق کی لڑائی کا آج اٹھارواں دن ہے۔ اب تک یہ کہا جا رہا ہے کہ آپ امن کی کوششوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور سیکورٹی کونسل بھی آپ کے امن مشن کا انتظار کر رہی ہے۔ اس کے نتائج Results کے متعلق آپ ہمیں بتائیں گے کہ آپ کو اس میں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے اور آپ کے اور کیا ارادے ہیں۔ کیا آپ دوبارہ ان دونوں ممالک کے دارالحکومتوں کا دورہ کر رہے ہیں؟

جواب:۔ اس وقت ایران اور عراق دونوں کا نقطۂ نظر ان کی اپنی اپنی سوچ کے مطابق ہے۔ دونوں اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں۔ دونوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہمارے پڑوسی ممالک ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتے رہے ہیں۔ دونوں کا یہ تاثر ہے کہ یہ جنگ کسی کے مفاد میں نہیں ہے، لیکن موجودہ حالات میں دونوں ممالک کو کسی نہ کسی طریقے سے ایک دوسرے پر برتری حاصل ہے۔ ایران کو فضائیہ میں برتری حاصل ہے اور عراق نے اپنے برّی مقاصد کو حاصل کر لیا ہے۔ اس وقت دونوں کسی نہ کسی طریقے سے

اپنے آپ کو ایک دوسرے سے برتر سمجھتے ہیں۔ ایسے حالات میں جب Polarization ہو اور Flexibility کم ہو تو میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر صرف گفت وشنید ہوتی رہے تو وہ بھی امن کی طرف ایک قدم ہے۔

اس سلسلے میں ایران اور عراق کے سربراہانِ مملکت سے میرا رابطہ قائم ہے اور جیساکہ آپ نے سُن لیا ہوگا اور اگر خبروں میں نہیں آیا تو میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ نیویارک میں ہم نے اس کا جائزہ لیا ہے اور اسلامی کانفرنس کے آخری اجلاس میں جو چار تاریخ کو ہوا، اس میں ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سیکرٹری جنرل حبیب شطی صاحب کو بھیجا جائے۔ لہٰذا آج کل وہ ایران اور عراق کے دورے پر ہیں۔ ان کی طرف سے جیسے ہی مجھے کوئی اطلاع ملی، انشاءاللہ اگلا قدم اٹھاؤں گا، لیکن آپ کو یہ سن کر کافی خوشی ہوگی کہ نہ صرف اقوامِ متحدہ میں بلکہ یورپین کمیونٹی، انگلینڈ، آسٹریا اور مڈل ایسٹ میں سب کی یہی رائے ہے کہ ایران اور عراق کے سمجھوتے میں اور امن کی کوششوں میں عالمِ اسلام مؤثر کردار ادا کر سکتا ہے جس کے لئے اسلامی کانفرنس کی تنظیم کا ادارہ نہایت موزوں ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کریں گے اور دو پڑوسی اور برادر ممالک میں انشاءاللہ جلد صلح ہو جائے گی۔

سوال: صدرِ محترم! اس جنگ میں بڑی طاقتوں کے ملوّث ہونے کا کہاں تک امکان ہے؟

جواب: میں نے یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے، پھر ایران میں، عراق میں، اردن میں، نیویارک پہنچنے پر، وہاں سے روانگی پر اور سربراہانِ مملکت سے جو میری ملاقات ہوئی اس میں، غرض یہ کہ ہر موقع پر میں نے سب سے

پہلے یہ کہا ہے کہ نہ صرف بڑے ممالک بلکہ کسی چھوٹے ملک کو بھی اس جنگ میں ملوّث نہیں ہونا چاہیئے۔ ہماری ہمدردیاں تو اس سلسلے میں یہ ہونی چاہئیں کہ ان دونوں ممالک میں کس طرح صلح کرائی جا سکتی ہے اور اس خطے میں کس طرح امن بحال کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی نے کسی کا ساتھ دیا تو میرا خیال ہے کہ پھر اس سے بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی اور عالمی امن خطرے میں پڑ جائے گا۔

سوال: صدر صاحب! اس سلسلے میں ایران سے جو رپورٹیں آئی ہیں، انہوں نے بعض عرب States (سٹیٹس) کو براہ راست نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ وہ ایران کے خلاف عراق کی مدد کر رہی ہیں۔ جب آپ تشریف لے گئے تھے تو کیا ایرانی حکومت نے اس سلسلے میں آپ سے کوئی گفتگو کی تھی؟

جواب: جی نہیں! انہوں نے اس چیز کا ذکر نہیں کیا، لیکن ان کا خیال تھا کہ ایران اکیلا رہ گیا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں کہا تھا کہ جنابِ عالی! جناب صدر ذی مقام! میں آپ کے پاس چالیس مسلمان ممالک کا نذرانۂ عقیدت لے کر آپ سے یہ گزارش کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ کوئی ہمارے لائق خدمت ہو تو بتایئے اور یہ بھی بتایئے کہ ہم کس طریقے سے امن قائم کر سکتے ہیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بعض ممالک کے بیانات آ رہے ہیں۔ اگرچہ عملی طور پر میرا خیال ہے کچھ نہیں ہو رہا، لیکن اگر بیانات بھی بند ہو جائیں تو میرے خیال میں اس سے اچھے نتائج نکلیں گے۔

سوال: صدر صاحب! کیا اردن میں بھی اس سلسلے میں آپ کی گفتگو ہوئی تھی کہ اگر کوئی ملوّث ہوا تو امنِ عالم کے لئے خطرہ بہت زیادہ بڑھ جائے گا؟

جواب: جی ہاں! میری وہاں بھی ملاقات ہوئی اور اس معاملے پر کافی مؤثر گفت و

شنید ہوئی۔ میری اُن سے ملاقات ۲۹ کو ہوئی تھی۔ اس وقت جو میں نے مناسب سمجھا، اپنی حقیر رائے سے ان پر واضح کر دیا اور انہوں نے بھی مجھ سے اتفاق کیا تھا۔ کچھ ممالک نے اس سلسلے میں بیانات دیئے ہیں، لیکن عملی طور پر کچھ نہیں کیا جس سے کوئی خطرہ پیدا ہو۔

سوال: جنابِ والا! کیا آپ عراق، ایران امن مشن پر دوبارہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! جس وقت بھی میری ضرورت ہوئی، جب بھی میں نے محسوس کیا یا مجھے کسی طرف سے روشنی کی شعاعیں نظر آئیں تو میں بھاگ کر جاؤں گا، بلکہ اڑ کر جاؤں گا۔

سوال: کیا آپ نے محسوس کیا کہ مغرب کے رہنے والے اسلامی تعلیمات اور اسلامی اصولوں سے متاثر ہیں؟

جواب: بہت زیادہ۔ میرے خیال میں ان کو اس بارے میں بہت سی غلط فہمیاں ہیں جو ہمیں دور کرنی چاہئیں۔

سوال: کیا آپ اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتے کہ بیرونِ ملک پاکستانی سفارتخانوں کو تبلیغِ اسلام کی اضافی ذمہ داری بھی سونپی جائے؟

جواب: نہیں ہم اپنے سفارت خانوں کو مذہبی تبلیغ کے اداروں میں نہیں بدل سکتے۔ تبلیغِ اسلام ہر مسلمان کا فرض ہے۔ ان معنوں میں نہیں کہ آپ ڈنڈا لے کر کسی کے پیچھے پڑ جائیے (یہاں مسلمان قابو نہیں آتے، آپ غیر مسلموں کی بات کرتے ہیں) بلکہ ان معنوں میں کہ سب سے پہلے ہم اسلام کے مفہوم کو خود اچھی طرح سمجھیں، پھر اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو سمجھائیں اور پھر

کسی ایسے شخص کو جو یہ مفہوم سمجھنے میں دلچسپی رکھتا ہو۔ لیکن میرا اپنا ردّعمل یہ تھا کہ ان تمام آٹھ نو ممالک کے دارالحکومتوں میں مَیں جن جن سربراہانِ مملکت سے ملا، انہوں نے مجھے مبارکباد دی۔ ان کا خیال تھا کہ بہت سی باتیں ایسی تھیں جن کے بارے میں ان کے دل میں شکوک و شبہات تھے۔ مگر اب ان کا خیال ہے کہ اسلام عالمِ انسانیت کے لئے قیامِ امن کے لئے بہت کچھ کر سکتا ہے۔

سوال: لیکن جناب! کیا یہ ہوگا کہ بین الاقوامی سٹیج پر جہاں آپ تقریر کریں گے، آپ یہ ہدایات جاری کریں گے کہ تقریر سے پہلے تلاوتِ قرآن پاک کی جائے، جیسے کہ آپ نے یہ بنیاد ڈالی ہے؟

جواب: جہاں تک میرا ذاتی عمل تھا، میں نے کچھ کیا ہے۔ مگر سب کو تو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

سوال: آپ اپنے سفارت خانوں کو تو حکم دے سکتے ہیں۔

جواب: جی! ہمارے سفارت خانوں میں تو سب جگہ ایسا ہوتا ہے۔ ہر تقریب سے پہلے تلاوتِ قرآن پاک ہوتی ہے۔ تمام خطوط بسم اللہ الرّحمان الرحیم سے شروع کئے جاتے ہیں۔ یہ ہدایات تو ہماری طرف سے جا چکی ہیں اور ان پر عمل بھی ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس کے پاک نام سے ہر کام میں برکت ہے۔

سوال: عالمِ اسلام کے نمائندے کی حیثیت سے پاکستان میں آپ کے لئے خیرسگالی کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ برادر ملک افغانستان میں جو حالات ہیں، ان سے متعلق آپ نے وہاں جو گفتگو کی، اس کی وضاحت فرمائیں گے؟

جواب: افغانستان کے حالات کے متعلق میں نے خاص طور پر وضاحت کی ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ ایران اور عراق میں موجودہ صورتِ حال کی وجہ سے ان کا ذکر بہت آ رہا ہے۔ ہمیں اس پر اعتراض نہیں ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ وہاں بھی حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن میں نے یورپ میں خاص طور پر اور امریکہ میں بھی جہاں جہاں تک میری پہنچ ہو سکی ہے، ان کو بتایا ہے کہ اگر آج انہوں نے افغانستان کو بھلا دیا، اگر وہاں کے ڈیڑھ کروڑ یا ۱۵ ملین انسانوں کی آزادی کے متعلق اپنے نظریے کو بدلا یا ڈر گئے تو کل جس وقت پولینڈ کی باری آئے گی تو وہ چلائیں گے۔ پھر اس وقت لوگوں سے کیا کہیں گے۔ اس وضاحت کے بعد مجھے اُمید ہے کہ اس کے نتائج اچھے نکلیں گے۔ کل بھی جب ایک صاحب نے مجھ سے سوال پوچھا کہ مسئلہ افغانستان کا حل کیا ہے تو میں نے ان سے کہا کہ بھئی لڑائی سے تو یہ حل نہیں ہو سکتا۔ یہ تو سیاسی مسئلہ ہے۔ اس کو فوجی شکل دی گئی ہے۔ یہ افغانستان میں فوجی مداخلت ہے مگر اس کو سیاسی طریقے سے حل ہونا چاہیئے۔ اس مسئلے کے سیاسی حل کے لئے رویّوں میں لچک اور باہمی افہام وتفہیم ہونی چاہیئے۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ عالمی طاقتیں جو اس معاملے میں ملوّث ہیں یا اس مسئلے سے دلچسپی رکھتی ہیں، انکو اور خاص طور پر آزاد دنیا کے حامیوں کو اس کے اسباب جاننے کی کوشش کرنی چاہیئے اور سوویت یونین پر دباؤ ڈالنا چاہیئے کہ وہ اپنے فوجی دستے افغانستان سے واپس بلالے اور افغانستان کی سرزمین چھوڑ دے۔ ہم یہ بات اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ افغانستان کو سوویت یونین کا ہمسایہ ملک ہونے کے ناطے اس کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھنے ہیں۔ کسی کو اس بارے میں تعصّبانہ روّیہ نہیں اختیار

کرنا چاہیئے۔ کسی کو اعتراض کرنے کی ضرورت نہیں اگر کسی ایک ملک کے دوسرے ملک کے ساتھ دوستانہ مراسم ہیں۔ کم ازکم ہمیں اس بارے میں کوئی تعصب یا اعتراض نہیں اور یہ بات ہمارے قول و فعل سے ظاہر ہے۔ میں ڈاکٹر Kriesky اور آسٹریا کے موجودہ صدر ڈاکٹر Salinger سے اس بارے میں بات کر رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ دنیا امن و سکون کا گہوارہ بن سکتی ہے اگر ہم صرف ایک اصول کی پیروی کریں کہ ہم اپنے ہمسایوں سے محبت کریں گے اور ان کے ساتھ امن و آشتی سے رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس مسئلے کے حل کے لئے کوششیں کرتے رہے ہیں۔ اس میں انہیں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی ہے، لیکن وہ اپنی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

سوال: جناب، یہ بات آپ کی طرف سے سننے میں آئی ہے کہ امریکہ کی طرف سے امداد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی سننے میں آ رہی ہے کہ روس نے پاکستان کے ساتھ سخت رویّہ رکھا ہوا ہے جو دھمکی آمیز بھی ہے۔ آپ عالمی دورے سے تشریف لا رہے ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ عالمی برادری کی طرف سے آپ کو کوئی یقین دہانی کروائی گئی؟ یعنی اگر پاکستان کی سالمیت کو کوئی خطرہ پیش آئے تو کیا صورت ہو گی؟

جواب: دیکھئے! میں جذبات کی بنیاد پر بہت کم جوابات دیتا ہوں، لیکن اگر میری باتوں میں آپ کو اس قسم کی کوئی بات نظر آئے تو آپ غلط تاثر نہ لیجئے۔ میں آج بھی یہ کہتا ہوں کہ اگر آٹھ کروڑ عوام اپنی آزادی کو قائم نہیں رکھ سکتے تو پھر چھوڑ دیئے اس دھندے کو اور کسی اور کو یہ موقع دیجئے کہ وہ اس ملک کی

حفاظت کرے۔ کس قسم کی امداد چاہتے ہیں آپ ؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ پاکستان کا سربراہ یا حکومت کشکول لے کر لوگوں سے بھیک مانگے۔ میں کہتا ہوں کہ ایک وقت کی روٹی کھانا بہتر ہے بجائے اس کے کہ آپ مانگ تانگ کر تین وقت کا کھانا کھائیں۔ میری یہ پالیسی ہے اور انشاء اللہ یہی رہے گی۔ میں نے کسی سے یہ نہیں کہا کہ پاکستان کی مدد کرو۔ جہاں تک فوجی امداد کا تعلق ہے، میں نے یہ صاف کہہ دیا ہے کہ ہمارے پاس پیسہ ہو گا تو ہم جہاں سے چاہیں گے ہتھیار خریدیں گے۔ ہمارے پاس پیسہ نہیں ہو گا تو ہم ڈنڈے سے لڑیں گے۔ جہاں تک دوسری مالی امداد کا ذکر ہے، میں نے کہا ہے کہ یہ مخیر ممالک کی ذمہ داری ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو اقوامِ عالم کا نمائندہ سمجھتے ہیں تو ان کو خود یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہمیں کہاں کہاں مدد کی ضرورت ہے اور وہ کس طریقے سے ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ آپ کے خیال میں جو مسلمان ممالک ہیں، کیا ان کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ اگر وہ چاہیں تو بہت سے ممالک کی مدد نہ کر سکیں۔ ایسے بہت سے مسلم ممالک ہیں جن کا میں فرداً فرداً ذکر نہیں کروں گا جو نہ صرف مسلمان ممالک بلکہ دوسری ترقی پذیر اقوام کی بھی مدد کر رہے ہیں۔ آپ نے عراق کے متعلق سنا ہو گا۔ انہوں نے ہر اس ملک کو خواہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم، چھوٹ دی ہے، جس نے اُن سے Petrol خریدا ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان کو ۲۰ ملین ڈالر ملے ہیں۔ میں نے صرف ایک ملک کا ذکر کیا ہے، دس اور ایسے ممالک ہیں۔ میرا اس دورے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ کتنا مانگ کر لا سکتا ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو پاکستان کا نقطۂ نظر بتاؤں۔ ان کو بتاؤں کہ دنیا کے ایک کونے میں جنوب مغربی ایشیا

کا ایک ملک ہے جس کے متعلق لوگوں کے غلط تاثرات ہیں۔ ہم آٹھ کروڑ عوام ہیں اور ہماری جغرافیائی اور سٹریٹجکل Strategical پوزیشن ایسی ہے کہ ہم بہت سی قوموں کی مدد کر سکتے ہیں۔ اس وقت خلیج کی حفاظت کی جتنی ذمہ داری اس علاقے کے ممالک پر ہے، اتنی ہی پاکستان پر بھی ہے۔ اگر آج مشرقِ وسطیٰ کا ذکر فرنٹ لائن States کی حیثیت سے ہوتا ہے تو پاکستان بھی آج سوویت یونین کے ساتھ واقع ہونے کی وجہ سے ایک فرنٹ لائن ملک ہے، لیکن میری یہ پالیسی رہی ہے کہ میں نے کسی سے یہ نہیں کہا کہ جناب آپ ہمیں امداد دیجئے۔ اس دورے کے دوران مجھ سے لوگوں نے پوچھا کہ بتایئے آپ کو کیا چاہیئے۔ میں نے اس کے جواب میں صرف یہ کہا کہ اگر پاکستان اور آپ کے ملک کے درمیان کچھ شکوک و شبہات ہیں اور میرے آنے کے بعد وہ دور ہو گئے ہیں تو میں سمجھوں گا کہ اس سے بڑی نعمت مجھے اور کوئی نہیں مل سکتی۔ اس کے بعد پھر آپ خود سوچیں کہ آیا آپ کو پاکستان کی مدد کرنی چاہیئے یا پاکستان کو آپ کی مدد کرنی چاہیئے۔ اگر یہ دو طرفہ روّیہ ہے تو پھر اس سلسلے میں بات کی جا سکتی ہے اور سوچا جا سکتا ہے کہ ایسا کونسا قدم اٹھایا جائے جس سے پاکستان کو استحکام حاصل ہو اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ دو چار ہوائی جہاز یا ٹینک لینے سے طاقت نہیں آتی۔ طاقت اپنے ایمان اور اپنے اوپر خود اعتمادی سے آتی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلحہ کی کمی کے باوجود یہ جو چار لاکھ سے زیادہ افواجِ پاکستان ہیں، انشاءاللہ وقت آنے پر قوم و ملک کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہوں گی۔ میں یہ جذبات سے نہیں کہہ رہا بلکہ حقیقت بیان کر رہا ہوں۔

سوال: جناب صدر! آپ نے صدر کارٹر سے ملاقات کی۔ اس سے قبل جناب آغا شاہی نے مسٹر گرومیکو سے ملاقات کی۔ کیا آپ ان دونوں ملاقاتوں کے بعد عالمی طاقتوں کے پاکستان کے ساتھ تعلقات میں کسی مثبت تبدیلی کی توقع رکھتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! ہم اس بارے میں مطمئن ہیں کہ ہمارا نقطۂ نظر واضح طور پر سمجھ لیا گیا ہے۔ میں نہ صرف اس کی توقع کر رہا ہوں بلکہ میں نے اس کے مفید نتائج دیکھے اور محسوس کئے ہیں جو ہمارے امریکہ اور سوویت یونین کے ساتھ بہتر تعلقات کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

سوال: سر! آپ نے امریکہ میں امریکن تاجروں کی توجہ اس طرف دلوائی ہے کہ وہ پاکستان میں سرمایہ کاری کریں۔ ان کا کیا جواب تھا اور آپ کی کیا توقعات ہیں؟

جواب: میں نے جو دیکھا ہے، میں آپ سے یقین سے کہتا ہوں کہ مجھے خود یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنا مثبت جواب ہو گا۔ اتنے ترقی یافتہ ملک میں جہاں انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں، جہاں اس وقت اتنے زیادہ مواقع ہیں کہ وہ جہاں چاہیں اپنا سرمایہ لگا سکتے ہیں، جو Response میں نے دیکھا یا سنا ہے اگر میں اس کا ذکر کروں تو آپ کہیں گے کہ یہ خود اپنی تعریف کر رہا ہے۔ یہ آپ کسی وقت نظامی صاحب، اے۔ آئی۔ چوہدری یا مختار زمن صاحب سے پوچھیئے جو وہاں موجود تھے۔ میرے خیال میں ایسا ردِّعمل میں نے آج تک کہیں نہیں دیکھا اور مجھے امید ہے کہ اس کا صحیح معنوں میں اثر ہو گا۔

سوال: جناب والا! کیا برطانوی لیڈروں سے مذاکرات کے دوران پاکستان کی دولتِ مشترکہ میں دوبارہ شمولیت کا سوال زیرِ غور آیا تھا؟

جواب: جی نہیں! اس سلسلے میں میں پہلے بھی کئی دفعہ بتا چکا ہوں کہ ہم دولتِ مشترکہ

میں دوبارہ شامل ہونے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ واپس جانے کا جو سلسلہ ہے، وہ باعزت ہو۔ یہ باعزت طریقے پر ہونا چاہیئے۔ ہم یہ تاثر نہیں دینا چاہتے کہ ہم دولت مشترکہ کے ممبر کی حیثیت سے دوبارہ آنا چاہتے ہیں۔ اگر دولت مشترکہ میں شریک اقوام ہماری دوبارہ آمد عزت اور وقار کے ساتھ قبول کرتی ہیں تو ہم اس میں شمولیت اختیار کریں گے۔

سوال: صدرِ محترم! میں آپ کی توجہ پھر ایران عراق جنگ کی طرف مبذول کراتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ دنیا کی نظریں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ سیکیورٹی کونسل نے اس مسئلہ پر غور ملتوی کر دیا ہے، اس بنیاد پر کہ آپ سے انہیں کوئی پیغام ملے گا تو وہ آئندہ کسی اقدام کے بارے میں غور کریں گے۔ ادھر ایران اور عراق روزانہ اس قسم کے اعلانات کر رہے ہیں کہ وہ ایک دوسرے پر بھرپور حملہ کریں گے۔ اس طرح آپ کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ اس سلسلے میں فوری طور پر آپ کیا کر رہے ہیں اور مسٹر شطی سے آپ کا آخری رابطہ کب ہوا ہے؟

جواب: چار تاریخ کو!

سوال: چار کے بعد بھی؟

جواب: پانچ تاریخ کو! انہیں اس کام کے لئے کچھ وقت چاہیئے۔ شاید ایک دو دن۔

سوال: صدر محترم! آپ نے پہلے بھی کئی مرتبہ کہا ہے اور اس دورے میں بھی کئی مرتبہ ذکر کیا ہے کہ آپ ملک کے لئے نئے نظام حکومت کا ڈھانچہ دینے والے ہیں۔ اس کامیاب دورے کے بعد کوئی امکان ہے کہ اس مہینے میں آپ کوئی اعلان کریں؟

جواب: جی ہاں! اندرونی معاملات کا بھی جائزہ لیا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں ہم صحیح اقدامات کرنے کی کوشش کریں گے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس میں بھی برکت دے اور ہمیں اس قابل بنائے کہ ہم صحیح معنوں میں اسلامی اقدار اپنائیں اور جہاں تک جمہوریت کا تعلق ہے اس کو اور زیادہ ترقی دیں۔

سوال: جناب صدر! کیا سنسر جو ہے، یہ پالیسی کا مستقل حصہ رہے گا؟

جواب: ہماری سنسر شپ بہت نرم ہے۔ میرا خیال ہے ابھی تھوڑے عرصے یہ رہنی چاہیئے۔ اس کے اچھے اثرات ہیں۔ نیویارک ٹائمز کے بورڈ آف ڈائریکٹر یا نیوز ویک کے بورڈ آف ڈائریکٹر میں ہیں انہیں یہ بتا رہا تھا کہ ہمارے ہاں پریس کو کتنی آزادی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ اخبارات ضیاء الحق کو جتنی چاہیں گالیاں دیں، ان سے کوئی بازپرس نہیں کی جاتی۔ حکومت پر تنقید کریں، کوئی کچھ نہیں کہتا۔ ہماری غلط پالیسیوں پر مثبت تنقید کرنے کی انہیں اجازت ہے۔ پاکستان کی انتظامیہ کے متعلق کچھ تجاویز ہیں تو انہیں شائع کرنے کی پوری اجازت ہے۔ اگر اجازت نہیں ہے تو اس چیز کی کہ آپس میں تفرقہ بازی ہو، امنِ عامہ کو دھچکا لگے۔ کوئی ایسی غیر ذمہ دارانہ بات لکھی جائے جس سے غلط نتائج نکلیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اچھا یہ تو ہم مان لیتے ہیں کہ آپ اچھا کر رہے ہیں، لیکن آپ یہ بتایئے کہ یہ فیصلہ کون کرتا ہے کہ آیا یہ خبر امنِ عامہ کے خلاف ہے یا نہیں۔ میں نے کہا کہ پریس سنسر شپ آفیسرز ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ انہوں نے کہا کہ آپ کے حالات کے تحت یہ ٹھیک ہے۔ یہ میں آپ سے حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ اور پھر تمام سربراہانِ مملکت سے گفت و شنید میں یہ بات زیرِ بحث آئی کہ ہمارے ہاں صحافت کا عمل کیسے

چل رہا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے! میرے ساتھ بارہ آدمیوں کی جماعت ہے۔ کسی سے جا کر پوچھئے، صحافت کا عمل کیسے چل رہا ہے۔ وہ آپ کو یہ بتائیں گے کہ صرف تھوڑی سی پریس سنسر شپ ہے، لیکن وہ بھی بس کہنے کی بات ہے۔ آپ کو قلم کی آزادی ہے۔ آپ جو مرضی ہو لکھیئے، لیکن اگر آپ نے یہ سوچا کہ آپ کے اخبار کی کاپیاں کتنی بکیں گی تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی نیت خراب ہے۔ تو نیّت کا نو نہ صرف اللہ تعالیٰ بلکہ میں بھی تھوڑا سا حساب لیتا ہوں۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

اہلِ اسلام آباد کے استقبالیے سے خطاب

اسلام آباد : ۱۱ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے عالمِ اسلام کے نمائندے کی حیثیت سے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تاریخی خطاب کے بعد وطن واپسی کے بعد اہل اسلام آباد نے ان کے اعزاز میں ایک عظیم الشان استقبالیہ دعوت دی۔ صدر نے خطبۂ استقبالیہ کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ان کے دورے کی کامیابی پاکستان اور اہلِ پاکستان کی کامیابی ہے۔ اس لئے حالیہ کامیابی کا اگر کوئی بجا طور پر مستحق ہے تو وہ پاکستان کے عوام ہیں۔

اپنے دورے کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے ایران عراق جنگ کو ختم کرانے کے لئے جاری کوششوں کا تفصیل سے ذکر کیا اور کہا کہ امن مشن کو جاری رکھنے کے لئے اگر ضرورت ہوئی تو وہ ایک بار پھر تہران یا بغداد جائیں گے۔

انہوں نے کہا کہ جنرل اسمبلی میں انہوں نے ساری دنیا کے نمائندوں پر یہ واضح کیا کہ اسلام رواداری اور تحمل کا دین ہے اور اپنے ابدی اصولوں کی روشنی میں دنیا کے مسائل کا مثبت حل تلاش کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔

انہوں نے بتایا کہ ان کے دورے کے نتیجے میں مسلمان اور مغربی ممالک کے

سربراہوں میں مسئلہ افغانستان کے سلسلے میں پاکستان کے نقطۂ نظر کا شعور گہرا ہوا ہے اور افغان مہاجرین سے ہمدردی میں اضافہ ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں غیر ملکی دورے سے اپنی قوم اور ملک کے لئے عزت واحترام اور اپنے ہموطنوں کے لئے نیا وقار اور عزتِ نفس لایا ہوں۔

انہوں نے قومی اتحاد پر زور دیا اور کہا کہ متحد اور پُرعزم قوم سے نہ صرف دشمن ڈرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ بھی اس کی تائید وحمایت کرتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

تنظیم اہالیانِ اسلام آباد کے صدر، جناب شاکر حسن صاحب

اور

معزّز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ میں جناب شاکر حسن اور اہالیانِ اسلام آباد کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس شاندار اور خوبصورت تقریب کا اہتمام کر کے میری عزت افزائی فرمائی۔ مجھے اس تقریب کے دو مقاصد بتائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ حالیہ غیر ملکی دورے کی کامیابی پر مجھے مبارکباد دی جائے اور دوسرا یہ کہ شہریوں کی اس تقریب میں مجھے اس دورے کے تاثرات بیان کرنے کی دعوت دی جائے۔

جہاں تک اس دورے کی کامیابی اور اس پر مبارکباد کا تعلق ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ کامیابی پاکستان اور اہالیانِ پاکستان کی کامیابی ہے کیونکہ میری ذاتی حیثیت اور میری ذاتی صلاحیتیں ہرگز اس کے قابل نہیں تھیں۔ میرا سرمایہ اور میری

قوّت عوام تھے جن کی حمایت اور دعائیں میرے شاملِ حال رہیں۔ میں یہ بات محض ذاتی انکساری کی وجہ سے نہیں کر رہا بلکہ میں صدقِ دل سے یقین رکھتا ہوں کہ انسان۔ خواہ اس کی حیثیت اور مقام کچھ بھی ہو۔ ملک کے مقابلے میں ہیچ اور عارضی ہوتا ہے۔ اس کی قوّت اس کے عوام ہوتے ہیں۔ اس کے مؤثر الفاظ عوام کی امنگوں کے ترجمان ہوتے ہیں اور اس کی کارکردگی اس کے اہلِ وطن کی کامیابی ہوتی ہے۔ اس لئے حالیہ کامیابی پر اگر کوئی بجا طور پر مبارکباد کا مستحق ہے تو وہ پاکستان کے عوام ہیں۔

میں نے اس دورے پر روانہ ہونے سے پہلے ایک مختصر پیغام میں اہلِ وطن سے استدعا کی تھی کہ وہ اپنے گھروں اور مسجدوں میں نماز ادا کرنے کے بعد میرے مشن کی کامیابی کے لئے دعا کریں۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میری اس اپیل پر عمل کیا اور مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھا۔ ان کی دعاؤں کی قبولیّت کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ اقوام متحدہ میں ۹۰ کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کے علاوہ میں جہاں بھی گیا۔ اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں آٹھ ملکوں میں گیا۔ اللہ ذوالجلال نے اپنا فضل و کرم میرے شاملِ حال رکھا اور میرے مشن کو کامیاب بنایا۔

شہریوں کے اس استقبالیے سے بہتر اور کیا موقع ہوگا کہ میں کل وطن واپسی پر عوام کی طرف سے کئے گئے والہانہ استقبال کا بھی شکریہ ادا کروں۔ یقین کیجئے عوام کے اس ولولہ انگیز اظہارِ جذبات سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ ہوائی اڈے سے لے کر میرے گھر تک لوگوں نے جس پذیرائی اور شفقت کا اظہار کیا، اس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ ان کے دلوں میں پاکستان اور اسلام کے لئے

کتنی گہری محبت اور عقیدت پائی جاتی ہے ۔ بلاشک وشبہہ اس اظہارِ عقیدت میں اسلام آباد کے شہری بھی پیش پیش تھے ۔

جہاں تک دورے کے تاثرات کا تعلق ہے، میں اپنے تاثرات بیان کرنے کی بجائے آپ کے تاثرات جاننا چاہتا ہوں ۔ میں تو بارہ تیرہ دن اپنی ہمّت اور صلاحیت کے مطابق بیرونِ ملک مصروف رہا ۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ آپ نے اس مصروفیت کو کس نظر سے دیکھا ، اسے کیسا پایا اور اس کے متعلق کیا تاثر قائم کیا ۔ آپ کا یہ کہنا ہے کہ ہم نے تو کل وطن واپسی پر اپنے تاثرات کا عملی اظہار کر دیا ہے ۔ اب آپ بتائیے کہ یہ دورہ کیسا رہا ۔ میں آپ کے اندازِ فکر کی تائید کرتے ہوئے چند تاثرات پیش کرتا ہوں ۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میں اقوام متحدہ روانہ ہونے والا تھا کہ اسلامی کانفرنس کے وزرائے خارجہ نے نیویارک میں اتفاقِ رائے سے انڈونیشیا کی یہ تجویز منظور کی کہ اسلامی کانفرنس کی طرف سے میری سربراہی میں دو رُکنی وفد تہران اور بغداد جائے اور صورت حال کا جائزہ لے ۔ چنانچہ ۲۷ ستمبر کو میں یہاں سے سیدھا تہران گیا اور ان کا نقطۂ نظر معلوم کیا ۔

ایران کا کہنا ہے کہ عراق نے ۱۹۷۵ء کے معاہدے کی خلاف ورزی کر کے ایران کے خلاف جارحیت کی ہے ۔ میں نے ان کا یہ نقطۂ نظر عراق تک پہنچایا ۔ اُس کا استدلال یہ ہے کہ ۱۹۷۵ء کا معاہدہ ایک وقتی دباؤ کے تحت کیا گیا تھا اور عراق ماضی کی ناانصافیوں کے ازالے کے لئے ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوا ہے ۔ میں نے ایک تار کے ذریعے عراق کا یہ اندازِ فکر ایران تک پہنچا دیا ہے ۔

عراق اور ایران دونوں مسلمان ممالک ہیں۔ دونوں کے ساتھ ہمارے قریبی دوستانہ تعلقات ہیں۔ ہم ان کی جنگ کو دو بھائیوں کے درمیان جنگ تصوّر کرتے ہیں اور باہمی خون ریزی پر اظہارِ افسوس کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ جنگ جلد از جلد ختم ہو اور باہمی تنازعہ پُرامن طریقے سے حل کیا جائے، لیکن فی الحال ہماری یہ خواہش پوری ہوتی نظر نہیں آتی کیونکہ دونوں فریق شدید جذبات کی گرفت میں ہیں۔ دونوں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں اور دونوں کو اپنی عسکری صلاحیتوں پر اعتماد ہے۔

ان مشکلات کے باوجود ہماری کوشش جاری ہے۔ میں ایک مرتبہ تہران اور بغداد کا دورہ کر چکا ہوں۔ اگر ضرورت پڑی تو دوبارہ وہاں جانے سے نہیں ہچکچاؤں گا۔ میرے پہلے دورے کا مقصد ثالثی کردار ادا کرنا یا صلح صفائی کرانا نہیں تھا بلکہ حقیقت حال کا جائزہ لینا اور دو بھائیوں کا نقطۂ نظر معلوم کرنا تھا۔ میرے اس دورے کی کامیابی یہ تھی کہ ایران اور عراق کے سربراہوں نے اسلامی کانفرنس کے ایک نمائندے اور ایک دوست ملک کے صدر کی حیثیت سے مجھ پر اعتماد کیا، جنگی حالات کے باوجود مجھے خوش آمدید کہا، اپنے دل کی بات مجھ سے کہی اور میں نے پورے خلوص اور نیک نیتی سے ایک کا نقطۂ نظر دوسرے تک پہنچایا۔ جب دو ملک آپس میں لڑ رہے ہوں تو ان کے درمیان رابطہ مہیا کرنا بھی بحالیٔ امن کی جانب ایک قدم ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ پہلا قدم نہایت مفید اور کامیاب رہا۔ مزید اقدامات کا انحصار اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل اور تہران اور بغداد کی حکومتوں کے رویّے پر ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، سیکرٹری جنرل، حبیب شطی اسلامی وزرائے خارجہ کے کہنے کے مطابق اس "امن مشن" کو جاری رکھنے کے

لئے عنقریب ایران اور عراق جانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب بنا دے۔ ان کے دورے کے بعد اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں بھی تہران یا بغداد جاؤں گا۔

جہاں تک باقی دورے کا تعلق ہے یعنی امریکہ، برطانیہ اور یورپی ممالک، تو میرے خیال میں وہاں کا سب سے پہلا اور نمایاں تاثر یہ ہے کہ ہم اندرونِ ملک نظامِ اسلام کے نفاذ اور بیرونِ ملک اسلامی ممالک کے اتحاد کے لئے جو کوششیں کر رہے ہیں، اس کا غیر ممالک میں بہت گہرا اثر ہے۔ جن لیڈروں سے میری ملاقات ہوئی ہے، مجھے یہ تاثر ملا ہے کہ وہ اسلام کو ایک ابھرتی ہوئی طاقت سمجھتے ہیں۔ وہ اس بات کا اچھی طرح شعور رکھتے ہیں کہ عالمِ اسلام ایک طویل عہدِ خوابیدگی سے کروٹ لے رہا ہے اور موجودہ حالات اور مستقبل قریب میں اہم کردار ادا کرنے والا ہے۔

میں نے ان لیڈروں سے اپنی بات چیت کے دوران اور جنرل اسمبلی میں اپنی تقریر کے دوران یہ واضح کیا ہے کہ اسلام ہاتھ کاٹنے اور کوڑے مارنے کا نام نہیں۔ اسلام حرب و ضرب اور جنگ و جدل کا نام نہیں بلکہ اسلام رواداری اور تحمل کا دین ہے۔ اسلام انسانی ہمدردی اور عالمی خیر سگالی کا دین ہے۔ اسلام بقائے باہمی اور امن کا دین ہے۔ یہ دین اپنے ابدی اصولوں کی روشنی میں مسائلِ عالم کا مثبت حل تلاش کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔

غیر ملکی لیڈروں کے علاوہ میں نے یہی بات مغربی ممالک کے سرکردہ صحافیوں پر بھی واضح کی۔ میں یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتا کہ میں نے ایک ملاقات میں اسلام کے متعلق ان کے دلوں کو صاف کر دیا ہے یا ان کے قلب میں ایمان کی کوئی چنگاری روشن کر دی ہے، لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ان پر اسلام کا صحیح تصوّر واضح کر دیا ہے اور وہ اس دینِ فطرت کو بہتر طور پر سمجھنے لگے ہیں۔ اب وہ اس کی

عظمت کو مانتے ہیں یا نہیں، اس کا انحصار ان کے دین و ایمان پر ہے۔ میرا کام ۹۰ کروڑ مسلمانوں اور دینِ اسلام کی خدمت تھی جو میں نے پوری ہمّت اور استعداد سے کرنے کی کوشش کی۔

اسلام اور عالمِ اسلام کے علاوہ تقریباً تمام سربراہانِ مملکت کے ساتھ میں نے علاقائی صورتِ حال پر بھی تبادلۂ خیال کیا۔ افغانستان کا مسئلہ جو ایران اور عراق کی جنگ کے بعد کہیں کہیں پس منظر میں چلا گیا تھا، اسے امریکی، برطانوی اور یورپی سربراہوں کے ساتھ گفتگو میں اٹھایا اور ان پر واضح کیا کہ افغانستان کا مسئلہ صرف پاکستان کا مسئلہ نہیں، نہ ہی یہ صرف روسی فوجی مداخلت کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ درحقیقت بین الاقوامی تعلقات کے ایک مسلّمہ اصول کی پامالی کا مسئلہ ہے۔ مسلّمہ اصول یہ ہے کہ کوئی ملک خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، کسی دوسرے ملک پر فوج کشی نہیں کر سکتا۔ کوئی ملک خواہ اس کا تعلق مشرق سے ہو یا مغرب سے، کسی دوسرے ملک پر طاقت کے ذریعے اپنی مرضی مسلّط نہیں کر سکتا۔ کوئی ملک خواہ وہ سُپر پاور ہی کیوں نہ ہو، کسی ملک میں اپنی طاقت کے ذریعے اس ملک پر حکومت قائم نہیں کر سکتا۔ افغانستان میں جو کچھ ہوا ہے وہ اس بین الاقوامی اصول کی بے دردانہ خلاف ورزی ہے۔ ہم اس اصول کی خلاف ورزی پر روس کے خلاف آواز اٹھاتے رہے ہیں اور اٹھاتے رہیں گے۔ اس احتجاج کی وجہ صرف یہ نہیں کہ افغانستان کی آزادی اور غیر جانبداری متاثر ہونے سے روسی فوجیں پاکستان کی سرحدوں تک آپہنچی ہیں، بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ اگر جنوب مغربی ایشیا میں اس بے باکانہ فوجی مداخلت کا موثر جواب نہ دیا گیا اور ہر کوئی اپنی اپنی چادر میں منہ لپیٹ کر خاموش ہو گیا تو آج جو مصیبت افغانستان پر آن پڑی ہے، کل اس کا شکار کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔

اگر آج روس کا رُخ جنوب کی طرف ہے تو کل اس کی وسعت پسندی کا ہدف کوئی اور ملک ہو سکتا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ میرے اس استدلال کو تمام لیڈروں نے نہ صرف پوری توجہ سے سنا بلکہ اسے تسلیم بھی کیا۔ ان کی سوچ میں پاکستان کے نقطۂ نظر کا گہرا شعور اور افغان مہاجرین کے لئے دلی ہمدردی پائی جاتی ہے۔ حالیہ ملاقاتوں میں مجھے محسوس ہوا کہ وہ ہماری علاقائی صورتِ حال کو پہلے سے بہتر طور پر سمجھنے لگے ہیں۔ وہ اس کی پیچیدگیوں اور عالمی امن کے لئے خطرات سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔

اس احساس اور آگاہی کے بعد ضروری نہیں کہ یہ سبھی ملک فوری ردعمل دکھائیں۔ ان سب کے اپنے مفادات ہیں۔ جس طرح پاکستان اپنے قومی مفادات کی خاطر بھاگ دوڑ کر رہا ہے، اسی طرح وہ بھی اپنے مفادات کے مطابق عمل کریں گے۔ اس عمل کی واضح صورت کیا ہو گی، اس کے متعلق میرا کچھ کہنا مناسب نہ ہو گا، لیکن اتنا مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ افغانستان کا مسئلہ پس منظر میں نہیں جائے گا بلکہ یہ اس وقت تک اقوامِ عالم کے ضمیر پر کندہ رہے گا جب تک روسی فوجیں مکمل طور پر افغانستان سے واپس چلی نہیں جاتیں اور اس کی آزادی اور خود مختاری بحال نہیں ہو جاتی۔

تیسرا شعبہ جس کے متعلق میں نے تقریباً تمام سربراہوں سے بات چیت کی، وہ ہمارے دوطرفہ تعلقات تھے۔ اکثر ممالک جن میں میرا جانا ہوا، پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں۔ یہ دوستی اور خیرسگالی دوطرفہ ہے۔ میرے اس دورے سے دوستی اور خیرسگالی کی اس فضا کو تقویت ملی ہے اور فرداً فرداً ہر ملک کے ساتھ ہمارے دوطرفہ تعلقات مزید بہتر ہوئے ہیں۔

بعض لوگ جو دنیا کی ہر چیز کو مادی پیمانے سے ناپتے ہیں، سرگوشیوں میں پوچھتے ہیں کہ میں آٹھ دس ملکوں سے کیا لایا۔ کس ملک نے کتنے ٹینک اور کس ملک نے کتنے ڈالر دیئے۔ میں ان مادہ پرست عناصر کو واضح الفاظ میں بتانا چاہتا ہوں کہ میں کشکول لے کر گداگری کے لئے نہیں گیا تھا۔ میں ملک کی عزت ہتھیلی پر رکھ کر ٹینک یا طیارے لینے نہیں گیا تھا۔ میں ایک آزاد اور خود مختار وطن کے صدر کی حیثیت سے گیا تھا۔ میں ایک باعزت اور عزتِ نفس کی خاطر کٹ مرنے والی قوم کے نمائندے کی حیثیت سے گیا تھا۔ میں نوّے کروڑ فرزندانِ توحید کے جذبات کی ترجمانی کرنے گیا تھا۔

میں واپس کیا لایا؟ میں اپنی قوم اور ملک کے لئے عزت و احترام لایا ہوں۔ میں اپنے ہموطنوں کے لئے نیا وقار اور عزتِ نفس لایا ہوں۔ میں نے ان کی عزت کو بیچا نہیں، اسے بلند کیا ہے۔ میں نے ملک کا نام رہن نہیں رکھا، اسے اقوام عالم میں روشن کیا ہے۔ میں نے آپ کی دعا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملکی ساکھ کو بہتر بنایا ہے۔

آج عالمی ماحول اور علاقائی حالات اس موڑ پر ہیں کہ اگر آپ اپنی ساکھ اور اپنے اس وقار کو کیش Cash کروانا چاہیں اور بین الاقوامی منڈی میں اپنی قیمت لگوانا چاہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ اپنی ضرورت سے کہیں زیادہ ٹینک، توپیں، طیارے اور دیگر مادی چیزیں حاصل کر سکتے ہیں، لیکن ایک خوددار اور باوقار قوم کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ:

- ہم اپنی عزت اور وقار کو ہر چیز پر مقدم رکھیں گے۔

- تمام ممالک کے ساتھ برابری اور عزتِ نفس کی بنیاد پر تعلقات استوار کریں گے۔
- کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کریں گے۔
- ایک وقت روٹی کھائیں گے لیکن عزتِ نفس قربان نہیں کریں گے۔
- اپنے ملک کو ترقی دینے کے لئے اپنے وسائل پر بھروسہ کریں گے۔
- اور اگر ملک پر کوئی آڑا وقت آیا تو اپنی آزادی اور سالمیّت کا خود دفاع کریں گے۔ ہمارے پاس جو ہتھیار ہیں انہیں استعمال کریں گے۔ ہتھیار کم ہوگئے تو کلہاڑیوں اور لاٹھیوں سے لڑیں گے اور اگر لاٹھیاں بھی ختم ہوگئیں تو اپنے ہاتھوں اور دانتوں سے لڑیں گے اور ہر قیمت پر اپنی آزادی اور عزت بچائیں گے۔

میں یہ باتیں کہہ کر کوئی جنگی ماحول پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حالات پُرامن اور قابو میں ہیں، تشویش یا پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ یہ چند جذباتی مگر حقیقت پر مبنی الفاظ کہنے کا مطلب صرف قوم کے عزم اور استقلال کا اظہار کرنا ہے اور پاکستان کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں پر واضح کرنا ہے کہ پاکستان کے باشندے خس وخاشاک نہیں جو بادِ مخالف کے ایک جھونکے سے اُڑ جائیں گے۔ یہ آٹھ کروڑ عوام، آٹھ کروڑ سپاہی ہیں جو اپنی عزت اور آزادی کو اپنی جان سے عزیز تر سمجھتے ہیں۔ یہ آزادی حاصل کرنا ہی نہیں اس کا تحفظ کرنا

بھی جانتے ہیں اور یہ بات بھی آپ کو یاد دلاتا چلوں کہ متحد اور پُرعزم قوم سے نہ صرف دشمن ڈرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ بھی اس کی تائید و حمایت کرتے ہیں۔

پاکستان پائندہ باد

اہلِ راولپنڈی کے استقبالیے سے خطاب

راولپنڈی : ۱۳ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں عالمِ اسلام کی نمائندگی کے بعد وطن واپس پہنچنے پر ۱۳ اکتوبر کو راولپنڈی کے شہریوں نے صدر کے اعزاز میں ایک دعوتِ استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ راولپنڈی کے میئر جناب غلام حسین نے خطبۂ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے اسلام اور عالمِ اسلام کی خدمات پر صدر جنرل محمد ضیاء الحق کو خراجِ تحسین پیش کیا اور کہا کہ اقوامِ متحدہ میں عالمِ اسلام کے نمائندے کے طور پر ان کی تقریر ایک اہم کارنامہ تھی۔ صدر نے خطبۂ استقبالیہ کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ انہوں نے مسلمانانِ عالم کے جذبات کی ترجمانی کی حقیر سی کوشش کی ہے اور ان کا نقطۂ نظر کرۂ ارض کے نمائندوں تک پہنچایا ہے۔ اگر ان کی یہ کوشش عوام کو پسند آئی ہے تو وہ اسے اپنے لئے دنیا کا عظیم ترین اعزاز سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جب تک ہم خود اپنے وطن میں مکمل اتحاد پیدا نہیں کر لیتے ہم ملتِ اسلامیہ کے عظیم تر اتحاد کی بات نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا کہ ملک دشمن عناصر عوام کی صفوں میں پوشیدہ ہیں اور عوام ہی انہیں کیفرِ کردار تک پہنچا سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم اسلام کے نام پر متحد ہیں اور متحد رہنا

چاہتے ہیں اور انشاء اللہ متحد رہیں گے اور ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کے لئے کام کرتے رہیں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ۔

راولپنڈی کے میئر، شیخ غلام حسین صاحب

اور

معزّز خواتین و حضرات:

السّلام علیکم۔ غیر ملکی دورے سے واپسی کے بعد گزشتہ چار دنوں میں یہ تیسرا استقبالیہ ہے جس میں عوام کی بھاری تعداد نے شرکت کی ہے۔ پہلا استقبال اسلام آباد کے ہوائی اڈے پر دیکھنے میں آیا، دوسرا استقبالیہ پرسوں اہالیانِ اسلام آباد کی طرف سے منعقد کیا گیا اور آج اس سے بھی بڑے استقبالیے کا اہتمام راولپنڈی کے شہریوں نے کیا ہے۔ میں تینوں موقعوں پر اس عزت افزائی سے بہت متاثر ہوا ہوں اور تمام منتظمین اور شرکاء کا ممنون ہوں۔ میں خاص طور پر جناب غلام حسین صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے نہ صرف اس عزت افزا تقریب کا اہتمام کیا بلکہ ایک بہت اچھی تقریر بھی کی۔ اس تقریر میں جو تعریفی کلمات میرے بارے

میں کہے گئے ہیں، میں اپنے آپ کو ان کا اہل نہیں سمجھتا۔ البتہ ان کلمات کی یہ اہمیت ضرور تسلیم کرتا ہوں کہ میں انہیں عوام کی طرف سے قائم کردہ معیار سمجھوں گا اور حتی الامکان اس معیار پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے عوام کی توقعات پر پورا اترنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔

میں گزشتہ کئی برسوں سے راولپنڈی میں مقیم ہوں اور پچھلے تین سالوں میں کئی غیر ملکی دورے کر چکا ہوں، لیکن کسی بھی دورے سے واپسی پر میں نے عوام کے جذبات میں ایسی ہلچل نہیں دیکھی۔ میں نے انہیں کبھی اس والہانہ انداز میں اپنے احساسات کا اظہار کرتے نہیں دیکھا۔ میں نے انہیں یوں کبھی گل ہائے عقیدت برساتے نہیں دیکھا۔ میں نے اس اچانک تبدیلی پر غور کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میں بھی وہی ہوں جو پہلے تھا۔ عوام بھی وہی ہیں جو پہلے تھے۔ اگر اس اثنا میں کوئی یادگار اور اہم واقعہ ہوا ہے تو صرف یہ کہ مجھے اقوامِ عالم میں اسلام کی تھوڑی سی خدمت کرنے کا موقع ملا ہے۔ میری کارکردگی جسے شیخ غلام حسین صاحب ایک قابلِ تعریف کارنامہ قرار دیتے ہیں، اتنی سی ہے کہ میں نے اپنے آٹھ کروڑ عوام اور مسلمانانِ عالم اسلام کے جذبات کی ترجمانی کرنے کی حقیر سی کوشش کی ہے۔ میں نے صرف اسلام اور فرزندانِ اسلام کا نقطۂ نظر اس کرۂ ارض کے نمائندوں تک پہنچایا ہے ورنہ مَن آنَم کہ مَن دانَم۔

اگر میری یہ کوشش عوام کو پسند آئی ہے تو میں اسے اپنے لئے دنیا کا عظیم ترین اعزاز سمجھتا ہوں، کیونکہ میری قوت اور میری طاقت اس ملک کے عوام ہیں جن کی حمایت اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بغیر کسی بھی میدان میں

معمولی سے معمولی کامیابی بھی حاصل کرنا ممکن نہیں۔

اسلام کے لئے ہمارے عوام کی یہ محبت اور عقیدت ہمارا قیمتی سرمایہ ہے۔ اسی جذبۂ اسلام کے ذریعے ہم نے قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ کی بے مثال قیادت میں یہ آزاد اور خود مختار ملک حاصل کیا تھا اور انشاء اللہ اسی جذبۂ اسلام کے تحت ہم اسے قائم و دائم رکھیں گے اور ترقی کی نئی منزلوں سے ہمکنار کریں گے۔

اسلام کے سینکڑوں اَبدی اور لاثانی اصولوں میں سب سے اہم اصول ملّتِ اسلامیہ کا اتحاد ہے۔ بین الاقوامی سطح پر اتحادِ بین المسلمین پر میں کئی بار اظہار خیال کر چکا ہوں۔ میں آج راولپنڈی کے شہریوں کے اس شاندار اجتماع میں جس چیز پر زور دینا چاہتا ہوں وہ ہمارا اندرونی اتحاد ہے۔ ملت اسلامیہ کے آٹھ کروڑ ارکان پاکستان کی سرزمین پر بستے ہیں۔ ہم ملتِ اسلامیہ کے عظیم تر اتحاد کی اس وقت تک بات نہیں کر سکتے جب تک ہم اپنی صفوں میں مکمل اتحاد پیدا نہیں کر لیتے۔

براہِ مہربانی میری ان باتوں سے یہ نتیجہ ہرگز اخذ نہ کیجئے کہ خدانخواستہ ہم عدم اتحاد کا شکار ہیں۔ ہمارے بڑے بڑے نکتہ چیں بھی اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ جن دو باتوں کے متعلق پاکستان کے عوام میں کوئی رخنہ اندازی نہیں کی جا سکتی وہ اسلام اور پاکستان ہیں۔ ان دو ناموں کی خاطر لوگ تن مَن دھن نثار کرنے کو تیار ہیں۔ اس کے باوجود ہر ملک کی طرح ہمارے ہاں بھی بعض ایسے عناصر پائے جاتے ہیں جنہیں عرفِ عام میں " کالی بھیڑیں " کہا جاتا ہے۔ ان کالی بھیڑوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ان کی نشاندہی کرنے اور انہیں اپنے عزائم میں ناکام بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ ملک دشمن عناصر

عوام کی صفوں میں پوشیدہ ہیں اور عوام ہی انہیں کیفر کردار تک پہنچا سکتے ہیں۔
یہ عناصر ہر وقت تخریب کاری اور تفرقہ بازی کے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ کبھی یہ سیاست کی آڑ میں قوم کو مختلف ٹولیوں اور پارٹیوں میں تقسیم کر کے ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی پر آمادہ کر دیتے ہیں اور کبھی مذہب کی آڑ میں فرقہ وارانہ فسادات کرانے پر تل جاتے ہیں۔ اگر ان دونوں محاذوں پر کامیابی نہ ہو تو امیر و غریب اور خوشحال و پریشان کی تفریق کو ہوا دینے لگتے ہیں، جو ہر معاشرے اور ہر ملک میں پائی جاتی ہے۔

میں شہریوں کے اس اجتماع میں پاکستان کے آٹھ کروڑ عوام اور حکومتِ پاکستان کے اس عزم کا پرزور الفاظ میں اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اسلام کے نام پر متحد ہیں، متحد رہنا چاہتے ہیں اور انشاءاللہ متحد رہیں گے۔ پاکستان کے غیوّر مسلمان کسی بھی گروہ یا تنظیم کو اسلام کے نام پر تفرقہ بازی کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔ ہم انشاءاللہ، اللہ کے دین کی رسی کو مضبوط پکڑے رہیں گے اور ملّتِ اسلامیہ کے اتحاد کے لئے کام کرتے رہیں گے۔

میں اتحاد و یگانگت کے انہی کلمات کے ساتھ اپنی تقریر ختم کرتا ہوں اور اہلیانِ راولپنڈی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے یہ شاندار تقریب منعقد کر کے نہ صرف میری عزت افزائی کی بلکہ ان تک اپنے خیالات پہنچانے کا بھی موقع دیا۔

پاکستان پائندہ باد

جمہوریہ گنی کے سربراہ کے اعزاز میں دی گئی ضیافت سے خطاب

لاہور : ۱۴ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

۱۴ اکتوبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے جمہوریہ گنی کے صدر، جناب احمد سیکوطورے کے اعزاز میں ایک ضیافت دی جوان دنوں ایک وفد کے ہمراہ پاکستان کے سرکاری دورے پر آئے ہوئے تھے۔ صدر نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے ان اقدامات کا مختصر ذکر کیا جو ملک میں نفاذِ اسلام کے لئے کئے جا رہے ہیں اور کہا کہ اب پوری دنیا اسلام کو ایک ابھرتی ہوئی طاقت کے طور پر پہچاننے لگی ہے۔ انہوں نے ایران عراق جنگ اور مسئلۂ افغانستان کا ذکر کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ اسلامی کانفرنس کی "افغانستان سٹینڈنگ کمیٹی" میں گنی کی شمولیت سے افغانستان کے مسئلے کا حل تلاش کرنے میں مدد ملے گی۔ انہوں نے فلسطین اور دنیا کے مظلوم عوام کی حمایت میں پاکستان اور جمہوریہ گنی کی یک جہتی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہم زمبابوے، نمیبیا اور جنوبی افریقہ کے عوام کی جدوجہد کی حمایت کرتے ہیں۔

صدر نے کہا کہ ان بہت سے امور کے پیشِ نظر جو گنی اور پاکستان کو باہمی رشتوں میں منسلک کرتے ہیں، ہم جناب احمد سیکوطورے اور ان کے وفد سے

تبادلۂ خیالات کو اہمیت دیتے ہیں اور اس اُمید کا اظہار کیا کہ صدر گنی کے موجودہ دورے کے باعث دونوں ملکوں کے باہمی رشتے مضبوط تر ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین

عالی مرتبت جناب احمد سیکو طورے صاحب،

وفد کے قابلِ احترام ارکان،

سفیر صاحبان

اور

معزز حاضرین!

السلام علیکم۔ پاکستان میں جمہوریہ گنی کے صدر عالی مرتبت احمد سیکو طورے اور ان کے وفد کی آمد ہمارے لئے انتہائی مسرت اور عزت کا باعث ہے۔ میں پاکستان کے عوام، پاکستان کی حکومت اور خود اپنی جانب سے انہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔

پاکستان اور گنی نہ صرف اسلامی اخوت کے اٹوٹ رشتوں میں منسلک ہیں بلکہ تیسری دنیا کے ممالک ہونے کی وجہ سے ان کی امنگیں بھی مشترک ہیں۔ پاکستان

کے عوام "جمہوریۂ گنی" کے عوام کے لئے دلی محبت اور گہری عقیدت رکھتے ہیں، مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنے دورے میں محبّت اور خیر سگالی کے ان جذبات کی کچھ جھلکیاں خود دیکھ سکیں گے۔

برادرِ گرامی! ہمیں خوشی ہے کہ آپ کے عظیم ملک نے پچھلے بیس برسوں میں آپ کی اعلیٰ اور فعّال قیادت میں نمایاں ترقی کی ہے۔ جمہوریۂ گنی کی ترقی اور استحکام نہ صرف برِّاعظم افریقہ کی ترقی اور استحکام کا ضروری عُنصر ہے بلکہ اسلامی دنیا کے لئے بھی بہت اہمیّت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں ہماری دعائیں اور نیک تمنّائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کا ملک ترقی کی نئی منزلیں طے کر کے جلد از جلد اور بھی زیادہ درخشاں مستقبل سے ہمکنار ہو۔

خواتین وحضرات! ہم پاکستان میں اپنے وسائل اور اپنے حالات کے مطابق عوام کی حالت بہتر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گزشتہ تین سالوں میں ہمیں اس میدان میں خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ معیشت کی بحالی کے علاوہ ہم نے جس چیز پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے، وہ نظامِ اسلام کا نفاذ ہے۔ اس ضمن میں ہم نے چند بنیادی اور ٹھوس اقدامات کئے ہیں اور مزید اقدامات زیرِ غور ہیں۔ اندرونِ ملک نفاذِ اسلام کی لہر کا اثر ہماری خارجہ پالیسی پر بھی پڑا ہے اور ہم نے بین الاقوامی سطح پر عالمِ اسلام کے اتحاد کے لئے اپنی کوششیں تیز کر دی ہیں۔ میں ان کوششوں کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا کیونکہ جمہوریۂ گنی نہ صرف ان کوششوں سے آگاہ ہے بلکہ ان میں شریک بھی رہا ہے۔ میں اس موقعے پر صرف اس عزم کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہم ان تمام تجاویز اور نقطہ ہائے نظر کی تائید کرتے ہیں

جن سے اتحادِ اسلامی کو فروغ ملنے کا امکان ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب پوری دنیا اسلام کو ایک ابھرتی ہوئی طاقت کے طور پر پہچاننے لگی ہے۔ میں نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور دیگر ممالک کے حالیہ دوروں میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلام کا مطلب رواداری، خیر سگالی اور باہمی تعاون ہے۔ اسلام امن اور سکون کا سبق دیتا ہے۔ اسلام اس کرۂ ارض کے موجودہ مسائل اور مشکلات کا تعمیری اور دیرپا حل مہیا کرتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ دنیا کے بیشتر لیڈر اسلام کے ان مثبت پہلوؤں کو بہتر طور پر سمجھنے لگے ہیں اور وہ عالمِ اسلام کے متعلق خیر سگالی کے جذبات رکھتے ہیں۔

آج عالمِ اسلام ایک انتہائی نازک دَور سے گزر رہا ہے۔ دو مسلمان ملکوں ایران اور عراق کے درمیان موجودہ جنگ پوری اُمّتِ مسلمہ کے لئے انتہائی تشویش کا باعث ہے۔ پاکستان کے عوام چاہتے ہیں کہ قتل و غارت کا یہ سلسلہ جلد سے جلد ختم ہو۔ اسلامی کانفرنس کے ایما پر میں نے پچھلے دنوں سیکرٹری جنرل، محترم حبیب شطی کے ہمراہ ایران اور عراق کا دورہ کیا، دونوں فریقوں کا نقطۂ نظر معلوم کیا اور نیویارک میں اسلامی کانفرنس کے وزرائے خارجہ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

وزرائے خارجہ کے اسی اجلاس نے یہ طے کیا کہ خیر سگالی کے اس مشن کو جاری رکھا جائے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ سیکرٹری جنرل، جناب حبیب شطی دونوں ممالک کا ایک اور دورہ کریں اور مفاہمت کے لئے کوئی بنیاد تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ آج ہی کی اطلاع ہے کہ وہ آئندہ چوبیس گھنٹوں میں اپنے اس مشن پر روانہ ہونے والے ہیں۔ اس کے علاوہ میں خود دونوں سربراہوں سے

رابطہ قائم کئے ہوئے ہوں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کوئی نہ کوئی صورت ضرور نکل آئے گی۔

ہم امن کی ان کوششوں کو بہت اہمیت دیتے ہیں کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ تنازعہ پورے علاقے کے استحکام کے لئے ایک تشویشناک خطرہ ہے، اور اگر خدانخواستہ اس تنازعے میں کسی چھوٹی یا بڑی طاقت نے دخل اندازی شروع کر دی تو اس سے عالمی امن کے لئے تباہ کن نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

حاضرینِ کرام! اگرچہ ایران و عراق کی جنگ ہم سب کی توجّہ کا مرکز بنی ہوئی ہے لیکن ہمیں المیۂ افغانستان کی شدت کو بھی ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے افغانستان میں روسی فوجی مداخلت سے نہ صرف بین الاقوامی تعلقات کے مسلّمہ اصولوں کی پامالی ہوئی ہے بلکہ اس علاقے کی سلامتی اور استحکام کے لئے نئے خطرات بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ گنّی اور پاکستان نے اسلامی کانفرنس اور اقوام متحدہ کے ذریعے افغانستان کے مسئلے کا ایک باعزت اور پُرامن حل تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور کرتے رہیں گے۔ یہ امر ہمارے لئے باعث اطمینان ہے کہ گنّی اور تیونس اسلامی کانفرنس کی قائم شدہ "افغانستان سٹینڈنگ کمیٹی" میں شامل ہوئے ہیں۔ ہم اُمید رکھتے ہیں کہ اس کمیٹی میں گنی کی شمولیت سے افغانستان کے مسئلے کا سیاسی حل تلاش کرنے میں مدد ملے گی۔

عالی مرتبت صدرِ گرامی!

گنی اور پاکستان فلسطینی عوام کے ناقابلِ تنسیخ حقوق کی حمایت کرتے ہیں جن میں فلسطینی ریاست کے قیام کا حق بھی شامل ہے۔ "القُدس" کے الحاق کا اسرائیلی منصوبہ اس کے وحشیانہ پن اور مہذب رویّے سے مکمل انحراف کا بیّن

ثبوت ہے۔ ہم آپ کی ان کوششوں سے باخبر ہیں جو آپ نے "القدس کمیٹی" کے مشترکہ چیئرمین کی حیثیت سے القدس کو اسرائیلی چنگل سے آزاد کرانے کے سلسلے میں انجام دی ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ جمہوریہ گنّی اسرائیل کی ہٹ دھرمی سے ہمت نہیں ہارے گا اور مسلمانوں کے قبلۂ اوّل کی آزادی کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھے گا۔

مسلم ممالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا بھرپور اخلاقی اور اقتصادی دباؤ اسرائیل کے حامیوں پر ڈالیں تاکہ وہ عقل و دانش اور حق و انصاف کی بات سننے پر آمادہ ہو جائے، ورنہ وہاں کی خطرناک صورتِ حال کسی وقت بھی پوری دنیا کے امن کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔

عالمِ اسلام کے ان مسائل کے علاوہ گنّی اور پاکستان نے ہمیشہ دنیا کے مظلوم عوام کی حمایت کی ہے۔ ہم نے زمبابوے کے بہادر عوام کا بھرپور انداز میں ساتھ دیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ایک آزاد اور خودمختار زمبابوے جنوبی افریقہ کے عوام کے لئے باعثِ تقویت ہوگا۔ ہم نے نمیبیا اور جنوبی افریقہ کے عوام کی حق و انصاف پر مبنی جدوجہد کی بھی حمایت کی ہے تاکہ وہ جنوبی افریقہ کی نسل پرست اور اقلیتی حکومت کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔

پاکستان اقوامِ متحدہ کے اوّلین ارکان میں سے ہے جنہوں نے نسلی امتیاز اور رنگ پرستی کی ہر شکل میں مذمّت کی ہے اور ان تمام اقدام کی مسلسل حمایت کی ہے جن کا مقصد انسانی شرافت اور ضمیر پر سے اس لعنت کو ختم کرنا ہے۔ ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک نمیبیا مکمل طور پر آزاد نہیں ہو جاتا اور جنوبی افریقہ سے رنگ اور نسل پرستی کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔

یہی وجہ ہے کہ ہم پوری دل جمعی سے تنظیمِ اتحادِ افریقہ کی ان کوششوں کی حمایت کرتے ہیں جو برِّاعظم افریقہ سے نوآبادیت کے آخری آثار مٹانے کے لئے کی جا رہی ہیں۔

مہمانانِ گرامی!

ان بہت سے امور کے پیشِ نظر جو ہمیں باہمی رشتوں میں منسلک کرتے ہیں، ہم آپ کے ساتھ تبادلۂ خیال کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور ہمیں پوری اُمید ہے کہ ہماری بات چیت ہمارے دونوں ملکوں کے درمیان تعاون کو مزید فروغ دینے کے سلسلے میں مفید ثابت ہوگی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کا موجودہ دورہ گنّی اور پاکستان کے درمیان باہمی رشتوں کو مضبوط تر بنانے میں ایک سنگِ میل ثابت ہوگا۔

مَیں دوبارہ برادرِ محترم احمد سیکو طُورے اور ان کے معزّز ساتھیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے پاکستان تشریف لا کر، ہمیں ملاقات اور تبادلۂ خیال کا موقع دیا اور یوں ہماری عزت افزائی فرمائی۔

حاضرینِ گرامی! اب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ روایتی طریقے سے نیک خواہشات اور تمناؤں کے اظہار میں میرا ساتھ دیں:-

— جمہوریۂ گنّی کے صدر عالی مرتبت احمد سیکو طُورے کی صحت، مسرّت اور درازئ عمر کے لئے۔

— جمہوریۂ گنّی کے وفد کے دیگر ارکان کی صحت اور خوشحالی کے لئے اور دیگر حاضرین اور شرکائے ضیافت کی صحت اور خوشحالی کے لئے۔

— گنی کے برادر عوام کی خوشحالی اور ترقی کے لئے اور

— گنی اور پاکستان کے درمیان بڑھتی ہوئی دوستی اور باہمی تعاون کے لئے۔

پاک گنی دوستی زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

کسان کنونشن سے خطاب

اسلام آباد : ۱۶ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

۱۶ اکتوبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلام آباد میں کسان کنونشن سے خطاب کیا۔ اس موقع پر انہوں نے زراعت سے متعلق مسائل کا جائزہ لیا اور اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ گزشتہ تین سال سے اندرونی اور بیرونی دباؤ کے باوجود انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ زراعت پر انکم ٹیکس نہیں لگایا جائے گا۔ انہوں نے بتایا کہ گندم کی قیمت ساٹھ روپے فی من مقرر کرنے کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس طرح حمل ونقل اور پسائی کی اُجرت شامل کرنے کے بعد گندم کی قیمت اکہتر روپے فی من تک پہنچ جائے گی، جب کہ ملک کی تیس فی صد آبادی جو گندم خرید کر کھاتی ہے، اس کی قوتِ خرید اتنی نہیں ہے۔

صدر نے کہا کہ ان کی حکومت کی یہ پالیسی ہے کہ خواہ کاشتکار چھوٹا ہو یا بڑا، اسے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم صحیح پالیسیاں اپنائیں اور محنت کریں تو نہ صرف یہ کہ خوراک میں خود کفیل ہو سکتے ہیں بلکہ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کو برآمد بھی کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہمیں ہر قسم کی اجناس کی فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ کرنا چاہیئے۔ کپاس کی پیداوار میں اضافہ کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تاجروں کو کاشت کاروں کی حق تلفی کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ انہوں نے کھاد اور کرم کش

ادویات کے استعمال کو فروغ دینے پر زور دیا اور کہا کہ ان کی تقسیم کے طریقۂ کار میں جہاں تک ضروری ہو، کاشت کار کے حق میں تبدیلی ہونی چاہیئے۔

صدر نے کہا کہ کنونشن کی سفارشات پر غور کرنے کے لئے چار پانچ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی جائے گی تاکہ غور و خوض کے بعد ان پر عمل درآمد کیا جائے۔ انہوں نے یقین دلایا کہ کھاد اور کاشت کاروں کی ضرورت کی دیگر چیزوں کی حمل و نقل پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا جائے گا اور زرعی قرضوں کے حصول میں درپیش مشکلات دور کی جائیں گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین۔

معزز خواتین وحضرات!

السلام علیکم۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں بہت سی نعمتیں ملی ہیں اور بہت سی ضروری ہدایات۔ ان میں سے جس چیز کی طرف خاص توجہ دینی چاہیئے، وہ نظم و ضبط ہے۔ نظم وضبط کے بغیر کوئی قوم، قوم نہیں کہلا سکتی۔ کوئی انسان، انسان نہیں کہلا سکتا۔ نظم وضبط نہ ہو تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ اس لئے ہمیں نظم وضبط کی طرف خاص توجہ دینی چاہیئے۔

یہ کنونشن جس میں شرکت کے لئے میں یہاں حاضر ہوا ہوں، ذرا تاخیر سے منعقد ہوا۔ اب ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ انشاء اللہ اگلے سال فروری میں بڑے پیمانے پر تین روز کے لئے کنونشن ہو گا تاکہ کسان اور زراعت کے شعبے سے تعلق رکھنے والے دوسرے تمام حضرات آپس میں تسلی سے بات چیت کر سکیں اور حکومت کی زرعی پالیسی صحیح طور پر مرتب کی جا سکے۔ آج کے اس کنونشن کا اصل مقصد

یہ ہے کہ کاشتکاروں کو یہ یقین دلایا جائے کہ حکومت کسی طرح بھی ان کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتی، بلکہ ان کی ہر ممکن مدد کرنا چاہتی ہے۔ زراعت پاکستانی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حکومت کے ارکان یا کارندے کاشتکاروں کو ضروری مراعات نہ دیں اور ان کی حوصلہ افزائی نہ کریں۔

اس کنونشن میں ہمیں دو چیزوں کے متعلق فیصلہ کرنا ہے۔ پہلی یہ کہ گندم کی قیمتِ خرید کیا ہونی چاہیئے اور دوسری یہ کہ نئی شوگر پالیسی کی بڑی بڑی شقیں کیا ہونی چاہئیں۔ خاص طور پر ہم Capacity Production کے بارے میں آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

آپ کی کل کی کارروائی کا خلاصہ جنجوعہ صاحب نے مجھے پیش کر دیا تھا اور گزشتہ ڈھائی تین گھنٹوں سے میں آپ کی سفارشات بھی سن رہا ہوں۔ چند باتیں اپنی طرف سے کہنے کے بعد میں ان سفارشات کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔

گندم کی قیمتِ خرید کا فیصلہ انشاء اللہ آئندہ چند روز میں ہو جائے گا۔ اس بارے میں آپ کو یہاں کوئی لابی بنانے کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے، زراعت ہماری ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اسے ترقی دینے کے لئے کسی لابی کے دباؤ کی ضرورت نہیں۔ پچھلے تین سال میں ہماری یہ کوشش رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی کہ یہاں صحیح طریقے سے زرعی انقلاب لایا جائے۔ اس انقلاب کے سلسلے میں سعودی عرب کے فرماں رواسے میری بات چیت ہوئی ہے۔ کویت کے امیر یہاں آئے تھے، ان سے بات ہوئی ہے۔ زراعت کی ترقی کی طرف ہم بھرپور توجہ دے رہے ہیں۔ ہماری آبادی بڑھ رہی ہے اور آبادی جوں جوں بڑھے گی، کھانے پینے کی چیزوں کی پیداوار بڑھانی پڑے گی۔ اگر اس طرف

فوری توجہ نہ دی گئی اور عملی اقدامات نہ کئے گئے تو ایسا وقت بھی آ سکتا ہے جب انسان کو اپنا پیٹ بھرنے کی مشکلات کا سامنا ہو گا۔ ہمارا دینی نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اس کا رزق بھی اس نے مقرر کیا ہے ہمیں اس پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دماغ دیا ہے۔ اس سے کام لے کر تدبیریں کرنی چاہئیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہمیں توفیق دے اور ہمیں اس قابل بنائے کہ ہم ہر قدم ملک وقوم کی بہتری کے لئے اٹھائیں۔

جیسا کہ ملک صاحب نے کہا ہے، میں غیر جانبدار آدمی ہوں اور میری ہمدردیاں زراعت کے ساتھ ہیں بلکہ کسان کے ساتھ زیادہ ہیں، لیکن میں حکومت کے نقطۂ نظر اور قومی مفاد کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتا۔ آپ زراعت کی لابی کا ذکر کرتے ہیں، پاکستان کے اندر کوئی لابی نہیں ہے۔ صنعت کاروں کی بھی لابی نہیں ہے۔ وہ جو ۲۲ خاندان تھے جن کا لوگ ذکر کیا کرتے تھے، وہ بیس سال پہلے تھے۔ آج کل خوشحالی کا دائرہ وسیع ہو چکا ہے۔ ان خاندانوں میں بہت سے زراعت پیشہ خاندانوں کا اضافہ ہوا ہے۔ آپ یہ بھی ذہن میں رکھیئے کہ ایک خاص سطح سے زیادہ آمدنی والا ہر شخص انکم ٹیکس ادا کرتا ہے، چاہے اس کی آمدنی کا ذریعہ کاروبار ہے، ملازمت ہے یا وہ کارخانہ دار ہے۔ لیکن زراعت ایک ایسا شعبہ ہے جس پر گزشتہ تین سال سے اندرونی اور بیرونی دباؤ کے باوجود میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ انکم ٹیکس نہیں لگے گا۔

میرے ایک بہت عزیز اور محترم دوست ہیں، ان سے بات ہو رہی تھی۔ انہوں نے جو مثال دی وہ میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ایک صاحب کی چینی کی فیکٹری تھی جو اللہ کے فضل سے بہت اچھی چل رہی تھی۔ اس شوگر

فیکٹری سے جو گنے کا پھوک نکلتا تھا ، اس سے انہوں نے گتے کی فیکٹری لگائی۔ اس طرح ان کی دو فیکٹریاں ہو گئیں۔ ایک تو شوگر فیکٹری اور اسی احاطے کے اندر ایک بورڈ فیکٹری۔ لیکن جب بھی وہ حکومت کے سامنے آتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں تو خسارہ ہو گیا۔ گنے کی قیمت کی وجہ سے خسارہ ہو گیا ہے۔ گتے کی فیکٹری سے جو منافع کما رہے ہیں، اس کا ذکر کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ میں نے انکم ٹیکس کا صرف ایک رخ آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔

جب تک زرعی پیداوار کی قیمتِ خرید صحیح نہیں ہو گی، زراعت میں کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ آپ دیکھئے کہ پچھلے تین سال میں ہم نے ہر سال ہر فصل کی قیمت بڑھائی ہے۔ چاول کی قیمت بڑھائی ہے، گندم کی قیمت بڑھائی ہے، کپاس کی قیمت بڑھائی ہے۔ یہ ہم نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ صرف زراعت کی پشت پناہی کے لئے یہ کام کیا ہے کیونکہ حقیقتاً اس کی ضرورت تھی۔ بجلی کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا ہے، کھاد کی قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے، زراعت میں کام آنے والی دیگر چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس لئے اگر زرعی اجناس کی قیمت نہیں بڑھائی جائے گی تو پھر یہ پیدا کون کرے گا؟ جہاں تک زرعی اجناس کا تعلق ہے، حکومت کی یہ پالیسی ہے کہ Support Price بڑھائی جائے تاکہ کاشتکار کو پیداوار بڑھانے کی ترغیب ہو۔ لیکن زرعی اجناس کی قیمتوں کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ ہے عوام کی سہولت۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ گندم کی قیمتِ خرید ۶۰ روپے فی من کر دی جائے۔ اگر میں اس کا اعلان کر دوں تو یہاں ہال میں تالیاں گونجیں گی۔ آج کل گندم کی قیمتِ خرید ۴۷ روپے ۶۰ پیسے فی من ہے۔ اگر اسے ساٹھ روپے کر دیا جائے تو اس کا مطلب اس میں تیرہ روپے کا اضافہ ہوا۔ ٹرانسپورٹیشن چارجز،

فلور ملنگ چارجز وغیرہ کے گیارہ روپے اس میں اور شامل کر دیجئے۔ اس طرح ایک آدمی کو ایک من آٹا ستر، اکہتر روپے میں ملے گا۔ آپ اس کی پیچیدگیاں دیکھئے۔ اور میں یہ تھیلے کے آٹے کی نہیں بلکہ ڈپو کے آٹے کی بات کر رہا ہوں۔ ۷۰ روپے من اس کی قیمت ہوئی تو پھر بتایئے کہ محدود آمدنی والے تنخواہ دار طبقے کا کیا بنے گا۔ زرعی اجناس کے خریدار تو یہی تیس فی صد لوگ ہیں، کیونکہ آبادی کا ۷۰ فی صد حصّہ تو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کا بندوبست خود کرتا ہے۔ کسان چاول، گندم، دالیں اور سبزیاں وغیرہ خود پیدا کرتا ہے۔ اپنے لئے کپاس خود پیدا کرتا ہے۔ گنے سے اپنے لئے گڑ بناتا ہے۔ اسے گڑ بنانے کی اجازت ہے، گڑ بنانے پر کوئی پابندی نہیں۔ زمیندار گڑ ضرور بنائے گا، اس کو آپ نہیں روک سکتے، لیکن شوگر ملوں کو چلانے کے لئے تھوڑی سی پابندی لگائی گئی ہے۔ اس کا ہم نے بندوبست کیا ہوا ہے۔ اگر آپ زمیندار کو اس کی اجازت دیں پھر بھی بنائے گا اور اگر آپ اجازت نہ دیں تو پھر چوری سے بنائے گا۔ پھر کیوں نہ اس کو اس کی اجازت دی جائے کہ جب وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کر لے، ملوں کو گنا سپلائی کر دے تو پھر اپنی ضرورت کے لئے گڑ بنائے، شکر بنائے، جو چاہے بنائے۔

حالات کا تقاضا ہے کہ روزمرہ کی بنیادی ضرورت کی چیزوں میں اضافہ بہت سوچ بچار کے بعد کیا جائے۔ میں اکثر یہ مثال دیتا ہوں کہ مرحوم فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور میں چینی کی قیمت میں ۲۵ پیسے اضافہ ہوا تھا۔ اس پر بلوے ہونے لگے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اور بھی بہت سی وجوہات تھیں جن کی وجہ سے لوگوں میں بے چینی پھیلی، لیکن چینی کی قیمت میں ۲۵ پیسے کا اضافہ بھی ایک وجہ تھی۔ اسی طرح گندم کی قیمت میں اضافہ اور بھی بہت سی چیزوں کی قیمتوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے،

اس لئے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کرنا چاہیئے۔

میری حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ کاشتکار خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس کو ہر قسم کی سہولت ملنی چاہیئے۔ اس کو قرضہ آسانی سے ملنا چاہیئے۔ اس کو کھاد وقت پر ملنی چاہیئے۔ اس کے لئے اچھے بیج کا بندوبست ہونا چاہیئے۔ پھر اس کی فصل کو نہ صرف اٹھانے کا بلکہ بیچنے کا بھی موزوں بندوبست ہونا چاہیئے تاکہ کاشتکار کو مناسب قیمت ملے۔ چھوٹے کاشتکار کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہیئے کیونکہ یہ کاشتکار نہ صرف اپنا بلکہ پورے آٹھ کروڑ عوام کا پیٹ بھی بھر رہا ہے۔ میں آپ سے عرض کر رہا تھا کہ اس سلسلے میں سعودی عرب سے میری بات ہوئی ہے، ابوظہبی سے بات ہوئی ہے۔ افریقہ کے جو دوست ممالک ہیں، ان سب کی نظریں پاکستان پر ہیں۔ پاکستان کو مڈل ایسٹ کے ذخیرے کا نام دیا گیا ہے۔ اگر ہم صحیح پالیسی اپنائیں تو پاکستان نہ صرف اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے بلکہ سارے مڈل ایسٹ کا پیٹ بھی بھر سکتا ہے، بشرطیکہ ہم محنت کریں۔

زراعت کی ترقی کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اول فی ایکڑ پیداوار بڑھانا اور دوم زیادہ رقبے کو کاشت میں لانا۔ جیسا کہ آپ نے سنا، ہمارے ہاں ۱۵ من فی ایکڑ کا تناسب جا رہا ہے۔ کہاں دوسرے ممالک میں ایک ٹن سے لے کر ۲ ۱/۲ ٹن فی ایکڑ تک گندم کا تناسب جا رہا ہے۔ ہمیں اپنی پیداوار میں خواہ وہ چاول ہو، کپاس ہو، گندم ہو، گنّا ہو، غرض ہر فصل کی پیداوار میں اضافہ کرنا ہوگا۔ اضافے کے لئے ضروری ہوگا کہ Inputs صحیح ہوں اور زرعی تحقیقی ادارہ صحیح طور پر کام کرے، کیونکہ جب تک آپ ریسرچ نہیں کریں گے، آپ نہیں بتا سکتے کہ چاول کو اس دفعہ کیوں کیڑا لگا ہے۔ باسمتی چاول اس دفعہ کیوں خراب ہوا ہے۔

پھٹی کے اندر کیوں لال کیڑا آگیا ہے۔ گنے کی فصل میں کیوں اضافہ نہیں ہوا۔ اس ضمن میں ریسرچ اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ کاشت۔ اس لئے ہماری پالیسی ہے کہ کاشتکار کو مراعات ملیں، صحیح قیمت ملے، ریسرچ کی طرف توجہ دی جائے۔ دوسری صنعتوں کی طرف بھی ہماری توجہ ہے، لیکن ہماری جو بنیادی صنعت ہے وہ زراعت ہے، لہٰذا زراعت کی طرف پوری توجہ دی جائے گی۔

یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ آپ کی کوئی انجمن نہیں ہے۔ کوئی آرگنائزیشن نہیں ہے۔ ہم نے باہمی امداد کی انجمنوں کی طرف زیادہ توجہ دی ہے اور میں یہاں آپ سے یہ کہنے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ اس میدان میں صوبۂ سرحد دوسرے صوبوں سے دو قدم آگے ہے۔ یہاں Cooperative سسٹم دوسرے صوبوں سے بہتر ہے اور اس کا فائدہ بھی آپ لوگ اٹھا رہے ہیں۔ اس لئے میں دوسرے صوبوں سے بھی کہوں گا کہ وہ دیکھیں کہ ان کی جو کوآپریٹو سوسائیٹیاں ہیں، کوآپریٹو سٹور ہیں اور یہ Input کا جو Cooperative سسٹم ہے، اس کو کس طرح مستحکم کیا جائے اور امدادِ باہمی کی طرف توجہ دی جائے۔

تیسری پیداوار جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ ہے کاٹن۔ ہماری برآمدات میں اس وقت دو چیزوں کا بڑا حصّہ ہے۔ ایک ہے چاول، اور چاول میں جو اصلی قیمت ملتی ہے وہ باسمتی چاول کی ہے، اور دوسری ہے کاٹن۔ ان دو چیزوں کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں برآمد کی جا رہی ہیں جن میں چمڑے کی بنی ہوئی اشیاء ہیں، جراحی کے آلات ہیں، کھیلوں کا سامان ہے۔ لیکن جو بنیادی چیزیں ہیں، جن سے زیادہ زرمبادلہ کمایا جا رہا ہے، وہ باسمتی اور اری۔ ۶ چاول اور کاٹن ہیں۔ اللہ کے فضل سے اور بھی بہت سی چیزیں ہیں لیکن زیادہ حصّہ

انہی دو تین چیزوں کا ہے۔ درآمدات میں اور بہت سی چیزوں کے علاوہ چینی بھی ہے۔ اس لئے اس کی پیداوار میں اضافہ ہونا چاہیئے۔ یہاں میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حکومت کی یہ بھی پالیسی ہے کہ نجی شعبے کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی جائے۔

جہاں تک کاٹن کا تعلق ہے، میں نے اپنے مشاہدے اور مطالعے کی بنیاد پر سب کے سامنے علی الاعلان کہا ہے کہ ہمارے کاٹن کے بادشاہوں نے زمینداروں کا خون چوسا ہے۔ ہم کپاس کے کاشتکاروں کے حقوق کا تحفظ کریں گے اور دوبارہ ان کی حق تلفی نہیں ہونے دیں گے۔ آپ کاٹن پیدا کیجئے، قیمت میں آپ کو دلانے کا وعدہ کرتا ہوں۔ میں اس کو ۷۰ سینٹ میں فروخت کرتا ہوں، ۸۰ سینٹ میں کرتا ہوں یا ۹۵ سینٹ میں کرتا ہوں، وہ میری قسمت ہے، لیکن جہاں تک آپ کا تعلق ہے، آپ ملک میں کاٹن پیدا کیجئے۔ اگر میں آپ کو مناسب قیمت نہ دوں تو پھر آپ گلہ کر سکتے ہیں۔ کاٹن باہر کیسے جاتی ہے، اس کی کیا قیمت ملتی ہے، وہ کیسے فروخت ہوتی ہے، اس میں کتنا نفع یا نقصان ہوتا ہے، اس سے آپ کو غرض نہیں ہونی چاہیئے۔ پچھلے سال کپاس کی تجارت میں حکومت کو ۲۰۰ کروڑ روپے کا نقصان ہوا ہے۔ اس کے باوجود کاٹن کی برآمد کو میں نجی شعبے میں نہیں دوں گا ورنہ ہمارے تاجر گھن بن کر زمیندار کو کھا لیں گے۔ مجھے یہ سن کر بہت صدمہ ہوا ہے کہ زمینداروں کو صحیح قیمت نہیں مل رہی ہے، میں انشاءاللہ آج کل میں ہی صوبوں کو ایسے احکامات جاری کروں گا، جن سے کاٹن کے کاشتکاروں کو، خاص طور پر چھوٹے کاشتکاروں کو مناسب قیمت کی ادائیگی یقینی ہو جائے گی۔ اس دفعہ کاٹن پالیسی بناتے وقت ہم نے اسٹیپل لینگتھ کی طرف بھی توجہ دی ہے۔ اس کی بھی وجہ یہ ہے کہ کاٹن زیادہ تر ہماری ملوں میں

استعمال ہوتی ہے اور پھر اس میں سے ۲۰-۲۲ (بیس بائیس) لاکھ گانٹھ باہر جاتی ہے۔ باہر والوں کو تو یہ معلوم نہیں ہے کہ میں نے اپنے کاشتکار سے کہا ہے کہ ۱۷ ار روپے دوں گا۔ وہ تو یہ پوچھتے ہیں کہ ۱/۱۶ ۱ ہے، ۳۲/۱ ۱ ہے، اس میں لچک ہے، دیسی ہے، کیا ہے۔ اس کے لحاظ سے انہیں قیمت دینی ہے۔ بہر حال اگر اس میں کچھ مشکلات ہیں تو ان کو دور کیا جائے گا۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری پالیسی یہ ہے کہ کاشتکار کی صحیح معنوں میں حوصلہ افزائی کی جائے اور اسے اس کی محنت کی صحیح قیمت دی جائے۔

اس کے علاوہ جہاں تک کھاد کا تعلق ہے، مصنوعی کھاد کے بغیر آپ کی پیداوار میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے جیسا کہ خواجہ صفدر صاحب نے ابھی کہا ہے کہ اگر زمیندار کو یہ شک ہے کہ اس کو فائدہ نہیں ہو گا اور وہ کھاد استعمال نہیں کر رہا تو ہمیں اس وقت یہ سوچنا چاہیئے کہ کھاد دینے کے طریقے میں کیا ردّ و بدل کیا جائے۔ گندم کی جو قیمت ہے اس میں کتنا اضافہ کرنا چاہیئے کہ زمیندار کھاد کے استعمال کی طرف مائل ہو۔ گندم کی پیداوار پاکستان میں جتنی کم ہوتی ہے اتنی ہی گندم ہمیں باہر سے منگوانی پڑتی ہے، کیونکہ ہم لوگوں کو کھانے سے تو نہیں روک سکتے۔ دیہاتی علاقوں میں تو لوگ گندم کی بجائے باجرہ، مکئی استعمال کر لیتے ہیں۔ ویسے تو آج کل وہ بھی بھٹیلے کا آٹا مانگتے ہیں، لیکن اگر گندم ہے ہی نہیں تو پھر کیا ہو گا۔ مجبوراً ہم کروڑوں روپے خرچ کر کے باہر سے منگوائیں گے، تو اس سے یہ بہتر ہے کہ آپ تھوڑی سی رقم خرچ کر کے زمیندار کو اس قابل کر دیجئے کہ وہ زیادہ گندم پیدا کرنے کی طرف مائل ہو۔ یہی ہماری پالیسی ہے اور اسی کے مطابق انشاءاللہ چند روز میں فیصلہ ہو جائے گا۔

اگر کوئی آدمی ہسپتال بناتا ہے یا اگر کوئی نئی انڈسٹری لگاتا ہے تو باہر سے جتنی مرضی مشینری منگوالے، کوئی ڈیوٹی نہیں۔ آپ نئی صنعت لگاتے ہیں، گارمنٹس کے لئے نئی مشینری لگانا چاہتے ہیں، اس کے اوپر کوئی ڈیوٹی نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ فارم مشینری پاکستان میں نہیں بن رہی ہے۔ اگر اس قسم کی کوئی مشینری بنانے کے لئے آپ کارخانہ لگانا چاہتے ہیں تو آپ زبانی یا خط لکھ کر جنجوعہ صاحب کو بتائیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ صرف آپ کو اس کی درآمد کی اجازت دی جائے گی بلکہ اس پر کوئی ڈیوٹی بھی نہیں لی جائے گی۔ جہاں تک ٹریکٹر کا تعلق ہے، میرے نقطۂ نگاہ سے اس میں مقابلہ ضرور ہونا چاہیئے۔ ہم یہ بھی سوچ رہے ہیں کہ ٹریکٹروں کو پرائیویٹ سیکٹر میں دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ آج کل ہمارے نزدیک معیاری ٹریکٹر پانچ ہیں۔ ہم دیکھیں گے کہ ان میں سے کتنے پرائیویٹ سیکٹر کو دیئے جاسکتے ہیں۔

اب میں دو اور چیزوں کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ صرف آپ کے کہنے کی بات نہیں ہے بلکہ میں خود جانتا ہوں کہ اس دفعہ کیڑے مار دواؤں کی طرف کم توجہ دی گئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس دفعہ کپاس کی فصل خراب نہیں ہوئی اگرچہ کاشتکار نے دواؤں کا استعمال نہ کر کے اپنے پیسے ضرور بچائے۔ ہم نے کیڑے مار دواؤں پر سب سڈی ختم کردی ہے۔ اس لئے اس کی قیمت بڑھ گئی ہے اور زمیندار زیادہ قیمت ادا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے اس کی طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ کیڑے مار دواؤں کی ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔ میں پرائس کمیشن کے حق میں ہوں اور ابھی جنجوعہ صاحب سے گزارش کروں گا کہ وہ اس اجتماع کے بعد عارضی طور پر ایک کمیشن بنائیں جو ان تین چار

چیزوں کے بارے میں مناسب سفارشات دے۔

پینل کی سفارشات میرے پاس آگئی ہیں۔اب ان پر غور کرنا باقی ہے۔ اس لئے موجودہ ارکان میں سے چار پانچ آدمیوں کی کمیٹی مقرر کی جائے جو ان سفارشات پر غور کر کے اپنی مربوط رپورٹ حکومت کو پیش کرے تاکہ حکومت ان کو بروئے کار لا سکے۔ آپ کی سفارشات کا کتابچہ میں نے دیکھا ہے۔ میرے خیال میں اس قسم کے کنونشن میں پیش کی جانے والی سفارشات اور تجاویز کا مکمل ریکارڈ رکھنا چاہیئے۔ یہ آپ کے بھی کام آئے گا اور اس قسم کی دوسری تقریبات کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا۔ اس کنونشن میں کیا کیا باتیں ہوئیں، کیا سفارشات سامنے آئیں، حکومت نے ان کی روشنی میں کن کن اقدامات کا فیصلہ کیا اور کن اقدامات پر عمل نہیں کیا، اس کا پورا ریکارڈ رہنا چاہیئے۔ جن تجاویز کو حکومت نے منظور نہیں کیا، اس کی وجوہات بھی بتانی چاہئیں۔ اس کے علاوہ پرائس کمیشن کی تجویز بھی بہت اچھی ہے، اس کی طرف بھی توجہ دی جائے۔ میں اس کا بھی اعلان کرتا ہوں کہ وزارتِ زراعت میں مستقل پرائس کمیشن ہونا چاہیئے تاکہ فیصلوں کا بروقت اعلان کیا جا سکے۔ بہت سی سفارشات ایسی ہیں جن کے بارے میں میں اپنا نقطۂ نظر پیش کرنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ ریڈیو اور ٹی وی میں زراعت کے پروگراموں میں مزید اضافہ کیا جائے گا۔

ٹریکٹر رجسٹریشن میں جو تکالیف ہیں، ان کو انشاء اللہ دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

ریسرچ کے متعلق میں عرض کر چکا ہوں۔

فارم مشینری کے متعلق میں نے آپ سے ذکر کر دیا ہے۔

ٹریکٹروں کے متعلق بعداز فروخت سروس کی کچھ شکایات ہیں، ان کو دور کیا جائے گا۔

فضائی سپرے کا بہترین طریقہ ہیلی کاپٹر سے سپرے کرنے کا ہے، لیکن ہیلی کاپٹر کی قیمت بہت زیادہ ہے اور کاشتکار مہنگی چیزوں کے استعمال سے بچتا ہے۔ کیڑے مار دوائیں مہنگی ہوئیں تو اس نے ان کا استعمال چھوڑ دیا۔ کھاد کی قیمت بڑھی تو اس نے کھاد کا استعمال کم دیا۔ مجھے کاشتکار سے ہمدردی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کی جائے۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی چیز پر خرچ تو اسی روپے ہوں اور اسے پچیس روپے میں کاشتکار کو فراہم کیا جائے، کیونکہ اس کے جو نتائج ہیں ان کو بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے کوئی کاشتکار بھوکا نہیں مرتا۔ اگر آپ یہ کہیں گے کہ کوئی کارخانے دار بھوکا نہیں مرتا تو میں اس کو ماننے کو تیار نہیں ہوں، کیونکہ بہتوں کو نقصان ہو چکا ہے۔ زمیندار کو نقصان نہیں ہوتا۔ زمیندار کو نقصان اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اگر اللہ نہ کرے کوئی فصل ضائع ہو جائے یا کوئی قدرتی آفت آجائے، جس کی وجہ سے فصل ضائع ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عام طور پر اوسط درجے کا زمیندار اپنا پیٹ ضرور بھر لیتا ہے۔ لیکن میرا جو نقطۂ نظر ہے وہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنا پیٹ بھرے بلکہ باقی پاکستانیوں اور مسلمان ممالک کا بھی پیٹ بھرے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔

آخر میں میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ انشاء اللہ ہم آپ کی تمام سفارشات کا جائزہ لیں گے۔ بعض جگہ یونین کونسل نے کھاد پر محصول چونگی لگا دی ہے۔ سکھر سے ہمیں خبر آئی تھی کہ سکھر یونین کونسل نے ہر بوری پر ۵ روپے ٹیکس لگا دیا ہے۔

وہ ہم نے ختم کر دیا۔ کھاد پر کوئی محصول چونگی نہیں۔ اگر کہیں دیا جا رہا ہے تو آپ ہمیں بتلایئے تاکہ وہاں چھاپہ مارا جائے، کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ کھاد اور کاشتکاروں کی ضرورت کی دوسری چیزیں مہنگی ہوں۔ بہتر بیج مہیا کرنے کی بھی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ اس سلسلے میں پنجاب میں ڈاکٹر بھٹی صاحب نے مفید کام کیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ کوشش جاری رہے گی۔

ایک صاحب نے مجھے یہ لکھ کر بھیجا ہے کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ گندم اگانے والوں کو ٹریکٹر انعام میں دیا جائے گا تو پنجاب کے زمیندار آپ کے احکامات کے منتظر ہیں تو جناب میں نے نو بارہ ٹریکٹر خود تقسیم کئے ہیں نہ صرف پنجاب میں بلکہ بلوچستان میں، سندھ میں اور سرحد میں جس جس زمیندار نے کام کیا ہے اور زیادہ پیداوار کی ہے، میں نے ٹریکٹر انعام میں دیئے ہیں۔ ۷۰ ہزار روپے کا ٹریکٹر دیا ہے۔

زرعی قرضوں کے حصول میں کچھ تکالیف ہیں، انشاء اللہ ہم ان کو دور کریں گے۔ میں نے جنجوعہ صاحب سے بات کی ہے۔

میں آپ حضرات کا مشکور ہوں کہ آپ نے میری باتیں توجہ سے سنیں اور سفارشات کی صورت میں مفید مشورے دیئے۔ انشاء اللہ ان پر عمل کر کے زرعی معیشت کو ترقی دی جائے گی اور فروری میں اگلا سیمینار منعقد کیا جائے گا تاکہ ان اقدامات کا جائزہ لیا جا سکے۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

اہلِ لاہور کے استقبالیے سے خطاب

لاہور : ۲۲ اکتوبر ، ۱۹۸۰ء

۲۲ اکتوبر کو شہریانِ لاہور کی طرف سے باغِ جناح میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے اعزاز میں ایک استقبالیے کا اہتمام کیا گیا۔ لاہور کارپوریشن کے میئر، میاں شجاع الرحمٰن کی طرف سے پیش کئے گئے خطبۂ استقبالیہ کا جواب دیتے ہوئے صدر نے اہلِ لاہور کے ذوق، جرأت مندی اور سیاسی بصیرت کی تعریف کی اور کہا کہ ان کے بارے میں تحسین و توصیف کے جو کلمات کہے گئے ہیں، وہ اپنے آپ کو ان کا مستحق نہیں سمجھتے۔ چونکہ انہوں نے پاکستان اور اسلام کی جو خدمت کی ہے، وہ ان کی ذمہ داریوں کا حصّہ ہے اور پاکستان کی سربلندی ان کی خدمت کی انتہا ہے۔ خطبۂ استقبالیہ میں اقوامِ عالم کے سامنے عالمِ اسلام کی نمائندگی پر صدر کو مبارکباد دی گئی تھی اور اسے پاکستان کے لئے ایک اعزاز قرار دیا گیا تھا۔ صدر نے کہا کہ ہم نے اگر کچھ کیا ہے تو محض اتنا کہ اسلام کو پاکستان کی اجتماعی زندگی کا محور بنانے کی کوشش کی ہے، اسلام کے متعلق معذرت، ذہنی خدشات اور حجاب کو ختم کر کے اس کی عمومیت، افادیت اور مقبولیت کو بحال کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ملک اسی وقت تک قائم رہے گا جب تک اسلام سے اس کی وابستگی قائم رہے گی۔ اسی وجہ سے پاکستان کا وقار بیرونِ ملک بلند ہوا ہے۔

مغربی اور مشرقی سرحدوں کی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ ہم

تمام ہمسایہ ملکوں کے ساتھ امن ، دوستی اور تعاون چاہتے ہیں اور ان کے لئے نیک نیتی اور خیر سگالی کے جذبات رکھتے ہیں ، لیکن یہ واضح کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کسی نے ہماری آن ، ہماری عزت ، ہماری حمیّت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو ہم آخری دم تک ان کا دفاع کریں گے ۔ انہوں نے کہا کہ حکومت اسلحے کی اہمیّت سے پوری طرح آگاہ ہے اور مسلّح افواج کو ضروری اسلحہ فراہم کیا جا رہا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی معیشت کو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے جس کے لئے ہر فردِ بشر کو اپنی جگہ محنت اور لگن کے ساتھ کام کرنا چاہیئے ۔ انہوں نے لاہور اور ملک بھر کے ادیبوں، شاعروں اور مفکّروں سے اپیل کی کہ وہ ذہنی حصار بندی پر توجہ دیں ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ

گورنر پنجاب، جنرل جیلانی صاحب،

لاہور کارپوریشن کے میئر، جناب شجاع الرحمٰن صاحب،

معزّزینِ شہرِ لاہور

اور

خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ اس خوبصورت اور تاریخی باغ میں جو بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح رح کے نامِ نامی سے منسوب ہے، اس دلفریب تقریب کا اہتمام زندہ دلانِ لاہور کے اعلیٰ ذوق اور قابلِ قدر جذبات کا آئینہ دار ہے۔ مجھے اس میں شرکت کر کے نہ صرف عزّت کا احساس ہو رہا ہے بلکہ اہالیانِ لاہور کی خوبیوں کا بَرملا اعتراف کرنے کو بھی جی چاہتا ہے۔ یہ اعتراف اور اظہار اس وجہ سے نہیں کہ آپ نے مجھے استقبالیہ دیا ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ میں لاہور کے رہنے

والوں کی خوبیوں کا شروع سے معترف ہوں۔

میں نے لاہور کو امن اور جنگ دونوں حالتوں میں دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ دورانِ جنگ جب دشمن کے طیارے گولہ باری کے لئے شہر کے اُوپر منڈلاتے ہیں تو لاہور کے جرأت مند شہری تہہ خانوں میں پناہ ڈھونڈھنے کے بجائے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر فضائی جنگ کا نظارہ کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب بارش، طغیانی اور سیلاب جیسی قدرتی آفتیں ان کے بسیروں کو تہس نہس کر دیتی ہیں تو لاہور کے باہمت مرد و زن نہ صرف ان کا جرأت اور خندہ پیشانی سے سامنا کرتے ہیں بلکہ بارش تھمتے اور پانی اُترتے ہی از خود مکانوں کی تعمیرِ نو شروع کر دیتے ہیں۔

ان مصیبتوں کے علاوہ میں نے اہالیانِ لاہور کو ایک اور موڈ میں بھی دیکھا ہے۔ زندہ دلانِ لاہور جب کسی کی حمایت میں اقبال پارک یا موچی دروازے میں جمع ہوتے ہیں تو اسے بالآخر ایوانِ اقتدار تک پہنچا کر دم لیتے ہیں اور جب یہ کسی کی مخالفت میں سڑکوں پر نکل آتے ہیں تو اسے اقتدار سے ہی نہیں عزّت و تکریم سے بھی گرا دیتے ہیں۔

اہالیانِ لاہور کی ان مؤثر خصوصیات کا سبھی اعتراف کرتے ہیں۔ آخر کیوں نہ ہو، یہ رہنے والے کس شہر کے ہیں۔ لاہور سرفروشوں اور جانثاروں کا شہر ہے۔ داتا کی یہ نگری صوفیوں، شاعروں اور مفکّروں کا شہر ہے۔ لاہور قیامِ پاکستان کی بنیادی اینٹ۔ یعنی قراردادِ پاکستان ــ کا شہر ہے۔ لاہور آزاد و خود مختار مملکتِ پاکستان کا دِل ہے۔ ایسی جگہ آنا اور یہاں استقبالیئے میں شرکت کرنا ایک ایسا واقعہ ہے جو مجھے برسوں یاد رہے گا۔ میں اس پذیرائی اور عزّت

افزائی کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

حاضرینِ گرامی! آپ نے میرے بارے میں تحسین و ستائش کے جو کلمات کہے ہیں، میں اپنے آپ کو ان کا مستحق نہیں سمجھتا۔ میں نے پاکستان اور اسلام کی جو تھوڑی بہت خدمت کی ہے، اسے اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریوں کا ایک حصہ سمجھتا ہوں۔ درحقیقت پاکستان کی سربلندی ہی میری خدمت کی انتہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو جو نیک نامی اور اعزاز بخشا ہے، اس کے اسباب پر میں نے خود بھی غور کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسلام اور پاکستان کا رشتہ آج کا پیدا کردہ نہیں، یہ پہلے بھی موجود تھا۔ نظریۂ اسلام جس طرح آج نظریۂ پاکستان کی بنیاد سمجھا جاتا ہے، درحقیقت پہلے بھی قائم تھا۔ ہم نے کوئی نیا نظریہ تخلیق نہیں کیا اور نہ ہی اسلام کا کوئی چھپا ہوا رُخ دریافت کیا ہے۔ ہم نے اگر کچھ کیا ہے تو صرف یہ کہ ملک کے آٹھ کروڑ عوام کی خواہشات اور امنگوں کے مطابق اسلام کو پاکستان کی اجتماعی زندگی کا محور بنانے کی کوشش کی ہے۔ اسلام کے متعلق معذرت، حجاب اور ذہنی خدشات کو ختم کر کے اس کی عمومیت، مقبولیت اور افادیت کو بحال کیا ہے۔ معاملہ اندرونِ ملک انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہو یا بیرونِ ملک خارجی تعلقات کا، ہم نے اسلام کو کلیدی حیثیت دی ہے اور اسے اپنی تمام کوششوں کا محور اور مرکزی نقطہ بنایا ہے اس میں اگر ہمیں کامیابی ہوئی ہے اور آپ نے اسے سراہا تو اسے ہم اپنی محنت کا ثمر اور اپنی کوششوں کا انعام سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ آپ کی تائید و حمایت سے تقویت پاتے ہیں اور اس بات کا عزم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مزید کوششوں کا اہل بنائے اور

ان کوششوں کو اپنے فضل و کرم سے آئندہ بھی کامیاب بناتا رہے۔

یہاں میں یہ وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام ایک مکمل اور واضح نظامِ حیات ہے۔ اس میں کسی دوسرے نظریۂ حیات کی پیوند کاری نہیں ہو سکتی۔ ہمیں اپنے طور پر اس بات کا فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ ہم ملک کو سیکولر مملکت بنانا چاہتے ہیں یا اسے مکمل اسلامی نظریاتی مملکت کے طور پر ترقی دینا چاہتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کی کھچڑی یا آمیزش کی کوئی گنجائش نہیں۔ میرا ذہن اس معاملے میں بالکل صاف ہے کہ یہ ملک صرف اور صرف دین کے نام پر قائم ہوا۔ ہمیں دینِ اسلام کے مطابق اس کی ترقی و تعمیر کے لئے کام کرنا چاہیئے۔ اسلام سے اس ملک کی وابستگی قائم ہے اور یہ ملک اسی وقت تک قائم رہے گا جب تک اسلام سے اس کی وابستگی قائم ہے۔

مجھے اسلام آباد، راولپنڈی اور آج لاہور میں عوام کے خیالات سن کر یہ بھی اندازہ ہوا ہے کہ وہ ملک کی اندرونی صورتِ حال کا ہی نہیں، بیرونی حالات کے متعلق بھی گہرا شعور رکھتے ہیں۔ ان کی انگلی ان تمام حالات کی نبض پر ہے جو پاکستان پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ اچھے واقعات سے جہاں ان کے سر خوشی اور فخر کے ساتھ بلند ہو جاتے ہیں، وہاں حالات کے تیور دیکھ کر وہ فکرمند بھی ہو جاتے ہیں۔ میں ان دونوں قسم کے واقعات کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

میرا یہ عقیدہ ہے کہ انسان اپنی ذات کے لئے بھاگ دوڑ کرتا رہے تو وہ صرف عام انسانی قدر و منزلت کا مستحق ہوتا ہے، لیکن جب وہ ایک اعلیٰ مقصد یا نظریئے کی خاطر اپنی صلاحیتیں وقف کر دیتا ہے تو وہ انسانی شعور

کی بلندیوں کو چھو لیتا ہے۔ یہی حال ملکوں کا بھی ہے۔ پاکستان اپنے ذاتی مسائل حل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتا، اس نے اندرونِ ملک اور اقوامِ عالم میں اسلام کا بول بالا کرنے کی بھی ہمت کی ہے۔ اس سے اگر بیرونِ ملک پاکستان کا نام بلند ہوا ہے تو اس کی وجہ اسلام کے ساتھ اس کی گہری وابستگی ہے اور مجھے یقین ہے کہ جب تک پاکستان اس عظیم مقصد کے لئے مخلصانہ کوششیں جاری رکھے گا، انشاءاللہ اس کا وقار بلند سے بلند تر ہوتا جائے گا۔

تھوڑی دیر پہلے میں نے تشویشناک حالات کا ذکر کیا تھا۔ میری مراد ان اہلِ وطن سے تھی جو یہ سوچتے ہیں کہ ایک طرف ایک سُپر پاور ہمارے دروازے پر کھڑی ہے اور دوسری طرف دوسرے پڑوسی کے تیور کچھ بدلے بدلے لگتے ہیں۔ ادھر ضیاء الحق ہے کہ یہ لوگوں کو لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے لڑنے کا درس دیتا ہے اور اگر کہیں سے مالی امداد ملنے کے امکانات پیدا ہوتے ہیں جن سے بعض ہتھیار خریدے جا سکیں تو اسے قومی حمیّت کے منافی سمجھ کر رّد کر دیتا ہے۔ آخر اس ملک کا دفاع کیسے ہو گا؟ اس کی سلامتی کی گارنٹی کون دے گا؟ اس ملک کا کیا بنے گا؟

اجازت دیجئے حاضرین گرامی کہ میں بعض ہموطنوں کے ان وسوسوں کو رفع کر دوں اور انہیں صحیح صورتِ حال سے آگاہ کر دوں۔ صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ بے شک ہماری شمال مغربی سرحد پر گزشتہ دس بارہ مہینوں سے حالات میں ایک بنیادی تبدیلی آچکی ہے اور اس پر غور و خوض لازمی ہے۔ اس غور و خوض کے نتیجے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سیاسی نوعیت کا مسئلہ ہے اور سیاسی طور پر ہی سلجھنا چاہیئے۔

یہ درست ہے کہ بعض حریصوں کی وسعت پسندی کی راہ میں کئی رکاوٹیں حائل ہیں۔ آپ چاہیں تو ان رکاوٹوں میں افغان مجاہدین کی مزاحمت کو شامل کر لیں، آپ چاہیں تو سرحد کے ساتھ دشوار گزار گھاٹیوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا لیں، آپ چاہیں تو وطن کی محافظ افواجِ پاکستان کی پیشہ ورانہ مہارت اور ان کی اعلیٰ شہرت کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا لیں، آپ چاہیں تو اسے پاکستان کی سفارتی کوششوں سے منسوب کر دیں، لیکن میں صدقِ دل سے آپ کو بتاتا ہوں کہ جارحیّت پسندوں کے وسعت پسندانہ عزائم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ صرف اور صرف ایک ہے، یعنی یہاں کے آٹھ کروڑ عوام کا عزمِ صمیم اور ان کا جذبۂ ایثار۔ سرحد کے اُس پار حالات کا تماشا کرنے والے جانتے ہیں کہ دشوار گزار پہاڑیوں کے اُس پار ایک ایسی قوم بستی ہے جو اپنی روایات کی رسیا اور اپنی اقدار کی شیدائی ہے۔ وہ آزادی حاصل کرنا ہی نہیں اسے قائم رکھنا بھی جانتی ہے۔

یہی حال ہماری دوسری سرحدوں کا ہے۔ اِن سرحدوں کے اس پار ہونے والے واقعات کا صرف ہمیں ہی احساس نہیں، ہمارے جذبات کا انہیں بھی احساس ہے۔ انہیں پتہ ہے کہ یہاں خس و خاشاک نہیں رہتے جو بادِ مخالف سے اُڑ جائیں گے بلکہ یہاں کے آٹھ کروڑ عوام اپنے وطن کے آٹھ کروڑ سپاہی ہیں جو اپنی مسلح افواج کی مکمل پشت پناہی کرنے اور وطن کی آن پر قربان ہونے کو تیار ہیں۔

ہم کسی چھوٹے یا بڑے ملک کے خلاف کوئی جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔

ہمارا کسی سے مقابلہ نہیں۔ امن پسندی ہماری قومی پالیسی ہی نہیں، ہمارا دینی فرض بھی ہے۔ میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں بہانگِ دُہل اعلان کرکے آیا ہوں کہ اسلام امن و آشتی کا دین ہے، اسلام عدل اور رواداری کا دین ہے، اسلام بقائے باہمی اور مفادِ باہمی کا دین ہے۔ میں نے جو باتیں ہزاروں میل دور ایک بین الاقوامی اجتماع میں کہیں، انہیں ہم اپنے مقامی حالات کے لئے بھی مشعلِ راہ سمجھتے ہیں۔ ہم تمام ممالک بالخصوص ہمسایہ ممالک کے ساتھ امن، دوستی اور تعاون چاہتے ہیں۔ ہم ان کے لئے خیر سگالی اور نیک نیتی کے جذبات رکھتے ہیں، لیکن یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کسی نے ہماری آن، ہماری عزت اور ہماری حمیت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو ہم آخری دم تک اس کا خود دفاع کریں گے کیونکہ تاریخِ عالم کا نچوڑ اور ہمارا اپنا تجربہ یہی بتاتا ہے کہ کوئی کسی کی بلا اپنے سر نہیں لیتا۔ کوئی کسی کی خاطر جان نہیں دیتا۔ زندہ قومیں اپنے زورِ بازو سے زندہ رہتی ہیں اور اپنی آزادی اور عزت کا خود دفاع کرتی ہیں۔

ہتھیاروں کے حصول کے بارے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بعض ابتدائی کوششوں کی کامیابی کے باوجود ہمیں اسلحے کے لئے دوسرے ممالک پر انحصار کرنا پڑتا ہے جو آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا۔ اور اگر ہوتا ہے تو اس کی شہ رگ ہتھیار برآمد کرنے والے ملک کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ ہم نے ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں اس کا تلخ تجربہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دفاعی میدان میں بھی خود کفالت کے لئے کوششیں کر رہے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک ہم خود ہتھیار تیار کرنے کے اہل نہیں ہوتے، خدانخواستہ ہم بے بس بیٹھے رہیں گے۔ اب بھی اللہ تعالیٰ

کے فضل و کرم سے پاکستان کو بعض ایسے آزمودہ اور وفادار دوست نصیب ہیں جو یا تو ہتھیاروں کی شکل میں ہمیں مدد دے رہے ہیں یا مالی طور پر تعاون کر رہے ہیں۔ یہ وہ ممالک ہیں جو پاکستان کو قائم و دائم اور مضبوط و خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں، لیکن میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ غیر ملکی مالی امداد پر بھی ہمیشہ کے لئے انحصار کرنا قومی مفاد میں نہیں ہے۔ قومی مفاد میں یہ بات ہے کہ ہم کھیتوں، کھلیانوں، فیکٹریوں اور کارخانوں میں پیداوار بڑھائیں، اپنے وسائل کو وسعت دیں اور ملک کو معاشی لحاظ سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنائیں۔ اسی میں ہماری فلاح اور اسی میں ہماری بقا ہے۔

جہاں تک لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے لڑنے کا تعلق ہے، میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسے آپ لغوی مفہوم میں لینے کی بجائے اس کی معنویت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ جب میں کہتا ہوں کہ ضرورت پڑنے پر ہم کلہاڑیوں یا ڈنڈوں سے لڑیں گے تو اس سے میری ہرگز یہ مراد نہیں ہوتی کہ خدانخواستہ ہمارے پاس ہتھیار نہیں ہیں یا ہم جدید ہتھیاروں کو ضروری نہیں سمجھتے۔ ہتھیاروں کی اہمیت اور افادیت کا احساس مجھ سے زیادہ کسے ہوگا جس کی ساری عمر ہتھیاروں میں گزری ہے۔ ہتھیار نہ صرف سپاہی کا زیور ہوتے ہیں بلکہ وہ انہیں جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔ لہٰذا ہتھیاروں کی اپنی اہمیت ہے اور موجودہ حکومت ان کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے مسلح افواج کو ملک کے تسلی بخش دفاع کے لئے ضروری اسلحہ مہیا کر رہی ہے۔ میں جب لاٹھیوں کا ذکر کرتا ہوں تو درحقیقت اس جذبے کی نشاندہی کرتا ہوں جو قوموں کو لاٹھیوں، کلہاڑیوں اور ڈنڈوں کے ساتھ لڑنے پر آمادہ کرتا ہے۔ ماشاءاللہ ہماری قوم میں یہ جذبہ موجود ہے اور جس قوم

میں یہ جذبہ موجود ہو، جس کی افواج ضروری ہتھیاروں سے مسلح ہوں اور جس کے عوام کی صفوں میں مکمل اتحاد اور یک جہتی ہو تو اس کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

صفوں میں اتحاد کے متعلق بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ اتحاد کیسے پیدا ہوگا۔ انشاءاللہ اتحاد ایسے ہی پیدا ہوگا جیسے پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے پیدا ہوا تھا۔ ہمیں اپنے مقصد سے آگاہی تھی۔ ہم زندہ قوموں کی طرح ایک آزاد مملکت میں رہنا چاہتے تھے۔ اب بھی اسلام ہمارا دین، اسلام ہمارا رہبر اور اسلامی مملکت ہمارا مقصد ہے۔ اس مقصد کو پانے کے لئے قوم کا ہر فرد انتھک کوشش کرے گا اور قوم کا ہر غیر مسلم شخص بھی اسے آزاد اور مستحکم مسلم مملکت بنانے میں مدد دے گا کیونکہ اس کو بھی وطن کا مفاد اتنا ہی عزیز ہے جتنا کسی اور کو۔

آج ہی لاہور کے ایک جریدے نے اپنے ادارتی نوٹ میں یہ مشورہ دیا ہے کہ لوگوں کے ذہنوں پر توجہ دی جائے کیونکہ جنگیں صرف میدانِ جنگ میں ٹینکوں اور توپوں سے نہیں بلکہ لوگوں کے ذہنوں میں لڑی جاتی ہیں۔ میرا جواب یہ ہے کہ حکومت تو اس میدان میں حتی الوسع کوشش کر رہی ہے اور میری آج کی تقریر میں بھی ذہن صاف کرنے کے لئے کچھ مواد موجود ہے، لیکن یہ ایک ایسا شعبہ ہے جہاں حکومت کے بجائے ملک کے اخبار، جرائد اور اہلِ قلم حضرات زیادہ موثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس لئے میں ادیبوں، شاعروں اور مفکروں کے شہر لاہور میں ملک کے اہلِ قلم خواتین وحضرات سے اپیل کروں گا کہ وہ لوگوں کی ذہنی حصار بندی پر توجہ دیں، مشکوک افراد کے ذہنوں کو صاف کریں

اور انہیں قائل کریں کہ ہمارا مقدّر اسی ملک سے وابستہ ہے اور ہم اس کا ہر حال میں دفاع کریں گے۔

باغ جناح میں زندہ دلانِ لاہور کے اس استقبالیے کو میں جس نکتے پر ختم کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے:

— ہمیں اپنی صلاحیتوں پر اعتماد پیدا کرنا ہوگا۔
— اپنے مستقبل پر غیر متزلزل ایمان پیدا کرنا ہوگا۔
— مستقبل پر ایمان کے لئے ضروری ہے کہ اپنا ایمان مضبوط ہو۔
— اپنے ایمان کی مضبوطی کے لئے دین کی اہمیت لازمی ہے۔
— اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرنا ہوگی۔
— ملک و ملّت کے لئے جذبۂ ایثار کو اجاگر کرنا ہوگا۔

حاضرینِ گرامی! میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اس عظیم الشان تقریب میں مدعو فرما کر میری عزت افزائی کی اور آپ کے خیالات سننے اور اپنے خیالات آپ تک پہنچانے کا موقع دیا۔

اضافی نکات

مسئلہ افغانستان: (ا) روس کی فوجی مداخلت بین الاقوامی اصولوں کی خلاف ورزی تھی۔

(ب) ہم اسلامی وزرائے خارجہ کی گیارھویں کانفرنس میں منظور کی گئی قراردادوں کے پابند ہیں۔

(ج) روس، امریکہ اور اقوامِ متحدہ سے اس بارے میں ہمارا

رابطہ قائم ہے۔

(د) اقوام متحدہ کے ذریعے ہم ایک نیا قدم Initiative اٹھا رہے ہیں۔

(ر) ہم مسئلے کا بیاسی حل تلاش کر رہے ہیں اور انشاء اللہ اس میں کامیاب ہوں گے۔

(ص) ہمارے موقف کو اسلامی کانفرنس کے تقریباً تمام ممالک کی تائید حاصل ہے۔ ہم اس سلسلے میں تنہا نہیں ہیں اور نہ ہی تنہا کوئی قدم اٹھائیں گے۔

ہتھیار بندی : (ا) ہم اپنے دفاع کے لئے ضروری ہتھیار حاصل کر رہے ہیں۔

(ب) ہمارا کسی دوسرے ملک سے مقابلہ یا Competition نہیں۔

(ج) ہم ایک فوجی قوت بننا نہیں چاہتے صرف اپنا دفاع چاہتے ہیں تاکہ پر امن حالات میں اپنے عوام کی حالت بہتر بنانے پر توجہ دے سکیں۔

پاکستان پائندہ باد

فنِ تعمیر سے متعلق تقسیمِ انعامات کی تقریب سے خطاب

لاہور : ۲۳ اکتوبر ، ۱۹۸۰ء

۲۳ اکتوبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے فنِ تعمیر کے "آغا خان ایوارڈ" کی تقسیمِ انعامات کی تقریب کی صدارت کی اور انعامات تقسیم کئے۔ یہ ایوارڈ پرنس کریم آغا خان نے قائم کیا ہے۔ اس کے تحت انعام دینے کی یہ پہلی تقریب تھی۔ یہ تقریب اسلامی فنِ تعمیر کے ایک شاہکار "شالامار باغ" میں منعقد ہوئی۔

صدر نے کہا کہ فنِ تعمیر سے کسی قوم کی اجتماعی سوچ، اس کے تمدن اور اس کی روح کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے اسلامی فنِ تعمیر میں اسی قدر وحدت اور یگانگت نظر آئے گی جس قدر ملتِ اسلامیہ متحد ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کے فضل و کرم سے آج مسلمان ملکوں میں یگانگت اور اتحاد کا احساس بہتر طور پر نظر آتا ہے اور جوں جوں یہ اتحاد فروغ پائے گا، اسلامی فنِ تعمیر میں زیادہ نکھار آتا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ پرنس کریم آغا خان کی قیادت میں اسلامی فنِ تعمیر کو اجاگر کرنے کی جو کاوشیں ہو رہی ہیں، خود ان سے اسلامی اتحاد کو فروغ حاصل ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ پرنس کریم آغا خان نے یہ ایوارڈ قائم کر کے اسلام کی ایک اہم خدمت انجام دی ہے۔ اس سے عالمِ اسلام کے درمیان ایک

نئے رشتے کو مضبوط بنانے میں مدد ملے گی۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح اسلام ایسا دین ہے جو زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اسی طرح اسلامی فنِ تعمیر کو بھی محض مساجد اور خانقاہوں تک محدود نہیں ہونا چاہیئے بلکہ یہ ہماری رہائشی اور کاروباری عمارتوں پر بھی محیط ہونا چاہیئے۔ انہوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ آغا خان ایوارڈ سے اس ضرورت کو پورا کرنے میں مدد ملے گی۔ صدر نے کہا کہ اسلامی فنِ تعمیر کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ اسلامی فنِ تعمیر کے آثارِ قدیمہ کے تحفظ اور فنِ خطاطی کے فروغ پر بھی توجہ دی جانی چاہیئے اور قیمتی عمارتوں کی تزئین میں خطاطی کے اعلیٰ نمونوں سے کام لیا جانا چاہیئے۔

آخر میں صدر نے پرنس کریم آغا خان کا شکریہ ادا کیا اور انعام پانے والوں کو مبارکباد دی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

عالی مرتبت پرنس کریم آغا خان صاحب،

سفیر صاحبان،

سٹیرنگ کمیٹی کے اراکین،

ماسٹر جیوری کے ممبران،

انعام یافتگان

اور

معزّز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ آج کی یہ تقریب کئی لحاظ سے تاریخی اہمیّت کی حامل ہے۔ اس کی ایک اہمیّت تو یہ ہے کہ یہ فنِ تعمیر کے لئے آغا خان ایوارڈ کی پہلی تقسیم انعامات کی تقریب ہے۔ اس کی دوسری اہمیّت یہ ہے کہ یہ تقریب اسلامی فنِ تعمیر کے ایک عظیم شاہکار شالامار باغ میں منعقد ہو رہی ہے۔ اس تقریب کی تیسری اور میرے

خیال میں سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے روحِ رواں عالی جناب پرنس کریم آغا خان ہیں۔ اتنی اہم تقریب میں مجھے مدعو کرکے آپ نے حقیقتاً میری عزت افزائی فرمائی ہے جس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔

میں جناب پرنس کریم آغا خان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے تقسیم انعامات کی اس تقریب کے لئے لاہور کو منتخب کیا اور اس شہر اور ملک کے لئے کلماتِ خیر کہے۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ ملک نہ صرف اسلامی فن تعمیر کے ماضی کا امین ہے بلکہ یہ اَحیائے اسلام کا بھی نقیب ہے۔ اس کا ماضی ہی نہیں اس کا مستقبل بھی اسلام سے وابستہ ہے۔

جہاں تک فنِ تعمیر کا تعلق ہے، میرے خیال میں اس فن کا آغاز اسی روز سے ہو گیا تھا جب انسان نے پہلی مرتبہ اپنا سر چھپانے کے لئے اپنی رہائش گاہ تعمیر کی تھی۔ شروع شروع میں یہ رہائش گاہ اُن غاروں سے مختلف نہ تھی جس میں انسان عہد قدیم سے رہتا چلا آ رہا تھا، لیکن آج ہم اپنے گردو پیش نظر ڈالیں تو نہ صرف ترقی یافتہ بلکہ ترقی پذیر ممالک میں بھی ہمیں جدید فنِ تعمیر کی اعلیٰ سے اعلیٰ عمارتیں نظر آتی ہیں۔ عہدِ ماضی سے دورِ حاضر تک شعبۂ تعمیرات میں بنی نوع انسان کا یہ طویل سفر درحقیقت اس کی ترقی اور تہذیب کا سفر ہے۔ یہ سفر رموزِ فطرت کو سمجھنے اور ان پر قدرت پانے کا سفر ہے۔ ہمارے لئے قابل فخر بات یہ ہے کہ گزشتہ ۱۴۰۰ سال میں مسلمانوں نے نہ صرف تہذیبِ انسانی کے اس ارتقا کا ساتھ دیا ہے بلکہ اس کی ترقی و تزئین میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، فنِ تعمیر میں اسلام کی خدمات پہلی صدی ہجری سے شروع ہوتی ہیں اور اس کے عروج کا زمانہ بارھویں اور تیرھویں صدی ہجری تک پہنچتا ہے۔

اس کے بعد کا زمانہ بدقسمتی سے مسلم ممالک کے زوال اور مغربی سلطنتوں کے عروج کا زمانہ ہے، لیکن آپ کو یاد ہوگا کہ جب تک مسلمان عروج پر رہے، انہوں نے فنِ تعمیر سمیت مختلف شعبہ ہائے زندگی میں قابلِ قدر نقوش چھوڑے اور اسلامی فنِ تعمیر کا شہرہ سپین اور مراکش سے لے کر برِ صغیر اور جنوب مشرقی ایشیا تک پہنچ گیا۔ انہوں نے نہ صرف اس شعبے میں لافانی شہرت حاصل کی بلکہ دیگر اقوامِ عالم میں اپنی انفرادیت بھی قائم کی۔

فنِ تعمیر کے اس تاریخی ارتقا کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ مسلمانوں نے منفرد تعمیرات کے ذریعے قابلِ رشک نام پیدا کیا، لیکن عالمِ اسلام کے مختلف ملکوں اور خود مسلمان ملکوں کے مختلف حصّوں میں مختلف طرز کی عمارتیں تعمیر ہوتی رہیں۔ مثلاً عرب، ایران، ترکی اور ہندوستان میں تعمیر ہونے والی عمارتیں اپنا اپنا جداگانہ انداز رکھتی تھیں اور خود برِ صغیر کے اندر شمالی ہندوستان، کشمیر، بنگال اور حیدر آباد کی تعمیرات اپنا الگ رنگ رکھتی ہیں۔ لہٰذا بنیادی سوال یہ ہے کہ اسلامی فنِ تعمیر کیا ہے؟ کیا اسلامی فنِ تعمیر ان عمارتوں کا نام ہے جو مسلمان حکمرانوں نے وقتاً فوقتاً تعمیر کروائیں یا اسلامی فنِ تعمیر وہ ہے جو ہماری مسجدوں اور مقبروں میں نظر آتا ہے یا اسلامی فنِ تعمیر وہ ہے جس کا خاکہ یا ڈیزائن کسی مسلمان ماہرِ تعمیرات کا تخلیق کردہ ہو۔

میرے خیال میں فنِ تعمیر کسی قوم کی مجموعی سوچ، تمدّن اور روح کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے بنانے والے مختلف ہو سکتے ہیں، ان کی جائے وقوع کئی ہو سکتی ہیں لیکن ان میں جو قدرِ مشترک ہوتی ہے، وہ ان کی سوچ اور اندازِ فکر ہوتا ہے۔ لہٰذا، اسلامی فنِ تعمیر میں وحدت اور یگانگت اسی حد تک منعکس ہوگی جس حد تک خود

ملّتِ اسلامیہ متحد ہوگی۔ یہ ممکن نہیں کہ ملّت اسلامیہ تو جغرافیائی طبقوں میں بٹی رہے اور اسلامی فنِ تعمیر وحدت واشتراک کی طرف ترقی کرتا رہے۔ مقامِ مسرت ہے کہ دورِ حاضر میں ملتِ اسلامیہ کے مختلف ارکان کے درمیان اتحاد اور یگانگت کا گہرا احساس پایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس احساس کی لہریں مراکش سے انڈونیشیا اور وسطی ایشیا سے افریقہ تک پائی جاتی ہیں۔ انشاء اللہ جوں جوں ملّتِ اسلامیہ کا یہ اتحاد فروغ پاتا جائے گا، اسلامی فنِ تعمیر میں بھی زیادہ نکھار آتا جائے گا۔ اس کے برعکس اگر میں یہ کہوں تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ عالی مرتبت پرنس کریم آغاخان کی قیادت میں اسلامی فنِ تعمیر کو اُجاگر کرنے کے لئے جو کاوشیں ہو رہی ہیں ان سے خود اتحادِ اسلامی کو فروغ حاصل ہوگا۔

جناب پرنس کریم آغاخاں نے یہ ایوارڈ قائم کرکے اسلام کی اہم خدمت کی ہے۔ اس سے عالم اسلام کے درمیان ایک نئے رشتے کو مضبوط بنانے میں مدد ملے گی، اسلام کی عظمتِ رفتہ کو فنِ تعمیر کے حوالے سے زندہ کرنے کا موقع ملے گا اور اس بات کا امکان پیدا ہوگا کہ ہم اپنے اسلاف کی تقلید میں آئندہ بھی تعمیراتی شاہکار تخلیق کرسکیں تاکہ آئندہ نسلیں یہ نہ سمجھیں کہ اسلام کے ابتدائی دور کے بعد خدانخواستہ مسلمانوں کے تخلیقی ذہنوں پر جمود طاری ہوگیا تھا۔ جمود کی اس کیفیت کو توڑنے اور فن تعمیر کو ترقی کی نئی منزلوں سے ہمکنار کرانے کے لئے یہ ایوارڈ ایک مہمیز ثابت ہوگا۔ مجھے خوشی ہے کہ ماہرین کی ایک بڑی تعداد نے اسے ایک چیلنج سمجھ کر نہ صرف پوری ہمت اور پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ قبول کیا بلکہ اس میں انعامات بھی جیتے۔ میں انہیں اس کامیابی پر دلی مبارک باد دیتا ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ ان کوششوں سے اسلامی فنِ تعمیر کو فروغ دینے اور نکھارنے میں مدد ملے گی۔

فنِ تعمیر کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے میرا ذہن بار بار مسجدوں کی طرف جاتا ہے جو ہمارے فنِ تعمیر کا ایک عمدہ نمونہ ہوتی ہیں۔ مسجد کو ایک مسلمان کی زندگی میں نہ صرف مذہبی اہمیت حاصل ہوتی ہے بلکہ اس کا ثقافتی اور سماجی کردار بھی ہوتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ شروع شروع میں عربی روایت کے مطابق مسجدوں کی تعمیر کا آغاز ہوا، لیکن جوں جوں اسلام پھیلتا گیا اور مسجدیں دنیا کے مختلف حصوں میں تعمیر ہونے لگیں تو مسجدوں کی تعمیر میں بھی مقامی حالات اور موسم نے اثر انداز ہونا شروع کیا۔ لیکن اس کے باوجود دنیا کی تمام مسجدوں کا بیک وقت جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان میں چند بنیادی خدوخال ایسے ہیں جو ایک مشترکہ طرزِ تعمیر کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہی حال کسی حد تک مقبروں اور مذہبی یادگاروں کا ہے لیکن جونہی ہم دنیاوی تعمیرات کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہمارے دفاتر، ہمارے کاروبار کے مراکز اور ہماری رہائش گاہیں عموماً اسلامی چھاپ سے عاری ہوتی ہیں۔ یہ تفریق درحقیقت اس سامراجی دور کا اثر ہے جس کے تحت ہم نے مذہب اور عام زندگی کو دو الگ خانوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ تفریق ان اقوام کے لئے تو قابلِ قبول ہو سکتی ہے جن کے عقیدے کے مطابق مذہب ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے، لیکن ہمارے لئے یہ افسوس ناک ہے کیونکہ ہم اسلام کو ایک مذہب نہیں بلکہ مکمل دین سمجھتے ہیں۔ ایک ایسا دین جو ہماری ساری زندگی پر حاوی ہوتا ہے۔ ایک ایسا دین جس کی گرفت ہماری روح پر ہی نہیں، ہمارے اعصاب اور ہمارے اعمال پر بھی ہوتی ہے۔ ایک ایسا دین جو زندگی کے تمام شعبوں میں ایک ہی طرزِ زندگی کا درس دیتا ہے۔ ہمیں سوچنا یہ ہے کہ کیا ہم اپنے فنِ تعمیر کو مسجدوں، مدرسوں، خانقاہوں اور مقبروں تک محدود رکھنا چاہتے ہیں یا اسے رہائشی اور کاروباری سطحوں پر بھی

اپنانا چاہتے ہیں۔ میں اس امر کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ ہم آئندہ اپنی روزمرہ استعمال کی جو بھی عمارتیں تعمیر کریں، ان میں مقامی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ اسلامی رنگ بھی قائم رکھیں تاکہ یہ عمارات خواہ صومالیہ میں تعمیر ہوں یا کویت میں، سینیگال میں بنائی جائیں یا ملائیشیا میں، ان میں چند خصوصیات ایسی ضرور ہونی چاہئیں جن سے اسلام کے ساتھ ان کے تعلق کی نشاندہی ہوتی ہو۔ میرے خیال میں جناب آغا خان کی زیرِ نگرانی فنِ تعمیر کے انعامات کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے اس سے اس ضرورت کو بھی پورا کرنے میں مدد ملے گی۔

خواتین و حضرات!

جہاں ہم نئی تعمیرات کے متعلق سوچ بچار اور اظہارِ خیال کرتے ہیں، وہاں ہمیں ان عمارات کی طرف بھی خصوصی توجہ دینی چاہیئے جو ہمارے اسلاف نے تعمیر کیں اور آج جن کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ میری مراد آثارِ تعمیراتِ اسلامی کے تحفّظ سے ہے۔ دیگر مسلم ممالک کی طرح پاکستان میں بھی ایسی اَن گنت عمارات پائی جاتی ہیں جو مختلف اُدوار میں تعمیر ہوئیں۔ ان کی ایک اچھی خاصی تعداد اسی شہر میں واقع ہے جس شہر کی ایک یادگار عمارت یہ شالامار باغ ہے۔ یہاں سے تھوڑی دور شاہدرہ کے مقام پر مغل شہنشاہ جہانگیر کا مزار ہے جس کا اپنا تعمیری حُسن دُور دُور سے سیاحوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جہانگیر کی ملکہ نور جہاں اور نور جہاں کے بھائی آصف خان کا مزار ہے جو وقت کے حادثات کے ساتھ ساتھ اپنا حسن اور وقار کھو چکے ہیں۔ بادشاہی مسجد لاہور اور اس کے پاس ہی واقع لاہور قلعہ طرزِ تعمیر کا شاہکار سمجھے جاتے ہیں۔ یہ شاہکار صرف لاہور تک ہی محدود نہیں بلکہ پاکستان کے بیشتر حصوں میں پائے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ اسلامی تعمیرات کے بعض نمونے ایسے بھی ہیں جو آہستہ آہستہ صفحۂ ہستی سے مٹتے جا رہے ہیں۔ چیدہ چیدہ کھدائی سے نہ صرف ان عمارتوں کے نشان تازہ کئے جا سکتے ہیں بلکہ فنِ تعمیر کے ماہروں کی مدد سے کسی حد تک ان کے خدوخال بھی واضح کئے جا سکتے ہیں۔ پاکستان میں اس کی مثال بھمبھور شہر ہے جہاں جنوبی ایشیا کی سب سے پہلی مسجد کے آثار ملتے ہیں اور یہیں عربی کی اوّلین کندہ شدہ تحریریں بھی ملتی ہیں اسی طرح سندھ میں ایک اور جگہ عرب دارالخلافہ "المنصورہ" کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ ان شہروں پر تحقیق کے ذریعے یہاں بسنے والے مسلمانوں کی رہائش، تجارت اور صنعت و حرفت کے بارے میں قیمتی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ لہٰذا، ہمارے سامنے درحقیقت تین کام ہیں۔ ایک یہ کہ "بھمبھور"، اور "المنصورہ" جیسے قدیم شہروں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہونے سے محفوظ رکھا جائے، لاہور قلعہ، مقبرہ جہانگیر، شالامار باغ اور دیگر تاریخی عمارتوں کو شکست و ریخت سے محفوظ رکھا جائے اور آئندہ جو عمارات تعمیر کی جائیں، ان میں اسلامی فنِ تعمیر کے تسلسل کو ملحوظ رکھا جائے۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ اسلام کی ایک بڑی خدمت ہوگی۔ اسلامی ثقافت کا یہ تسلسل فنِ تعمیر کے حوالے سے تمام مسلم ممالک تک پھیلایا جائے تاکہ وہ نہ صرف اپنے ماضی کے حوالے سے آپس میں منسلک ہو جائیں بلکہ آئندہ بھی ایک دوسرے کے قریب آسکیں۔

اسلامی فنِ تعمیر ایک ایسا موضوع ہے جو نہ صرف بہت اہم اور وسیع ہے بلکہ یہ میرے جیسے عام انسان کی دسترس سے بھی باہر ہے، لیکن میں اپنی یہ گفتگو اسلامی طرزِ تعمیر کے ایک اہم حصّے کے بغیر نامکمل سمجھتا ہوں۔ میری مُراد نقش و نگار اور خطّاطی کے اُن اعلیٰ نمونوں سے ہے جو ہمیں اسلامی تعمیرات میں نظر آتے ہیں۔ ان سے نہ صرف

مسلمانوں کے اعلیٰ ذوق کی عکاسی ہوتی ہے بلکہ قرآنی زبان "عربی" سے ان کی گہری محبت کا پتہ چلتا ہے۔ خطاّطی کا موضوع عام طور پر قرآنی آیات اور رسول اکرم صلعم کی احادیث ہوتی ہیں۔ مسلمان خطاّطوں نے ایک ایک نقطہ اور ایک ایک آیت کو خوب صورت سے خوب صورت انداز میں رقم کرنے کے لئے کئی کئی پہر صرف کئے ہیں۔ آپ کے ذہنوں میں یقیناً ایسے کئی فنکاروں کے نام محفوظ ہوں گے جنہوں نے اس فن کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں صرف کردیں۔ مجھے افسوس ہے کہ مغربی جدیدیت سے جہاں دوسرے بہت سے شعبے متاثر ہوئے ہیں، وہاں اس محنت طلب اور یادگار فن کو بھی ٹھیس پہنچی ہے۔ خطاّطی ہماری اسلامی ثقافت کا ایک نمایاں اور قابلِ قدر حصّہ ہے۔ اسے وقت کے ظالم ہاتھوں نیست و نابود ہونے سے بچانے اور اس کی ترقی کے لئے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دورِ حاضر میں تعمیر ہونے والی تمام عمارتوں پر خطاّطی کی جائے لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں کہ جب اسلامی روح کے مطابق اعلیٰ سے اعلیٰ قیمتی عمارتیں بنائی جائیں تو ان کی اندرونی سجاوٹ کے لئے کسی مغربی مصوّر کی بنائی ہوئی انسانی شبیہوں کی بجائے آیاتِ قرآنی پر مبنی خطاّطی کے اعلیٰ نمونوں سے کام لیا جائے۔ اس سے نہ صرف تمدّنی طور پر ہمارا رشتہ اپنے دین سے قائم رہے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمودات بھی ہماری نظروں کے سامنے رہیں گے۔

میں ان الفاظ کے ساتھ آج کی تقریب میں انعام پانے والوں کو ایک بار پھر دلی مبارک باد دیتا ہوں اور جناب پرنس کریم آغا خان صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے مدعو کرکے میری عزت افزائی فرمائی۔

پاکستان پائندہ باد

"اسلامی ممالک میں فنِ تعمیر" کے موضوع پر سیمینار کے افتتاح کے موقع پر خطاب

لاہور : ۲۳ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

۲۳ اکتوبر کو لاہور میں " اسلامی ممالک میں فنِ تعمیر" کے موضوع پر ایک سیمینار منعقد ہوا جس میں فنِ تعمیر کے مشہور ماہرین نے شرکت کی۔ اس سیمینار کا اہتمام پرنس کریم آغا خان کے ایما پر کیا گیا تھا جو خود بھی سیمینار کی افتتاحی تقریب میں موجود تھے۔ سیمینار کا افتتاح صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے کیا۔ صدر نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ ہمارا طرزِ تعمیر خواہ کتنی ہی بلندیاں حاصل کرلے، اس کا رشتہ اپنے ماضی سے نہیں کٹ سکتا۔ اگر ایسا ہوا تو ہمارا طرزِ تعمیر زیادہ عرصہ تک ہوا میں معلّق نہیں رہ سکے گا، اس لئے ہمارے طرزِ تعمیر میں انفرادیت اور تسلسل کے امتزاج کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارا رہن سہن اور ہماری سوچ تو غیر اسلامی ہو اور ہماری عمارتیں اسلام کی آئینہ دار بن جائیں، اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے آپ کو مکمل طور پر اسلام کے سانچے میں ڈھالیں۔ پھر انشاء اللہ ہماری عمارتیں ہمارے طرزِ حیات کی عکاسی کریں گی۔

صدر نے کہا کہ فنِ تعمیر کے ماہرین کو ان سوالوں پر غور کرنا چاہیئے کہ امراء، متوسط طبقے اور غریب لوگوں کی ضروریات کو مربوط کر کے کس طرح ایک مشترک فنِ تعمیر کے

تحت لایا جاسکتا ہے۔ بڑھتی ہوئی شہری آبادی کو کس طرح رہائشی سہولتیں مہیا کی جا سکتی ہیں۔ دیہات میں کیسے طرزِ تعمیر کو فروغ دیا جاسکتا ہے کہ لوگ کم وسائل کے باوجود صاف ستھری زندگی گزار سکیں، ہمارے شہر مربوط اور متناسب نشو ونما پائیں اور ان کی مجموعی شخصیت میں کوئی جھول نہ آئے۔ ہمارے طرزِ تعمیر میں غیر ضروری شان و شوکت کی بجائے عملی سہولت اور افادیت کا پہلو زیادہ نظر آئے اور اس کے ساتھ ساتھ ماحول کو بھی صحت بخش رکھا جاسکے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ۔

عالی جناب پرنس کریم آغا خاں صاحب

اور

معزّز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ میرے لیے یہ بڑا اعزاز ہے کہ مجھے ایک ایسے مذاکرے کے افتتاح کی دعوت دی گئی ہے۔ جو نہ صرف اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت قابلِ قدر ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی نہایت اہم ہے کہ اس کے روحِ رواں پرنس کریم آغا خاں جیسی ممتاز شخصیّت ہیں جو بذاتِ خود اس تقریب میں موجود ہیں۔ میں یہاں ان کی موجودگی کو اپنے لئے باعثِ عزّت سمجھتا ہوں اور ان کے ابتدائی کلمات کے لئے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں اس سیمینار میں ان ماہرین کی موجودگی کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں جو طویل سفر کر کے اس تقریب میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔ یہ سیمینار درحقیقت

ان کا اپنا سیمنار ہے کیونکہ یہاں جن خیالات کا اظہار کیا جائے گا، انہیں عملی شکل دینا اور اسلامی طرزِ تعمیر کو آگے بڑھانا انہی کا کام ہے۔

اسلامی فنِ تعمیر کا نام سنتے ہی ہمارا ذہن دو قسم کی عمارتوں کی طرف جاتا ہے۔ ایک مذہبی قسم کی عمارتیں جو زیادہ تر ہماری عبادت گاہیں ہیں اور دوسری وہ تاریخی عمارتیں جو مختلف اَدوار میں مسلمان بادشاہوں نے تعمیر کروائیں، لیکن دیکھا جائے تو مسلمانوں کی زندگی میں ان عمارات کے علاوہ اور بھی بہت سی عمارتوں کا دخل ہے۔ آج میں انہی روزمرّہ کی ضرورت کی عمارتوں کے متعلق اظہارِ خیال کروں گا، لیکن پہلے چند کلمات طرزِ تعمیر کے متعلق !

آج کے موضوع پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ درحقیقت خالصتاً اسلامی طرزِ تعمیر کے متعلق نہیں بلکہ " عالمِ اسلام میں جدید طرزِ تعمیر " کے بارے میں ہے جس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اس بات پر غور کیا جائے کہ آج کل عالمِ اسلام میں کس طرح کا طرزِ تعمیر مقبول ہو رہا ہے یعنی اس طرزِ تعمیر میں کہاں تک اسلامی روایت کو دخل حاصل ہے اور کہاں تک اس میں مغربی رجحانات کا اثر ہے ؟ میں اس نکتے کی نشاندہی اس لئے کر رہا ہوں کہ عالمِ اسلام کسی جزیرے میں واقع نہیں۔ اس کے اردگرد ایسے ممالک موجود ہیں جو مختلف طرزِ حیات پر یقین رکھتے ہیں اور کسی اور وضع کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے دَور میں ایک ملک یا علاقے میں ہونے والی تحقیق، معلومات یا رجحان کا اثر دوسرے ملک یا علاقے پر بھی پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جو ممالک آج کل مادی ترقی کی معراج پر ہیں، ان کا تعلق عالمِ اسلام سے نہیں بلکہ کسی اور عالم سے ہے۔ ان کی اپنی دنیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم سیاسی، اقتصادی اور سائنسی میدانوں

ہیں تو ان ملکوں کی تقلید کریں، لیکن فنِ تعمیر کے سلسلے میں ان کے اثرات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں۔

میں ترقی یافتہ ممالک یا ان سے استفادہ کرنے کے خلاف نہیں، لیکن اس سوچ کی حمایت میں ضرور ہوں کہ مسلمانوں کو تمام شعبہ ہائے زندگی میں اپنے نظریۂ حیات کو اپنانا چاہیئے۔ ان کا فلسفۂ زندگی اسلام پر مبنی ہونا چاہیئے اور جیسا کہ میں اکثر کہتا رہتا ہوں، اسلام کا فلسفۂ حیات زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا سیاسی، اقتصادی، تعزیری اور سماجی نظام، نظامِ اسلام پر مبنی ہونا چاہیئے تاکہ ہم اپنی مکمل زندگی دینِ اسلام کے مطابق بسر کر سکیں۔ میرے خیال میں یہ نقطۂ نظر سراسر حقیقت کے منافی ہوگا کہ ہمارا رہن سہن اور ہماری سوچ بچار تو غیر اسلامی ہو لیکن ہماری عمارتیں اسلام کی آئینہ دار بن جائیں۔ ہونا دراصل یہ چاہیئے کہ پہلے ہم اپنے آپ کو مکمل طور پر اسلامی سانچے میں ڈھالیں اور پھر ہمارے طرزِ حیات کی آئینہ دار ہماری عمارتیں ہوں۔

مسلم ممالک میں جس قسم کی عمارات تعمیر ہو رہی ہیں، وہ عموماً تین طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک قسم اُن فلک بوس عمارات کی ہے جو کروڑوں روپے کی لاگت سے بڑے بڑے شہروں میں تعمیر ہوتی ہیں۔ دوسری وہ ہیں جو متوسط طبقے کے افراد یا ادارے کم سرمائے سے تیار کرتے ہیں اور تیسری وہ ہیں جو کسی فنِ تعمیر کی پابندی یا عکاسی کرنے کے بجائے غریب لوگ اپنی اپنی ضرورت کے مطابق تعمیر کرتے رہتے ہیں۔ یہ تینوں قسم کی عمارتیں درحقیقت معاشرے کے تین طبقوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان طبقوں کی اپنی اپنی پسند اور اپنی اپنی ضروریات ہوتی ہیں۔ ایک کی پسند کو دوسرے پر مسلّط نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا میرے خیال میں سب سے پہلے فنِ تعمیر کے حوالے سے

ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہیئے کہ ہم کس طرح ان تین طبقوں کی ضروریات کو مربوط کر کے ایک مشترکہ فنِ تعمیر کے تحت لا سکتے ہیں۔

اب حالت یہ ہے کہ ہمارے عوام کی اکثر آبادی دیہات میں رہتی ہے جہاں جدید سہولتیں تقریباً مفقود ہوتی ہیں۔ وہ بہتر مستقبل اور بہتر زندگی کی تلاش میں شہروں کا رخ کرتے ہیں۔ اُن کے انتقالِ مکانی سے نہ صرف دیہاتوں میں زراعت متاثر ہوتی ہے بلکہ شہروں پر آبادی کا دباؤ بھی بڑھتا ہے۔ چونکہ ان دیہاتیوں کی اکثریت کسی ہنر یا اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور نہیں ہوتی، اس لئے وہ شہروں کے پسماندہ علاقوں Slums میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ شہروں میں مکانات، پانی، بجلی اور گیس کی سہولتیں اس اضافی آبادی کی متحمل نہیں ہو پاتیں جس سے شہروں میں پہلے سے آباد لوگ بھی ان سہولتوں کی کمی کی شکایت کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا دوسرا مسئلہ جس کی طرف فنِ تعمیر کے ماہرین کو توجہ دینی چاہیئے وہ یہ ہے کہ بڑھتی ہوئی آبادی کو کس طرح رہائشی سہولتیں مہیا کی جا سکتی ہیں۔ یعنی دیہات میں کس طرز کی تعمیرات کو فروغ دیا جا سکتا ہے کہ کم وسائل کے باوجود صاف ستھری زندگی گزار سکیں اور شہروں میں کس طرح کی رہائشی سہولتوں کو وسعت دی جا سکتی ہے کہ وہاں بسنے والے شہری جدید سہولتوں سے بھی مستفید ہو سکیں اور اپنا روایتی طرزِ رہائش بھی قائم رکھ سکیں۔

مَیں اس ضمن میں آپ کی توجہ شہروں کے بڑھتے ہوئے حجم کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ہوتا یہ ہے کہ جب ہمارے شہر پھیلتے ہیں تو یا تو عظیم الشان عمارتوں پر مشتمل موڈرن کالونیاں معرضِ وجود میں آتی ہیں یا پھر Slums میں اضافہ ہوتا ہے۔ کیا تعمیرات کے ماہرین کوئی ایسا حل تلاش نہیں کر سکتے کہ ہمارے صحت مند انسانی جسم مربوط اور متناسب نشو و نما پائیں اور ان کی مجموعی شخصیت میں کوئی جھول

نہ آئے۔

اسی طرح کا ایک اور مسئلہ غریبوں کی آباد کاری کا ہے۔ مثلاً پاکستان میں فی کس سالانہ آمدنی اتنی کم ہے کہ ہر شخص مکان نہیں بنوا سکتا۔ بے شک ہم قومی آمدنی کے ساتھ ساتھ فی کس سالانہ آمدنی بھی بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا فی کس سالانہ آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہونے تک غریب عوام چھپروں میں یا کھلے آسمان تلے بسر اوقات کرنے پر مجبور رہیں گے؟ کیا ان کے لئے کم لاگت کے مکانات کا کوئی منصوبہ تیار نہیں کیا جا سکتا؟ میں اس سیمینار میں موجود اور فنِ تعمیر کے دیگر ماہرین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس سنگین مسئلے کا بھی کوئی حل تلاش کریں۔

ایک اور اہم مسئلہ جو آپ کی توجہ چاہتا ہے، تعمیرات کے اخراجات میں کفایت کا مسئلہ ہے۔ روز بروز اونچی سے اونچی اور مہنگی سے مہنگی عمارتیں تعمیر کرنے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ پہلے ہم اپنا قیمتی سرمایہ خرچ کر کے سیمنٹ اور بجری کے ڈبو کھڑے کر لیتے ہیں اور پھر انہی سے ڈرنے لگتے ہیں اور سبزے اور کھلی ہوا کی کمی کا گلہ کرنے لگتے ہیں۔ اسلام ہر شعبۂ زندگی میں سادگی اور کفایت کا سبق دیتا ہے، لہٰذا ہمارے طرزِ تعمیر میں غیر ضروری شان و شوکت کی بجائے افادیت اور عملی سہولت کا زیادہ دخل ہونا چاہیئے۔

آخری مسئلہ جس کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ "ماحولیات" یا Environment کا ہے۔ اگرچہ پاکستان میں یہ مسئلہ اتنا شدید نہیں جتنا کہ صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ممالک میں ہے، لیکن بہت جلد پاکستان سمیت اکثر اسلامی ممالک اس مسئلے سے دوچار ہو جائیں گے۔ لہٰذا فنِ تعمیر کے ساتھ ساتھ ہمیں ماحولیاتی ماہرین

سے بھی رابطہ قائم رکھنا چاہیئے تاکہ ماحول کو صحت بخش رکھا جاسکے۔ اس میں دریاؤں کا بہاؤ، سبزہ زاروں کا بچاؤ، زمین کی زرخیزی اور دیگر ذی روح مخلوقات کی حفاظت وغیرہ شامل ہیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اسلام زمین کو بہت اہمیت دیتا ہے اور اس کے تقدّس کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ تمام زمینی وسائل کو انسان کی مشترکہ ملکیت سمجھتا ہے اور ان کے صحت مند اور منصفانہ استعمال پر زور دیتا ہے۔ گویا مسلمانوں کے لئے "ماحولیات" صنعتی زندگی کی بلاؤں سے بچنے کا ایک ذریعہ نہیں بلکہ ان کا دینی فریضہ بھی ہے۔

یہ مسائل ایسے ہیں جن کے لئے بنے بنائے حل کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔ اس کے لئے ہمارے ماہرین کو اپنے علم، تجربے اور بصیرت سے کام لینا ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں انہیں "جدّت" سے کام لینا پڑے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ ان مسائل کا جائزہ لیتے وقت ان کے پیشہ ورانہ ذہنوں میں جو اعلیٰ نکات جنم لیں گے، وہ جدید طرزِ تعمیر کا پیش خیمہ بنیں گے۔ یاد رکھیئے، وہ تاریخی عمارتیں جنہیں آج آپ اور ہم حیرت اور تحسین سے دیکھتے ہیں، اپنے وقتوں میں جِدّت کے شاہکار تھے اور جس طرح آج وہ ہمارے عہدِ رفتہ کا ایک قابلِ فخر جزو ہیں، اسی طرح ایک روز آپ کی تخلیقی تعمیرات ہماری تاریخ کا ایک روشن باب ہوں گی۔

فنِ تعمیر میں ہمیں جس چیز کی اشد ضرورت ہے، وہ انفرادیت اور تسلسل ہے یعنی ہماری تعمیرات میں ایسی انفرادیت ہونی چاہیئے کہ ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہو جائے کہ یہ اسلامی طرزِ تعمیر کا نمونہ ہیں اور ان میں ایسا تسلسل ہونا چاہیئے کہ جدیدیت کی دوڑ میں بھی ہمارے اسلاف سے ہمارا رشتہ قائم رہے۔ جس طرح درخت خواہ کتنے ہی تناور اور خوب صورت کیوں نہ ہو جائیں، اپنی جڑوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتے

اسی طرح ہمارا طرزِ تعمیر بھی خواہ کیسی ہی بلندیاں حاصل کرلے، اپنے ماضی سے رشتہ نہیں توڑ سکتا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو زیادہ عرصہ ہوا میں معلق نہیں رہ سکے گا۔

ان کلمات کے ساتھ میں اس مذاکرے کا رسمی افتتاح کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے وہ مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب فرمائے جن کے لیے یہ منعقد کیا گیا ہے۔

میں آخر میں عالی جناب پرنس کریم آغا خان کو فنِ تعمیر کے ذریعے خدمتِ اسلام کے لئے بہ جرأت مندانہ اقدام کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے اس شاندار تقریب میں مدعو کر کے اپنے خیالات ان سرکردہ ماہرین تک پہنچانے کا موقع دیا۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

اہلِ کراچی کے استقبالیے سے خطاب

کراچی : ۲۵ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

اقوامِ متحدہ میں عالمِ اسلام کی نمائندگی کے بعد وطن واپسی پر ۲۵ اکتوبر کو اہلِ کراچی نے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے اعزاز میں ایک دعوتِ استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ اس تقریب میں اقوامِ متحدہ میں سارے عالمِ اسلام کی نمائندگی کے اعزاز پر صدر کو شاندار خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔

صدر نے اپنی تقریر میں کہا کہ اقوامِ متحدہ میں پاکستان کو عالمِ اسلام کی نمائندگی کا جو اعزاز نصیب ہوا ہے اس پر ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور یہ عہد کرنا چاہیئے کہ ہماری تمام تر صلاحتیں اسلام کی خدمت اور سربلندی کے لئے وقف ہوں گی۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کا ذکر اندرونِ ملک ہو یا بیرونِ ملک، ہمیں معذرت خواہانہ رویہ نہیں اختیار کرنا چاہیئے اور ہم نے جنرل اسمبلی میں یہی اصول اپنایا۔

انہوں نے علاقائی صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ اگرچہ صورتِ حال مکمل طور پر تسلی بخش نہیں ہے تاہم ملکی دفاع قابلِ اعتماد ہاتھوں میں ہے۔ صدر نے کہا کہ بعض دانشور یہ پراپیگنڈا کر رہے ہیں کہ پاکستان کی بنیاد اسلام نہیں لادینیت

ہے اور قیامِ پاکستان کا مقصد معاشی ضروریات کی تکمیل تھا۔ انہوں نے کہا کہ نظریۂ پاکستان کے مخالفین کو ڈرا دھمکا کر زیرِ زمین سرگرمیوں کی راہ دکھانے کی بجائے یہ بہتر ہو گا کہ دلیل کا جواب دلیل سے دیا جائے اور غلط تاریخی حوالے کا جواب مستند تاریخی حوالے سے دیا جائے۔ صدر نے قیامِ پاکستان کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالی اور قائدِاعظم کی تقاریر اور خطوط سے اقتباسات پیش کئے اور کہا کہ واضح تاریخی حقائق کے باوجود پاکستان کے بنیادی مقاصد کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرنا تاریخ سے بے وفائی ہے۔ انہوں نے کہا کہ دینِ اسلام کو قیامِ پاکستان سے علیحدہ کرنے کا مطلب قیامِ پاکستان کی نفی ہے۔ یہ کہنا کہ دینِ اسلام ہماری قومیت کی بنیاد نہیں قیامِ پاکستان کے دشمنوں کی ہمنوائی کرنے کے مترادف ہے۔ جو لوگ قیامِ پاکستان کے قائل نہیں انہیں اس کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے کا بھی حق نہیں۔

ملک کی موجودہ صورتِ حال پر روشنی ڈالتے ہوئے صدر نے کہا کہ ملکی اور غیر ملکی حالات کے پیشِ نظر فی الحال الیکشن اور نمائندہ حکومت کو بھول جائیے اور موجودہ حکومت کو مزید کچھ عرصے کے لئے برداشت کیجئے تاکہ ہم نے نفاذِ اسلام کا جو کام شروع کر رکھا ہے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ ہم ایک مناسب طریقِ کار کے مطابق ایسے افراد کو اقتدار سونپ کر جائیں گے جن کا کردار صالح ہو، جو ملک کی نظریاتی اساس کے وفادار ہوں اور ان میں "اچھی حکومت" اور "نمائندہ حکومت" دونوں کی خوبیاں موجود ہوں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

گورنر سندھ، جنرل ایس۔ایم۔ عباسی صاحب،

بلدیہ کراچی کے میئر، جناب عبدالستار افغانی صاحب،

معززینِ شہر

اور

خواتین وحضرات!

السّلام علیکم۔ جہاں تاریخِ اسلام میں بہت سے سنہری باب موجود ہیں، وہاں چودھویں صدی ہجری میں احیائے اسلام بھی اپنی نوعیت کا ایک اہم باب ہے۔ اسی سلسلے میں پچھلے دنوں پاکستان کو اقوامِ متحدہ میں اسلام کی نمائندگی کا اعزاز ملا۔ اسلام کی اس ادنیٰ سی خدمت سے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک اچھے اثرات مرتب ہوئے جس کا اظہار مختلف طریقوں سے مختلف مقامات پر کیا گیا ہے۔ اس کے لئے اوّل تو ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا چاہیئے اور پھر اس بات کا عہد کرنا چاہیئے

کہ ہماری تمام صلاحیتیں اسلام کی خدمت اور سربلندی کے لئے وقف ہوں گی۔ میں آج کی تقریب کو بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھتا ہوں۔

میں اہلِ کراچی کی خوبیوں سے اچھی طرح آگاہ ہوں۔ اسلام سے ان کی محبت کوئی پوشیدہ بات نہیں۔ اس کی شہادت وہ بے مثال قربانیاں ہیں جو اس شہر کے رہنے والوں نے اسلام کی خاطر دی ہیں۔

آپ نے جس محبت اور عقیدت کے ساتھ میری پذیرائی کی ہے، میں اس سے بہت متاثر ہوا ہوں اور آپ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اقوامِ متحدہ میں میری تقریر آپ میں سے اکثر خواتین و حضرات نے خود سنی اور پڑھی ہوگی۔ اس کے متعلق تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، البتہ یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام کا ذکر خواہ اندرونِ ملک ہو یا بیرونِ ملک، ہمیں معذرت خواہانہ انداز اختیار نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ ہمیں صاف اور دوٹوک بات کرنی چاہیئے۔ ہم نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں یہی انداز اپنایا اور اسی اصول پر عمل کیا۔ یکم اکتوبر کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اگر کلامِ الٰہی اور پیغامِ اسلام کی صدا گونجی تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور آپ لوگوں کی دعاؤں کا نتیجہ تھا۔

علاقائی صورتِ حال کے بارے میں مَیں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اگرچہ ہماری سرحدوں پر بادل چھائے ہوئے ہیں، لیکن ایسی بھی بات نہیں کہ ہر بدلی میں ایک بجلی چھپی ہوئی ہے جو ہم پر گرنے کو تیار بیٹھی ہے۔ ٹھیک ہے، علاقائی صورتِ حال بیرونی تعلقات کے لحاظ سے مکمل طور پر پُرامن اور تسلی بخش نہیں، لیکن تشویش اور فکرمندی کی بھی کوئی بات نہیں۔ ہمیں اپنے ایمان اور اپنے زورِ بازو پر ہی یقین واعتماد نہیں بلکہ بعض قابلِ اعتماد دوستوں کا تعاون بھی حاصل ہے۔ ملکی دفاع قابلِ اعتماد

ہاتھوں میں ہے اور عوام اپنی آزادی کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہیں' البتہ اس بات کا اعادہ ضروری سمجھتا ہوں کہ دفاعِ وطن صرف مسلح افواج کی ذمہ داری نہیں ہوتی، جدید دور میں پوری قوم اس میں شریک ہوتی ہے۔ بے شک سرحدوں پر دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے اور اس کی توپ و تفنگ کا سامنا کرنے کے لئے پیشہ ور افواج موجود ہوتی ہیں، لیکن ان کی صحیح طاقت ان کے عوام ہوتے ہیں جن کی حمایت اور پشت پناہی میدانِ جنگ میں کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔ عوام کو دفاعِ وطن میں شریک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں عسکری تربیت دی جائے، فوجی تربیت کا دائرہ تعلیمی درس گاہوں سے بڑھا کر زندگی کے تمام شعبوں تک پھیلایا جائے، نرسنگ، ہلال احمر اور شہری دفاع جیسے اداروں کو تقویت دی جائے اور انہیں موثر بنایا جائے تاکہ جب بھی خدانخواستہ ملک پر کڑا وقت آئے، پوری قوم مادرِ وطن کے دفاع میں شریک ہو سکے۔ دفاعِ وطن میں شرکت سے بڑھ کر عزت اور سعادت کیا ہو گی۔

میں اس تقریب میں جس بات کو موضوعِ گفتگو بنانا چاہتا ہوں، وہ ملک کی اندرونی حالت ہے۔ میرا یہ پختہ یقین ہے کہ خارجی خدشات کا حل ہمارے اندرونی اتحاد میں ہے، اس لئے ہماری صفوں میں کسی قسم کی کمی اور ہماری سوچ میں کسی قسم کی الجھن پیدا نہیں ہونی چاہیئے۔ موجودہ حالات کے مطابق بعض باتیں اس الجھن کا باعث ہیں۔ ایک سیاسی اور غیر یقینی اور دوسرے بعض طبقوں کے نقطۂ نظر سے اسلام کی طرف ضرورت سے زیادہ جھکاؤ۔ آیئے، پہلے ہم اسلام کی بات کریں۔

میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ کراچی اور دوسرے بڑے شہروں کے بعض دانشور اپنی تحریروں اور نجی تقریروں میں پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ پاکستان کی

بنیاد اسلام نہیں سیکولرازم یعنی لادینیت ہے۔ اس کی تخلیق کا مقصد نظامِ اسلام کا نفاذ نہیں، معاشی ضروریات کی تکمیل تھا۔ ان کے خیال میں اس طویل اور عظیم جدوجہد کا محرک صرف چند دنیاوی اور مادی مقاصد کا حصول تھا۔ اسے ان کے نظریے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنا، نعوذ باللہ! تحریکِ پاکستان کی روح کے منافی ہے۔ اس زہریلے پروپیگنڈے کی انتہا تو یہ ہے کہ وہ اپنے مفلوج طرزِ استدلال کی تائید میں بانیٔ پاکستان، حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کا نامِ نامی بھی ملوّث کر رہے ہیں۔

ایسے لوگوں سے نپٹنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ان عناصر کو فوراً گرفتار کر لیا جائے، ان کی تحریروں پر پابندی لگا دی جائے اور ان کی مطبوعات کو نذرِ آتش کر دیا جائے۔ میرے خیال میں یہ طریقۂ کار بظاہر آسان لیکن درحقیقت کوتاہ اندیشی کا آئینہ دار ہوگا اور فتنے کو جڑ سے اکھاڑنے کی بجائے اسے وقتی طور پر دبا دینے کے مترادف ہوگا۔

میرے خیال میں دوسرا بہتر اور مثبت طریقہ یہ ہے کہ نظریات کا مقابلہ نظریاتی سطح پر کیا جائے، دلیل کا جواب دلیل سے دیا جائے اور غلط تاریخی حوالے کو مستند تاریخی حوالے سے رد کیا جائے تاکہ لوگوں کے ذہن صاف ہو سکیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ نظریۂ پاکستان کے مخالفین کو ڈرا دھکا کر زیرِ زمین سرگرمیوں کی راہ نہ دکھائی جائے۔ ماشاء اللہ اندرونِ ملک ایسے بہت سے مصنّف، مفکر اور دانشور موجود ہیں جو پاکستان کی اسلامی نظریاتی بنیاد کا موثر طور پر دفاع کر سکتے ہیں اور اس گمراہ کن پروپیگنڈے کا دندان شکن جواب دے سکتے ہیں اور اس وقت بھی بہت سے لوگ اپنے طور پر اس جہاد میں مصروف ہیں۔

میں سب سے پہلے اسی موضوع پر اظہارِ خیال کرنا چاہتا ہوں۔ میری باتیں اتنی مدلّل اور عالمانہ تو نہیں ہوں گی لیکن ان سے کم از کم مجھے یہ احساس تو ہوگا کہ میں نے بھی اس نظریاتی جنگ میں حصّہ لیا ہے اور ملک کی نظریاتی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں کچھ خدمت انجام دی ہے۔

تحریکِ پاکستان سے بہت پہلے برِّصغیر میں اٹھنے والی آزادی کی لہروں کا مطالعہ کریں تو ان میں بھی ایک ایسی ہلکی سی مگر الگ لہر نظر آتی ہے جس کا تعلق دینِ اسلام سے تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی شروع ہوئی تو اس کا عَلَم مسلمان سپاہیوں کے ہاتھ میں تھا۔ اس تحریک کو کچلنے کے بعد انگریزوں نے انتقامی کارروائی کا آغاز کیا تو ان کا ہاتھ سب سے پہلے مسلمانوں کی گردن پر پڑا۔ مسلمانوں کو جس طرح انتقام کی چکّی میں پیس کر معاشرے میں ذلیل و خوار کیا گیا، اس کی وجہ بھی ان کا دین تھا۔ جب سر سید احمد خان نے علی گڑھ میں پہلے مسلم کالج کا سنگِ بنیاد رکھا تو ان کے پیشِ نظر بھی مسلمانوں کی تعلیم و ترقی تھی اور جب ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم کی گئی تو اس کے نام کے ساتھ بھی مسلم کا لفظ نہایت واضح تھا۔

یہ بات سب کے علم میں ہے کہ ان دنوں بھی قائداعظم محمد علی جناح سیاست میں تھے اور تحریکِ آزادی میں پیش پیش تھے، مگر ان کا پلیٹ فارم بالکل علیحدہ تھا۔ وہ کانگریس کے ممبر تھے جو سیکولر سیاست پر یقین رکھتی تھی لہٰذا ہمارے لئے اس وقت وہ صرف مسٹر جناح ہی تھے، لیکن جب وہ کانگریس کے عزائم کو بھانپتے ہوئے مسلم لیگ میں شامل ہوئے تو گویا انہوں نے کانگریسی سیاست کو رد کرکے مسلم لیگ کے اندازِ فکر کو اپنایا اور بالآخر مسلمانوں کے محبوب لیڈر بنے اور قائداعظم کہلائے۔

غور طلب نکتہ یہ ہے کہ قائداعظم نے جب اپنا سیاسی پلیٹ فارم بدلا تو انہوں

نے مسلم لیگ پر کانگریسی سیاست یا سیکولر اندازِ فکر مسلّط کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ انہوں نے مسلم لیگ کے مسلم قومیّت کے تصوّر کو اپنایا اور اسی محاذ سے آزادی کی جدوجہد جاری رکھی۔

پھر قرار دادِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ آج بھی پاکستان میں ایسے ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ موجود ہیں جنہوں نے قائدِ اعظم کو مقاصدِ پاکستان کی تشریح کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا۔ انہیں یاد ہوگا کہ دسمبر ۱۹۴۳ء میں اسی شہر کراچی میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظم نے پہلے یہ سوال اٹھایا کہ

" وہ کونسا مذہب ہے جس سے منسلک ہونے کے بعد مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہو جاتے ہیں۔ وہ کونسی چٹان ہے جس پر اُن کی ملّت کی عمارت استوار ہے۔ وہ کونسا لنگر ہے جس سے اس امّت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے۔"

پھر خود ہی جواب دیتے ہوئے فرمایا:

" وہ دین، وہ رشتہ، وہ چٹان اور وہ لنگر خدا کی عظیم کتاب قرآن مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی۔"

تحریکِ پاکستان کے کارکنوں کو یہ بھی یاد ہوگا کہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے اُن سے کوئی پیغام دینے کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا:

" تم نے مجھے پیغام دینے کو کہا، میں تمہیں کیا پیغام دوں، جب کہ ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم پیغام موجود ہے جو ہماری راہنمائی اور بصیرت کے لئے کافی ہے۔ وہ پیغام ہے خدا کی عظیم کتاب "قرآنِ حکیم"۔"

قائدِ اعظم کے ایسے سینکڑوں ارشادات ہیں جو اس بات کی تائید میں دُہرائے جا سکتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی وحدت کا سرچشمہ صرف اور صرف اسلام کو سمجھتے تھے اور اسی وحدت اور یک جہتی کے سہارے مسلمانوں کو آزادی کی منزل تک لے جانا چاہتے تھے۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات تو تسلیم ہے، لیکن اس سے یہ کہاں واضح ہوتا ہے کہ وہ دین اسلام کو زندگی کے ہر شعبے میں جاری وساری دیکھنا چاہتے تھے۔ اس موضوع پر بھی قائدِ اعظم نے نہایت صاف الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ میں طوالت کے ڈر سے صرف ایک یادو اقتباسات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے ۱۹۴۵ء میں ملّت کے نام پیغامِ عید دیتے ہوئے فرمایا:

"اس حقیقت سے جاہلوں کے سوا ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا بنیادی ضابطۂ حیات ہے، جو معاشرت، مذہب، تجارت، عدالت، دفاع اور دیوانی اور فوجداری تعزیرات کے ضابطوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ مذہبی تقاریب ہوں یا روزمرّہ کے معمولات، روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا، اجتماعی حقوق کا سوال ہو یا انفرادی واجبات کا، عام اخلاقیات ہوں یا جرائم، دنیاوی سزا کا سوال ہو یا آخرت کی گرفت کا، ان سب کے لئے اس میں قوانین موجود ہیں۔"

آپ اجازت دیں تو اس سلسلے میں صرف ایک اور حوالہ دیتا چلوں۔ یہ حوالہ قائدِ اعظم کے ایک خط سے ہے جو انہوں نے یکم جنوری ۱۹۴۰ء کو مسٹر گاندھی کو لکھا تھا۔ اس میں انہوں نے کہا تھا:

"آج آپ اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں کہ قومیت کی تشکیل میں

مذہب ایک بہت بڑا عنصر ہے، لیکن جب خود آپ سے سوال کیا گیا تھا کہ زندگی میں آپ کا مقصود کیا ہے اور وہ کونسی قوّت ہے جو ہمیں عمل پر آمادہ کرتی ہے۔ آیا وہ مذہب ہے یا سیاست یا عمرانی اِصلاح Social Reforms تو آپ نے کہا تھا کہ وہ خالص مذہبی جذبہ ہے۔

آپ تمدّنی، معاشی، سیاسی اور خالص مذہبی امور کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر ہی نہیں سکتے۔ جس مذہب کو انسانی معاملات سے واسطہ نہیں، میں اسے مذہب نہیں مانتا۔ مذہب انسان کے ہر معاملے میں اخلاقی بنیاد مہیا کرتا ہے۔ اگر مذہب نہ ہو تو انسانی اعمال اس بنیاد سے محروم رہ جاتے ہیں اور جب زندگی اس بنیاد سے محروم رہ جائے تو وہ انسانی زندگی نہیں، محض ہنگامہ آرائی رہ جاتی ہے جس میں شور و غوغا تو بہت ہوتا ہے، لیکن مقصد کچھ نہیں ہوتا۔"

خواتین و حضرات! ان واضح تاریخی حقائق کے باوجود مملکتِ پاکستان کے بنیادی مقاصد کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرنا نرم ترین الفاظ میں تاریخ سے بے وفائی ہے۔ دینِ اسلام کو قیامِ پاکستان سے علیحٰدہ کرنے کا مطلب قیامِ پاکستان کی نفی کرنا ہے۔ یہ تو ہمارے مخالفوں کا استدلال تھا کہ مذہب کو ایک علیحٰدہ خانے میں بند کر دو تو تحریکِ پاکستان کی روح خود بخود قبض ہو جائے گی۔

گویا آج یہ کہنا کہ دینِ اسلام ہماری قومیت کی بنیاد نہیں، قیامِ پاکستان کے دشمنوں کی ہم نوائی کرنے کے مترادف ہے اور جو لوگ قیامِ پاکستان کے آج بھی قائل نہیں، انہیں اس کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے کا بھی کوئی حق نہیں۔ میں یہ بات دو ٹوک انداز میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جہاں تک حکومت اور عوام کا تعلق ہے، دونوں پاکستان

اور اسلام کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں اور اس بات کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتے کہ یہاں کسی اور ازم کے حق میں سبکدوش ہو جائیں اور اُسے صرف انہی کی پناہ گاہ رہنے دیں جو اس کے وجود پر یقین نہیں رکھتے ہیں کہ پیوند کاری کی جائے۔

خواتین و حضرات! ابھی تک میں نے صرف قیامِ پاکستان تک کی تاریخ بتائی ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کی تاریخ ابھی باقی ہے۔

ہم نے تاریخ پاکستان کو جہاں تک سمجھا ہے، ہمارے دل میں ذرہ برابر شک نہیں کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا یا کسی اور مادی فائدے کے حصول کے لیئے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے اسلام کے نام پر تحریکِ آزادی میں حصہ لیا تھا، قائدِ اعظم نے اسلام کو مسلم قومیت کی بنیاد بنا کر سیاسی جنگ جیتی تھی اور لاکھوں مہاجرین نے اسلام کے نام پر اپنا گھر بار چھوڑا تھا۔ آج جو لوگ پاکستان کا رشتہ سیکولرازم سے ملانے کی کوشش کرتے ہیں، کیا وہ ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء میں جن لاکھوں مسلمانوں کا خون بہا، وہ اسلام کے نام پر قربانی نہیں تھی۔ جن مسلمانوں نے اپنے آباؤ اجداد کی قبریں چھوڑ کر نئے وطن کی طرف ہجرت کی، ان کے پیش نظر کوئی دنیاوی لالچ تھا۔ جن مسلمانوں نے لاکھوں کی جائداد کو ٹھکرا کر مسافرت اختیار کی کیا وہ روٹی، کپڑے یا مکان کی تلاش میں نکلے تھے۔ اب اجازت دیجئے تو میں اس مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والوں سے یہ سوال پوچھوں کہ وہ مسلمانوں کی عظمت اور جذبۂ ایثار کا یہی معیار رکھتے ہیں کہ انہیں جہاں بہتر معاشی حالات ملنے کی اُمید دلائی جائے، وہ ہر شے چھوڑ کر وہاں چلے جاتے ہیں۔ کیا وہ مسلمانوں کو اتنا ہی حقیر سمجھتے ہیں کہ مادی فوائد کا لالچ انہیں اپنا وطن، اپنا گھر بار، اپنے والدین کی قبریں اور اپنے بچپن کی گلیاں چھوڑنے پر مجبور کر سکتا ہے؟ میرے خیال میں برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ اس سے بڑا مذاق، اور تکلیف دہ مذاق، کوئی اور نہ ہوگا کہ ان کی

عظیم قربانیوں سے بھرپور تحریکِ آزادی کو معاشی فوائد تک محدود کر دیا جائے۔ اس موضوع پر بہت بحث ہو چکی ہے۔ امید تو یہ تھی کہ ۱۹۴۷ء کے بعد یہ بحث ختم ہو جائے گی، لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا اور آج ۳۲ برس بعد بھی ہم اس بحث میں پڑے ہیں کہ پاکستان کی بنیاد کیا ہے۔ میری اپنی سوچ کے مطابق جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے، اسلام اور پاکستان کا رشتہ لازم و ملزوم کا رشتہ ہے۔ میری سوچ میں نہ صرف ماضی بعید کے واقعات شامل ہیں بلکہ حالیہ مشاہدات بھی اس کی تائید کرتے ہیں، لیکن ممکن ہے میرا اندازِ فکر غلط ہو، جس طرح میں ان عناصر کے اندازِ فکر کو گمراہ کن سمجھتا ہوں جو اسلام سے پاکستان کو بے تعلق کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ پاکستان کے آٹھ کروڑ عوام کی کیا سوچ ہے۔ میرے خیال میں اس معاملے کو مزید زیرِ بحث لانا بے کار ہے۔ پاکستان کے عوام سے پوچھا جا سکتا ہے کہ انہوں نے پاکستان اسلام کے نام پر بنایا تھا یا بسکٹ اور کیک کے لالچ میں۔ انہوں نے اسلام کے نام پر ہجرت کی تھی یا بنگلوں اور حویلیوں کے لالچ میں؟ انہوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں دی تھیں یا ذاتی مفاد کے لئے، یہ ملک دین کی آزادی کے لئے حاصل کیا گیا تھا یا دنیاوی مفادات کے لئے۔

میں غیب داں نہیں، لیکن واللہ آپ عوام کے سامنے پاکستان کو اسلام سے الگ کرنے کا نام لے کر دیکھئے۔ اگر وہ آپ کے انٹلیکچوئل ازم Intellectualism کے ساتھ ساتھ آپ کی بھی دھجیاں نہ اڑا دیں تو میرا نام ضیاء الحق نہیں اور اس کا مظاہرہ وہ کئی بار کر چکے ہیں۔ ۱۹۷۷ء کے ولولہ انگیز مظاہروں کی یاد ابھی ہمارے ذہنوں میں تازہ ہے۔ میرے خیال میں پاکستان اور اسلام کے لازم و ملزوم ہونے کی اس سے بہتر دلیل نہیں ہو سکتی۔

خواتین وحضرات! آج کی تقریر کا آخری نکتہ یہ ہے کہ اگر عوام پاکستان کا مطلب لا الٰہ الا اللہ سمجھتے ہیں اور یہاں مکمل نظامِ اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ اسلامی نظامِ حیات پر مبنی اسلامی مملکت میں سیاست کے خدوخال کیا ہونے چاہئیں؟ کیا یہاں کی سیاست کا نقشہ وہی ہونا چاہیئے جو غیر اسلامی ممالک میں رائج ہے یا اس کا ڈھانچہ مختلف ہونا چاہیئے۔ کیا اسلام یہ کہتا ہے کہ سادہ لوح عوام کو چند افراد کے رحم و کرم پر چھوڑ دو کہ وہ اپنی خطابت، دولت یا غنڈہ گردی کے زور پر ان کے ووٹ حاصل کر لیں اور پھر اگلے الیکشن تک منہ نہ دکھائیں؟ کیا اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ کوئی جماعت یا فرد حسین وعدوں کی تکرار سے مغربی تصوّر کے مطابق عوام کا اعتماد حاصل کرے اور ایوانِ اقتدار میں پہنچتے ہی اس اعتماد کو ٹھیس پہنچانا شروع کر دے۔ پھر عوام کو اسے اقتدار سے علیحدہ کرنے کے لئے ایک اور تحریک چلانی پڑے۔ ملک میں ایک بار پھر انتشار پھیلے اور ایک بار پھر مارشل لا ناگزیر ہو جائے۔

کراچی کے سیاسی شعور رکھنے والے شہریوں کی وساطت سے میں تمام اہلِ وطن سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ٹھنڈے دل سے ان سوالوں پر غور کریں اور سوچیں کہ کیا ہمیں ماضی کی غلطیوں کو دہرانا چاہیئے یا ان سے سبق سیکھنا چاہیئے۔ اگر ان کی رائے میں سبق سیکھنا ضروری ہے تو ماضی کے تجربوں کا کیا سبق ہے اور ہم اسے کس طرح اپنا مستقبل بہتر بنانے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔

میں نے بھی ان سوالات پر غور کیا ہے اور چند نتائج تک پہنچا ہوں۔ معلوم نہیں میرے اخذ کردہ نتائج کہاں تک صحیح ہیں، لیکن میں انہیں آپ سے پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا۔

پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں ہر وقت الیکشن، الیکشن کی رٹ نہیں لگانا چاہیئے، الیکشن کوئی جنّت کا میوہ نہیں جس پر ہر وقت ہماری نظریں لگی رہیں۔ الیکشن ایک اعلیٰ ترین مقصد کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اگر الیکشن سے یہ مقصد حاصل ہونے کی بجائے الٹا ملک کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ہمیں اس عیاشی میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک حالات ایسے ہیں کہ موجودہ وقت میں انتخابات کروانا قومی خودکشی کے مترادف ہوگا۔ آج کل ہمارے گردوپیش کئی طاقتیں اس تاک میں ہیں کہ جونہی موقع ملے، وہ رقم کے زور پر اور اپنے ایجنٹوں کی مدد سے یہاں ایسی صورتِ حال پیدا کردیں کہ ان کی پسند کے عناصر اقتدار میں آکر من مانی کرسکیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں ایسے افراد کی کمی نہیں جو غیر ملکی ٹینکوں یا غیر ملکی دولت کے سہارے اقتدار میں آنے اور ملک کو اپنے آقاؤں کے پاس گروی رکھنے کو تیار ہیں۔ میں آپ کو واضح الفاظ میں بتانا چاہتا ہوں کہ جب تک میرے دَم میں دَم ہے، میں اور میرے رفقاء ہرگز، ہرگز وطنِ عزیز کو ملک دشمن عناصر کے ہاتھوں میں نہیں جانے دیں گے۔ ہم ہرگز ایوانِ اقتدار میں کسی غیر ملکی ایجنٹ کو داخل نہیں ہونے دیں گے۔ ہم ہرگز کوئی ایسا اقدام نہیں کریں گے جس سے ملک تباہی کے گڑھے میں جا گرے۔

میں مانتا ہوں الیکشن ہونے چاہئیں، عوام کو اپنی مرضی کے نمائندے منتخب کرنے کا موقع ملنا چاہیئے۔ اور انشاء اللہ ملے گا، لیکن فی الحال نہیں۔ اس کے لئے مناسب وقت کا انتظار کرنا ہوگا، ملکی اور غیر ملکی فضا دیکھنا ہوگی اور اس بات کی احتیاط کرنا ہوگی کہ الیکشن کا چاؤ پورا کرتے کرتے کہیں ہم قومی خودکشی نہ کر بیٹھیں۔

میں نے گزشتہ تین سالوں میں ملک کے لئے موزوں سیاسی نظام پر کئی بار غور کیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:۔

۱۔ عوام میں سیاسی شعور اتنا بیدار ہو چکا ہے کہ وہ اپنے ووٹ کو بہت قیمتی سمجھتے ہیں۔ وہ اس کی سیاسی یا جمہوری وقعت نہیں تو کم از کم دنیاوی اہمیت ضرور سمجھتے ہیں۔ لہٰذا انہیں بالغ رائے دہی کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ مغربی ممالک سے طویل رابطے کے بعد نمائندہ حکومت قائم کرنے کا مقبول اور معروف طریقہ انتخابات کو سمجھا جاتا ہے۔ ہم اسے بھی بدل نہیں سکتے البتہ امیدواروں کے لئے چند بنیادی شرائط وضع کر سکتے ہیں تاکہ بدنام اور بددیانت قسم کے لوگ عوام کی تائید کا لبادہ پہن کر ملک کی قسمت کے مالک نہ بن بیٹھیں۔

۳۔ تیسرے یہ کہ "اچھی حکومت" کی خواہش رکھنے والے عوام "اچھی حکومت" بنانے کا یہی طریقہ جانتے ہیں کہ الیکشن کرائے جائیں، لیکن اگر عوام کے سامنے "اچھی حکومت" اور "نمائندہ حکومت" یعنی Good Government اور Representative Government کا انتخاب رکھا جائے تو وہ "اچھی حکومت" یا Good Government کو ترجیح دیں گے۔ اگر نمائندہ حکومت "اچھی حکومت" بھی ثابت ہو یا "اچھی حکومت" "نمائندہ حکومت" بھی ہو پھر تو کوئی مسئلہ نہیں بلکہ یہ آئیڈیل صورت ہوگی۔ لیکن ہم نے دیکھا ہے کہ چند سال پہلے جو حکومت نمائندہ حکومت ہونے کی دعویدار تھی، اس کے کرتوت اچھے نہ تھے۔ سیاسی قتل و غارت اس کا روزمرّہ کا معمول تھا۔ مخالفین کی بہنیں اور بیویاں اٹھوانا اور دہشت کے زور پر اقتدار قائم رکھنا اس کا نمایاں وصف تھا۔ دلائی کیمپ اور اذیت کے دوسرے مراکز چلانا اس کا قابل فخر کارنامہ تھا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس نے ملک کی نظریاتی بنیادیں کھوکھلی کر کے رکھ دیں۔ یہ میرا تبصرہ نہیں، عوام کا فیصلہ ہے۔ اگر وہ واقعی "اچھی حکومت"

یا Good Government ہوتی تو عوام اس کی بیخ کنی نہ کرتے اور اس کے زوال کے لئے یوں سینہ سپر نہ ہوتے۔

اپنے متعلق اپنے منہ سے کچھ کہنا تو نہیں چاہیئے لیکن دوسری طرح کی حکومت کی مثال موجودہ حکومت میں تلاش کی جاسکتی ہے جس نے گزشتہ تین سال میں ملک میں شرافت اور نیکی کا ماحول پیدا کیا ہے، سیاسی قتل و غارت کو ختم کیا ہے، دہشت اور غنڈہ گردی کو سرکاری سرپرستی سے محروم کیا ہے، زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ کیا ہے، ملکی معیشت کو صحت مند بنیادوں پر استوار کیا ہے، عوام کی امنگوں کے مطابق ملک کے اندر نفاذِ اسلام کا آغاز کیا ہے اور بیرونِ ملک پاکستان کا وقار بلند کیا ہے۔ لیکن یہ پھر بھی "غیر نمائندہ" حکومت ہے۔ یعنی اس کو اگر تھوڑے سے رعایتی نمبر دے کر سابقہ حکومت کے مقابلے میں Good Government کا سرٹیفکیٹ دے بھی دیا جائے تو یہ Representative Government نہیں ہو گی، غیر نمائندہ ہی رہے گی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ موجودہ حکومت کو قبول کر لیجئے اور اسے نمائندہ حکومت کی حیثیت دیجئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ موجودہ حکومت بہترین حکومت ہے، اس لئے کسی اور حکومت کی تمنا چھوڑ دیجئے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ چونکہ ہم نے ملک و قوم کی کچھ خدمت کی ہے، اس لئے حکومت کرنے کا ہمیں ہی حق حاصل ہے ہرگز نہیں۔ میری صرف یہ گزارش ہے کہ ملکی اور غیر ملکی حالات کا احساس کیجئے۔ فی الحال الیکشن اور نمائندہ حکومت کو بھول جائیے اور موجودہ حکومت کو مزید کچھ عرصے کے لئے برداشت کیجئے تاکہ ہم نے نفاذِ اسلام کا جو کام شروع کر رکھا ہے، اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

مجھے اور میرے رفقاء کو اس بات کا اچھی طرح احساس ہے کہ اگر موجودہ حکومت

کا مزید کچھ عرصے کے لیے برسرِ اقتدار رہنا ضروری ہے تو کم از کم یہ اہتمام ضرور کر لیا جائے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اقتدار میں شریک کیا جائے گزشتہ چند مہینوں سے ہم اس پر کام کر رہے ہیں۔ جونہی ہم کسی منزل پر پہنچے، نتائج آپ کے سامنے آجائیں گے۔ اس لئے میرا یہ کہنا بے معنی ہوگا کہ عنقریب وفاقی کابینہ میں توسیع کی جائے گی یا وفاقی کونسل بنائی جائے گی کیونکہ یہ باتیں تو میں گزشتہ کئی مہینوں سے کہہ رہا ہوں۔ اب میں ان اقدامات کا ذکر نہیں کروں گا۔ جب سب کچھ طے ہو جائیگا، خود ہی آپ کے سامنے آجائے گا۔ اس ساری Exercise کا مقصد صرف حکومت کی موجودہ بنیاد کو وسعت دینا اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو شریکِ اقتدار کرنا ہے۔ یہ نظام ایک عارضی نظام ہوگا۔ یہ الیکشن کا نعم البدل نہیں بلکہ انشاءاللہ اس کا پیش خیمہ ہوگا اور ہماری کوشش ہوگی کہ ہم ایک مناسب طریقِ کار کے مطابق ایسے افراد کو اقتدار سونپ کر جائیں جو کردار اور اعتقاد کے لحاظ سے صالح ہوں، جو ملک کی نظریاتی اساس کے وفادار ہوں اور نفاذِ اسلام کے کام کو مکمل اور مستحکم بنانے کی لگن رکھتے ہوں اور وہ ایسے طریقے سے آئے ہوں کہ وہ "نمائندہ افراد" بھی کہلا سکیں۔ دوسرے لفظوں میں اُن میں "اچھی حکومت" اور "نمائندہ حکومت" دونوں کی خوبیاں موجود ہوں۔

میں ایک بار پھر اہلِ کراچی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس شاندار تقریب میں مدعو کیا اور ملکی حالات کے بارے میں اپنے خیالات آپ تک پہنچانے کا موقع دیا۔ میں تمام خواتین و حضرات کا فرداً فرداً ممنون ہوں کہ انہوں نے میری طویل تقریر کو بڑے غور سے سُنا۔

(پاکستان پائندہ باد)

مؤتمر عالم اسلامی کے اعزاز میں دیئے گئے استقبالیے کے موقع پر خطاب

کراچی : ۲۶ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

۲۶ اکتوبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے کراچی میں موتمر عالم اسلامی کے اعزاز میں دی گئی ایک دعوتِ استقبالیہ میں شرکت کی۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ نصف صدی سے موتمر عالم اسلام میں اتحاد و اتفاق کی جو مخلصانہ کوشش کر رہی ہے ان کی تکمیل کا وقت قریب آ رہا ہے۔ صدر نے کہا کہ ہم موتمر کے کام کی حمایت کرتے ہیں۔ صدر نے عالم اسلام کی کامیابیوں پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ جن شعبوں میں کچھ کمی ہے وہ بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے مغربی طاقتوں سے سیاسی آزادی کے حصول کے باوجود معاشی لحاظ سے انہی پر مسلسل انحصار، عملی زندگی میں غیر اسلامی اقدار کی چھاپ اور مسلمان ملکوں کے مابین خونریزی کے واقعات کا ذکر کیا۔ انہوں نے پاکستان میں نفاذِ اسلام کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ اس سمت پیش رفت کی رفتار سست ہے، تاہم ہمارے خلوص میں کوئی کمی نہیں۔ ہم اس کام کو آگے بڑھانے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا کر دم لیں گے۔

صدر نے کہا کہ پاکستان عالم اسلام کو درپیش تمام مسائل میں دلچسپی رکھتا ہے

اور بین الاقوامی سطح پر ہر اس اجتماع، کانفرنس یا کانگرس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے جو عالم اسلام کو درپیش مسائل کے سلسلے میں منعقد ہو۔ صدر نے ایران عراق جنگ پر گہرے دکھ کا اظہار کیا اور ان کوششوں کا ذکر کیا جو اس برادر کشی کو ختم کرانے کے لئے کی جا رہی ہیں آانہوں نے کہا کہ اگرچہ فوری جنگ بندی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، تاہم قوی اُمید کی جا سکتی ہے کہ بحالی امن کی کوششیں بار آور ہوں گی۔ انہوں نے کہا کہ آج عالم اسلام جس نازک دور سے گزر رہا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلم ممالک اپنے اختلافات کو فراموش کر کے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ انہوں نے دعا کی کہ موتمر نے مسلمان ممالک کو قریب تر لانے کا جو بیڑہ اٹھایا ہے اللہ اسے اس کوشش میں کامیاب کرے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ۔

صوبۂ سندھ کے گورنر، جنرل عباسی صاحب،
موتمر عالمِ اسلامی کے سیکرٹری جنرل، ڈاکٹر انعام اللہ خان صاحب
اور
معزّز حاضرین!

السّلام علیکم۔ میرے لئے یہ بڑے فخر اور خوشی کا مقام ہے کہ میں آج ایک ایسی تنظیم کے ارکان سے مخاطب ہوں جو گزشتہ نصف صدی سے عالمِ اسلام میں اتحاد و اتفاق کے لئے مخلصانہ کوششیں کر رہی ہے۔ ۱۹۲۶ء میں جب یہ تنظیم وجود میں آئی تو اس وقت زیادہ تر مسلمان یا تو کسی سامراجی طاقت کے زیرِ تسلّط تھے یا کسی نہ کسی بڑی طاقت کے زیرِ اثر تھے۔ ایسی فضا میں جب موتمر عالمِ اسلامی نے مفتیٔ اعظم جناب امین الحسینی، مولانا محمد علی جوہر، علاّمہ محمد اقبال اور ایسے ہی دوسرے پُرخلوص رہنماؤں کی قیادت میں اپنے کام کا آغاز کیا تو اس سے

بیشک ان بزرگوں کی دور اندیشی اور سیاسی بصیرت کا تو اندازہ ہوتا تھا لیکن موتمر کا کام ایک خواب کو حقیقت بنانے کی کوشش معلوم ہوتا تھا۔ ہم نے پچھلے چالیس پچاس برسوں میں بہت سے خوابوں کو حقیقت کا روپ دھارتے دیکھا ہے۔ خود پاکستان کا قیام اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ بیشک موتمر کا خواب بھی حقیقت کے قریب آرہا ہے۔

پاکستان نے شروع ہی سے موتمرِ عالم اسلامی کے بنیادی مشن کا ساتھ دیا ہے اور مسلمان ممالک کے درمیان اتحاد اور تعاون کی فضا کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔ ہم موتمر کے کام کی تائید اور حمایت کرتے ہیں اور آج کی تقریب میں میری شرکت بھی پاکستان کی اسی پالیسی کا ایک اظہار ہے۔

موتمر عالم اسلامی کی یہ تقریب اس لحاظ سے بھی بہت اہم ہے کہ یہ دو صدیوں کے سنگم پر منعقد ہو رہی ہے۔ چودھویں صدی ہجری آئندہ دس پندرہ روز میں اپنی بساط لپیٹنے کو ہے اور پندرھویں صدی ہجری کا آغاز ہونے والا ہے۔ اس لحاظ سے آج کی تقریب خود احتسابی کا بھی ایک اچھا موقع ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ہم نے ایک ملّت کے طور پر گزشتہ ایک صدی میں کیا کھویا اور کیا پایا ہے۔ میرے خیال میں ہم نے اس صدی میں سیاسی آزادی پائی ہے۔ کئی مسلمان ملکوں کو دنیا کے نقشے پر ابھرتے دیکھا ہے اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد کا شعور پیدا ہوتے دیکھا ہے۔ ہمیں ان کامیابیوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور دعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہمیں صحیح معنوں میں مسلمان بننے اور باہمی اتحاد کو فروغ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

جن شعبوں میں ہنوز کچھ کمی ہے، وہ بھی بہت اہم ہیں۔ مثلاً ہم نے سامراجی

طاقتوں سے سیاسی آزادی تو حاصل کی ہے، لیکن معاشی لحاظ سے اب بھی ان پر انحصار کرتے ہیں۔ ہم اسلامی اقدار کا ذکر تو کرتے ہیں، لیکن ہماری عملی زندگی پر اب بھی بعض غیر اسلامی اقدار کی چھاپ موجود ہے۔ ہم عالمِ اسلام کے اتحاد کی باتیں تو کرتے ہیں، لیکن آپس میں خونریزی سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ہمیں چاہیئے کہ اپنی کامیابیوں پر اظہارِ اطمینان کے ساتھ ان خامیوں کو بھی دور کرنے کی کوشش کریں۔

میں نے عالمِ اسلام کے متعلق جو باتیں کہی ہیں، ان کا اطلاق پاکستان پر بھی ہوتا ہے، یعنی پاکستان نے بھی بعض میدانوں میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں اور بعض شعبوں میں ابھی بہت پیچھے ہے۔ جس میدان میں ہم سے بنیادی غلطی ہوئی ہے، وہ پاکستان کے بنیادی نظریے یعنی نظریۂ اسلام کی طرف ہمارا رویّہ ہے۔ ہم نے اس طاقتور نظریے کے زور پر آزادی تو حاصل کر لی، لیکن افسوس کہ یہ خطۂ زمین حاصل کرنے کے بعد سُست روی کا شکار ہو گئے جس کا ہمیں خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔ مقامِ شکر ہے کہ ایک ٹھوکر کے بعد قوم کو ہوش آگیا ہے اور اس نے پچھلے تین برسوں میں اپنا قبلہ سیدھا کر لیا ہے۔ اس کا اسے ایک انعام یہ ملا ہے کہ پاکستان کو نوّے کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کا شرف حاصل ہوا ہے جس پر پاکستان کا ہر شہری بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہمارا اپنا قبلہ درست نہ ہوتا اور ہم گزشتہ تین سالوں میں نفاذِ اسلام کی مخلصانہ کوششیں نہ کرتے تو یہ اعزاز پاکستان کو کبھی نصیب نہ ہوتا۔

اس سلسلے میں آپ نے میری ذاتی کوششوں کو بھی سراہا ہے اور میرے متعلق کلماتِ خیر کہے ہیں جن کے لئے میں آپ کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں،

لیکن در حقیقت دیکھا جائے تو میں نے صرف ترجمانی کا فرض ادا کیا ہے یعنی میں نے صرف آپ کے اور عالمِ اسلام کے جذبات کو زبان دی ہے، کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ اگر میری یہ ادنیٰ سی خدمت آپ کو پسند آئی ہے تو میں اسے آپ کی فیاضی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے منسوب کرتا ہوں۔

یہ گرانمایہ اعزاز ہمیں ایک لمحۂ فکریہ بھی عطا کرتا ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ اس اعزاز کے لئے نظرِ انتخاب پاکستان پر کیوں پڑی؟ حالانکہ دنیا میں اس وقت چالیس سے زائد چھوٹے بڑے آزاد اسلامی ممالک موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی آبادی کے لحاظ سے پاکستان پر سبقت رکھتا ہے اور کوئی مالی لحاظ سے زیادہ طاقتور ہے اور بین الاقوامی میدان میں تقریباً سبھی اسلامی ممالک کی ساکھ ہے۔ اس کے باوجود اگر پاکستان کو یہ اعزاز دیا گیا ہے تو اس کی ایک اور صرف ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ پاکستان کے عوام نے اپنے اسلامی تشخص کو محسوس کر لیا ہے اور اس بات کو اپنا نصب العین یا نظریۂ حیات بنا لیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کو نافذ کر کے رہیں گے۔ حکومت عوام کی ان خواہشات کا نہ صرف پورا احساس رکھتی ہے بلکہ انہیں عملی جامہ پہنانے کی بھی کوشش کر رہی ہے۔

اگرچہ بعض لوگوں کی نظروں میں نفاذِ اسلام کی رفتار توقع سے کچھ سست ہے، لیکن یہ سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں جتنا کام گزشتہ تین سالوں میں ہوا ہے، پچھلے تیس برسوں میں نہیں ہوا۔ اگر ہماری رفتار کچھ کم رہی ہے تو اس کی وجہ ہماری نیت میں کوئی خلل یا ہمارے خلوص میں کوئی کمی نہیں، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس میدان میں پہلے کوئی ٹھوس یا قابلِ ذکر کام نہیں ہوا تھا جسے ہم بنیاد بنا کر فوراً اسلامی عمارت کی تعمیر شروع کر دیتے۔ ہمیں اس کے لئے نہ صرف اینٹیں اکٹھی کرنی پڑیں

بلکہ اینٹیں بنانے کے لئے مٹی ، پانی اور گارا بھی تلاش کرنا پڑا۔ اب ہم ابتدائی مشکلوں سے نکل چکے ہیں اور ہماری کوششوں کے نتائج سامنے آنے لگے ہیں۔ ہم ان کوششوں کو تیز تر کرنے کے لئے علماء اور مشائخ سے بھی راہنمائی حاصل کر رہے ہیں اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، حال ہی میں دو کنونشن اس سلسلے میں منعقد ہو چکے ہیں۔ ہم اس کام کو آگے بڑھانے اور پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا تہیّہ کئے ہوئے ہیں اور اسے انشاء اللہ پایۂ تکمیل تک پہنچا کر دم لیں گے۔

حاضرینِ کرام!

پاکستان اُمّتِ اسلامیہ کا ایک رکن ہونے کے ناطے تمام عالمِ اسلام کے مسائل سے دلچسپی رکھتا ہے۔ معاملہ بیت المقدس اور مقاماتِ مقدسہ کی بازیابی کا ہو یا افغانستان میں روسی فوجی مداخلت کا، ہندوستان کے مسلمانوں پر مظالم کی بات ہو یا فلپائن کی مسلمان اقلیّت کے تحفّظ کی، اسلامیانِ برما کی داستانِ الم ہو یا فلسطین کے محاذِ آزادی کی، پاکستان کسی طور پر بھی ان معاملات سے بیگانہ نہیں رہ سکتا۔ ہماری ماضی کی جدوجہد اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ہم ان تمام کانفرنسوں ، اجتماعوں اور کانگرسوں میں بھرپور حصہ لیتے رہے ہیں جو بین الاقوامی سطح پر کسی بھی اسلامی مسئلے کے حل و تائید کے سلسلہ میں منعقد ہوئی ہیں۔ لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ ایران اور عراق آپس میں برسرِپیکار ہیں۔ ہم اس جنگ کو جلد از جلد ختم ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں کوششیں بھی کر رہے ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہیں نے پچھلے دنوں جناب حبیب شطی سمیت اسلامی سیکرٹریٹ کے نمائندہ کی حیثیت سے ایران و عراق کا دورہ کیا اور دونوں حکومتوں کا نقطۂ نظر ایک دوسرے تک پہنچایا۔ بعد میں اسلامی وزرائے خارجہ نے نیویارک میں منعقدہ ایک ہنگامی اجلاس

میں یہ فیصلہ کیا کہ یہ مشن جاری رکھا جائے۔ چنانچہ سیکرٹری جنرل حبیب شطی صاحب ایک بار پھر بغداد اور تہران تشریف لے گئے۔ وہ پرسوں ہی مجھے اپنے دورے کے نتائج سے آگاہ کر کے واپس جدہ گئے ہیں۔ اگرچہ ان کوششوں سے فوری جنگ بندی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس سلسلے میں مفید پیشقدمی ہوئی ہے۔ ایران و عراق نہ صرف دوست ممالک کی بات سننے کے لئے تیار ہیں بلکہ مسلمان ممالک کے سربراہوں کے ایک وفد سے بھی بات چیت کرنے کو تیار ہیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ بجائے امن کی کوششیں بارآور ہوں گی۔

معزز حاضرین! آج عالم اسلام جس نازک دور سے گزر رہا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلمان اپنے اختلافات کو فراموش کر کے اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔ ملّتِ اسلامیہ کو اتحاد و اتفاق کی جتنی شدید ضرورت آج ہے، اس سے قبل شاید کبھی نہ تھی۔ اس اتحاد و اتفاق کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تمام مسلم ممالک اپنے ہاں اسلام کو مکمل طور پر نافذ کریں، اپنے بین الاقوامی تعلقات میں اسلام کو بنیاد بنائیں اور مسلمانوں کی اجتماعی بہبود کے لئے کام کریں۔ موتمرِ عالمِ اسلامی نے ان مقاصد کو آگے بڑھانے اور مسلمان ممالک کو قریب تر لانے کا جو بیڑہ اٹھایا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس میں کامیاب فرمائے۔ آمین!

آخر میں میں ایک بار پھر آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری پذیرائی کی اور میری گفتگو کو شرفِ سماعت بخشا۔

پاکستان پائندہ باد

حیدرآباد ڈویژن کے کونسلروں سے خطاب

حیدرآباد : ۲۶ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

۲۶ اکتوبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے حیدرآباد ڈویژن کے کونسلروں اور عمائدین سے خطاب کیا۔ انہوں نے کونسلروں پر زور دیا کہ وہ بلدیاتی نظام کو کامیاب بنائیں جو مستقبل کے متبادل نظام حکومت کی بنیاد ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت عام انتخابات کروانا قومی خودکشی کے مترادف ہوگا، اس لئے انتخابات نہیں کرائے جا سکتے، تاہم حکومت ایک نیا متبادل نظام دے رہی ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہوگا اور بلدیاتی نظام نے اس متبادل نظام کے لئے مضبوط بنیاد مہیا کر دی ہے۔

صدر نے کونسلروں کو مشورہ دیا کہ وہ وفاقی اور صوبائی حکومت کے تعاون کو اہمیت دینے کی بجائے عوام کا تعاون حاصل کرنے پر زور دیں کیونکہ عوام نے ان کو اپنا نمائندہ منتخب کیا ہے۔ صدر نے متبادل سیاسی نظام کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ وہ وفاقی سطح پر ایک مجلس شوریٰ قائم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کو نمائندگی دی جائے گی اس میں بیشتر کونسلر حضرات ہوں گے اور ان کی اہلیت کا معیار یہ ہوگا کہ وہ صحیح معنوں میں اسلامی ذہن رکھتے ہوں اور ان کی تمام تر وفاداریاں پاکستان کے ساتھ ہوں۔ ان میں علماء اور مشائخ بھی شامل ہوں گے اور ہر پیشے سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی تاکہ

عوام کی امنگیں پوری ہو سکیں۔

عوام کے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مہنگائی پر قابو پانے کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں، تاہم یہ ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ اس پر کوئی ایک ملک قابو پا سکے۔ امن وامان کے بارے میں انہوں نے کہا کہ عنقریب یونین کونسل ٹاؤن اور ضلع کی سطح پر امن وامان قائم رکھنے کے لئے کمیٹیاں تشکیل دی جائیں گی اور اس سلسلے میں عوام کے نمائندوں اور علاقے کے شرفاء کو خصوصی اختیارات دیئے جائیں گے۔ انہوں نے ڈویژن کی انتظامیہ پر زور دیا کہ امن وامان برقرار رکھنے پر خصوصی توجہ دی جائے۔

صدر نے کہا کہ شوگر پالیسی کا جلد اعلان کر دیا جائے گا اور کاشتکار کو اس کی فصل کا پورا پورا معاوضہ دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ گندم کی قیمتِ خرید زیادہ نہیں بڑھائی جا سکتی کیونکہ یہ افراطِ زر کا باعث بنے گی۔ انہوں نے کونسلروں سے اپیل کی کہ وہ آگے آئیں اور رشوت کے سدِّباب میں حکومت کی مدد کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین

گورنر سندھ، جنرل عباسی صاحب،

حیدرآباد کے میئر، جناب مولانا ندوی صاحب،

چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل، رئیس خیر محمد بھرگری صاحب،

میرے عزیز، نثار آفندی صاحب

اور

کونسلر صاحبان!

السلام علیکم۔ میں آپ حضرات کا بے حد مشکور ہوں کہ آپ نے مجھ ناچیز کی تھوڑی سی خدمت کو اتنا سراہا ہے۔ آپ نے میری تعریف میں جو کلمات کہے ہیں، حقیقت میں میں اپنے آپ کو ان کا اہل نہیں سمجھتا۔ اگر مجھ سے تھوڑی بہت کچھ خدمت ہوئی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ اس تھوڑے عرصے میں اسلام کے لئے خدمت کا جو مثبت نتیجہ نکلا

ہے اور پاکستان کو آج جو سعادت نصیب ہوئی ہے، اس کے لئے ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور ساتھ ہی یہ دعا کرنی چاہیئے کہ وہ پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلام کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے ہر طرح سے ایک اسلامی مملکت بنانے میں ہماری مدد فرمائے۔

کل کراچی میں مَیں نے چند امور پر اظہارِ خیال کیا تھا۔ میں یہاں ان کو دہرانا نہیں چاہتا۔ لیکن اس امر کی طرف آپ کی توجہ ضرور مبذول کراؤں گا کہ پاکستان اور اسلام لازم و ملزوم ہیں۔ آپ ایک کو دوسرے سے جُدا نہیں کر سکتے اور اس میں کسی قسم کے شک و شبہے کی گنجائش نہیں۔ کل کراچی کے شہریوں کی خدمت میں بھی میں نے یہی عرض کیا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ اب اس بحث کو ختم کیا جائے کہ قیامِ پاکستان کا کیا مقصد تھا۔ برّصغیر کے مسلمانوں نے اپنے لئے ایک علیحدہ اور آزاد وطن کا مطالبہ اس لئے کیا تھا کہ وہ یہاں اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ ان کی تحریک کا بنیادی مقصد یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۴۷ء میں قیامِ پاکستان کی شکل میں انہیں جو کامیابی عطا کی وہ محض اس وجہ سے کہ ان کے اندر سچا اسلامی جذبہ کارفرما تھا۔ ہم نے اسلام کے نام پر اپنے لئے ایک علیحدہ وطن تو حاصل کر لیا، لیکن اسے حقیقت میں ایک اسلامی مملکت نہ بنا سکے۔ اب تک اس سلسلے میں کوئی خاص کام نہیں کیا جا سکا۔ اب موجودہ حکومت کو آپ لوگوں کے تعاون کی بدولت یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ یہاں اسلامی اقدار کو فروغ دیا جائے اور نظامِ اسلام کے سلسلے میں عملی اقدامات کئے جائیں۔ ہم اس امر پر خاطر خواہ توجہ دے رہے ہیں اور مجھے اُمید ہے کہ اس کے حوصلہ افزا نتائج نکلیں گے۔ ہمیں اپنے قول و فعل سے یہ ثابت کرنا ہے کہ ہمیں اسلام

سے سچا لگاؤ ہے۔ اسلام میں کسی ملاوٹ یا آمیزش کی گنجائش نہیں۔ اگر نام ہمارا اسلامی ہو اور کرتوت غیر اسلامی تو ایسی صورت میں ہم اسلام کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے۔ اگر ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو ہمیں سچے دل سے اسلامی اصولوں کی پیروی کرنا ہوگی اور غیر اسلامی شعائر ترک کرنا ہوں گے۔ اگر ہم پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی مملکت بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے رویّے میں تبدیلی لانا ہوگی۔ ہمیں اسے موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق ایک صحیح اسلامی مملکت بنانے کے لئے کوشش کرنا ہوگی۔

دینِ اسلام چودہ سو سال پہلے کا مذہب نہیں۔ دین اسلام تا قیامت رہنے والے زمانے کے لئے آیا ہے اور اس دین میں تمام ضروریاتِ زندگی ہی نہیں بلکہ ایک دینِ فطرت ہونے کی حیثیت سے وہ تمام مواقع بھی موجود ہیں جن سے فائدہ اٹھا کر موجودہ دور میں نہ صرف زندگی گزاری جا سکتی ہے بلکہ ایسے احسن طریقے سے گزاری جا سکتی ہے کہ لوگ اس پر رشک کریں۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں، حال ہی میں مَیں نے عالمِ اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے اقوامِ متحدہ میں تقریر کی تھی۔ اس تقریر کا آغاز جیسا کہ آپ نے سُنا ہوگا، ہجرت کے واقعہ سے کیا اور اس کا اختتام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے خطبۂ حُجتہ الوداع پر کیا۔ اپنی اس تقریر میں مَیں نے صرف دنیائے اسلام سے ہی نہیں بلکہ اقوامِ عالم سے بھی کہا کہ اس دینِ فطرت کی طرف آیئے، کیونکہ یہ آپ کو نہ صرف موجودہ زمانے میں کامیابی سے ہمکنار کرے گا بلکہ اس میں کچھ ایسی اعلیٰ و ارفع خصوصیات ہیں جنہیں اپنا کر نہ صرف عالمِ اسلام بلکہ پوری دنیا میں امن و سکون اور خیر سگالی کی فضا کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ میں توقع کرتا ہوں

کہ پاکستان جو ایک اسلامی جمہوریہ ہے، ایک مثالی اسلامی مملکت کی حیثیت حاصل کرلے گا اور دیگر اقوام کے لیئے رہنمائی کا باعث بنے گا۔ اگر صحیح معنوں میں اسلام پر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شاملِ حال رہتا ہے، کیونکہ اسلام میں خیر و برکت ہے اور اللہ کا فضل و کرم شاملِ حال ہو تو پھر انسان کو کسی سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص خلوص نیت سے اسلام پر عمل پیرا ہوتا ہے تو اس کی کامیابی یقینی ہے۔ اگلے جہاں میں سزا اور جزا کا معاملہ تو بعد کی بات ہے، اس دنیا میں بھی اس کا اجر ملتا ہے۔

میں یہاں مزید چند ایک چیزوں کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ میں پہلے بھی آپ کی خدمت میں یہ عرض کرچکا ہوں، آج یہاں پھر دہرا رہا ہوں اور اپنی کل کی تقریر میں بھی یہی کہا ہے کہ ملک میں موجودہ صورتِ حال ایسی نہیں کہ انتخابات کرائے جاسکیں۔ اس وقت انتخابات کروانا قوم کی خودکشی کے مترادف ہے۔ لیکن موجودہ حکومت ایک متبادل نظام دے رہی ہے۔ گو یہ نظام ابھی اپنی مکمل شکل میں سامنے نہیں آیا ہے۔ لیکن میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ متبادل نظام ہر طرح سے مکمل ہوگا۔ ہم اس کی طرف پیش رفت کر رہے ہیں۔ اس نظام کی بنیاد رکھ دی گئی ہے اور کونسلر صاحبان اس کی بنیاد ہیں۔

گزشتہ سال ڈیڑھ سال سے ہم بلدیاتی نظام کو مستحکم کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ندوی صاحب نے کہا کہ سندھ میں یہ نظام کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے اور اس کامیابی کا سہرا جنرل عباسی صاحب کے سر ہے۔ میں اس ضمن میں ان کا نہایت مشکور ہوں۔ صوبۂ سندھ کی کامیابی باقی صوبوں کے لیئے مشعلِ راہ کا کام دے گی۔ صوبۂ سندھ میں جنرل عباسی صاحب نے نہ صرف

یہ کہ اس نظام کی کامیابی کے لئے انتھک کام کیا ہے بلکہ انہوں نے بعض ایسے اقدامات بھی کئے ہیں جنہیں دوسرے صوبوں میں بھی اپنایا گیا ہے۔ میں آپ حضرات سے گزارش کروں گا کہ اس نظام کو، جسے حکومت اس قدر اہمیّت دے رہی ہے، جسے قوم اس قدر اہمیّت دے رہی ہے، کامیاب بنائیں۔

بلدیاتی نظام نے ایک مضبوط بنیاد فراہم کر دی ہے جس کی بدولت عوام اپنے مسائل حل کرنے میں کافی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ کوئی بھی نظام خواہ وہ اسلامی ہو یا جمہوری، اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں عوامی مسائل کے حل کی طرف بھرپور توجہ نہ دی گئی ہو۔ ملک کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ عوام کے نمائندوں کو ترقیاتی کاموں میں شریک کیا جائے کیونکہ اس وقت بلدیاتی سطح پر ملک بھر میں عوام کے نمائندے موجود ہیں اور اپنے کام میں پوری طرح مصروف ہیں۔

لہٰذا میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ اس نظام کو مؤثر طور پر چلانے اور اسے زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے کے لئے دن رات کام کیجئے تاکہ اس کی بنیاد پر ہم نہ صرف صوبائی بلکہ وفاقی سطح پر بھی ایک ایسا قابلِ عمل نظام قائم کر سکیں جو ہر طرح سے اسلامی کہلائے اور عوام کی نمائندگی کرے۔

دوسری چیز جو میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ صوبائی حکومتوں یا وفاقی حکومت کے تعاون کو ہی اہمیّت نہ دیں، بلکہ اصل میں آپ کو عوام کے تعاون کی ضرورت ہے۔ ان کے مسائل حل کر کے آپ زیادہ سے زیادہ ان کا تعاون حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ اس مقصد کے لئے انہوں نے آپ کو اپنا نمائندہ منتخب کیا ہے۔

جیساکہ ابھی میں نے کہا، فی الحال عام انتخابات نہیں کرائے جا سکتے۔ اب ہم انتخابات کی جگہ ایک متبادل نظام لا رہے ہیں۔ گو یہ انتخابات کا نعم البدل تو نہیں، لیکن اس سے انتخابات کی راہ ضرور ہموار ہو گی۔ لہٰذا میں وفاقی سطح پر مجلسِ شوریٰ بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد لئے جائیں گے۔ اس میں کونسلر حضرات بھی نامزد کئے جائیں گے کیونکہ وہ عوام کے منتخب نمائندے ہیں۔ ان کے علاوہ اس میں ان تمام اداروں کی بھی نمائندگی ہو گی جن کا تعلق پاکستان سے ہے۔ اس میں زمیندار بھی ہوں گے، کاشتکار بھی، مزدور بھی ہوں گے، انجنیئر بھی، ڈاکٹر بھی ہوں گے اور سائنس دان بھی۔ الغرض دس مختلف اداروں اور مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد اس میں شامل کئے جائیں گے تاکہ قوم کے تمام طبقوں کی بھرپور نمائندگی ہو سکے۔ تاہم اس میں بیشتر حصہ کونسلر حضرات کا ہو گا۔

اس مشاورتی کونسل یا فیڈرل کونسل یا جسے میں مجلس شوریٰ کا نام دے رہا ہوں، کے ارکان کی قابلیت Qualification میرے نقطۂ نظر سے یہ ہونی چاہیئے کہ وہ صحیح معنوں میں اسلامی ذہن رکھتے ہوں اور ان کا قول و فعل اسلام کے مطابق ہو۔ وہ صحیح پاکستانی ذہن رکھتے ہوں اور ان کی تمام تر وفاداریاں اسلام اور پاکستان کے ساتھ ہوں۔ اس معیار پر جو لوگ بھی پورے اتریں، انہیں اس پارلیمنٹ میں شمولیت کا حق حاصل ہے، خواہ وہ مولانا ندوی ہوں یا جناب آفندی یا ڈسٹرکٹ چیئرمین جناب رئیس خیر محمد۔

ہماری خواہش یہ ہے کہ جس وقت اس مشاورتی کونسل کا پہلا اجلاس ہو، جس وقت اس کے ارکان کے ناموں کا اعلان کیا جائے تو لوگوں کی زبان سے واہ

واہ کے سوا کچھ اور نہ نکلے اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ اب واقعی ایک ایسا ادارہ قائم ہوا ہے جو سراسر اسلامی اور پاکستانی ہے۔

اب چونکہ یہاں مسلمان بھی بستے ہیں اور غیر مسلم بھی، اس لئے مسلم ممبران کی شمولیت کے لئے ہم نے دو کوالیفیکشن Qualifications مقرر کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ صحیح معنوں میں مسلمان ہوں۔ دوسری یہ کہ وہ سچے پاکستانی ہوں۔ لیکن جو غیر مسلم ہیں ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنے مذہب پر کاربند ہوں کیونکہ ہر مذہب اچھائی کا درس دیتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ صحیح پاکستانی جذبہ بھی رکھتے ہوں۔ یہاں اس امر کی وضاحت کردوں کہ غیر مسلموں کو بھی پاکستان کے شہری ہونے کا اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا مسلمانوں کو۔ ہم انہی خوبیوں Qualifications کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس ادارے کے لئے افراد نامزد کریں گے، جس میں جیسا کہ ابھی میں نے عرض کیا ہے، کونسلر حضرات کے علاوہ علماء، مشائخ اور مختلف پیشوں Professions سے تعلق رکھنے والے افراد و ماہرین بھی شامل ہوں گے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قابل بنائے کہ ہم جلد اس نظام کو مکمل طور پر عمل میں لاسکیں تاکہ لوگوں کی جو امنگیں ہیں وہ پوری ہوسکیں۔

جہاں تک عوامی مسائل کا تعلق ہے، وہ اتنے پیچیدہ نہیں کہ انہیں حل نہ کیا جاسکے۔ ابھی راستے میں یہاں آتے ہوئے اس سلسلے میں عباسی صاحب سے بھی اس مسئلے پر گفتگو ہوئی ہے اور مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ صوبۂ سندھ میں مسائل کے حل کے لئے جو طریقۂ کار اپنایا جارہا ہے وہ نہایت کامیاب جارہا ہے۔ بلدیاتی سطح پر اور ضلعی سطح پر، عوام کے مسائل کی نشاندہی کرکے انہیں بخوبی حل کیا جاسکتا ہے۔

اس وقت عوام کو چند ایک مشکلات درپیش ہیں۔ ایک تو یہ کہ مہنگائی بہت ہے۔ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ اس کی شدت کو جس قدر ممکن ہو کم کیا جائے۔ یہ ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ مہنگائی کو بالکل ختم کرنا کسی ایک ملک کے بس کی بات نہیں، البتہ اسے کنٹرول میں رکھا جا سکتا ہے جس کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

دوسرا مسئلہ امن وامان سے متعلق ہے۔ ویسے تو یہ پولیس والوں کا کام ہے کہ وہ ملک میں امن وامان برقرار رکھیں اور پولیس پر کنٹرول ضلعی انتظامیہ کا کام ہے، لیکن جنرل عباسی صاحب نے صوبۂ سندھ میں اسے تسلی بخش طور پر برقرار رکھنے کے لئے ایک خاص حکمت عملی تیار کی ہے جس پر عنقریب عمل کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو طریقہ وضع کیا ہے، وہ مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پروگرام کے تحت علاقے کے عوام کے نمائندوں اور شرفاء کو خصوصی اختیار دے کر امن و امان کی صورتِ حال کو بہتر بنایا جائے گا۔ اس کے لئے متعلقہ یونین کونسل، گاؤں اور ضلع کی سطح پر کمیٹیاں تشکیل دی جائیں گی تاکہ یہ امن وامان کے قیام میں مدد دے سکیں۔

ہماری حکومت کا گزشتہ تین، سوا تین سال کا ریکارڈ ہے کہ ہم نے ہر شخص کی عزت کی ہے اور کروائی ہے۔ ہم نے کسی کی پگڑی نہیں اچھالی۔ جس طرح میری والدہ اور میری اپنی بہنوں کی عزت مجھے عزیز ہے، میری کوشش رہی ہے کہ دوسروں کی ماؤں اور بہنوں کی بھی اسی طرح عزت کی جائے۔ جس طرح مجھے میری ماں، میری بہنیں اور بیٹیاں عزیز ہیں اسی طرح دوسروں کی مائیں، بہنیں، بیٹیاں بھی عزیز ہیں۔ لیکن بعض عناصر ایسے ہیں جو امن وامان کی صورتِ حال کو خراب

کرتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی عناصر کی وجہ سے چوریاں، ڈکیتیاں اور جانوروں کی چوریاں ہوتی رہتی ہیں۔ ہمیں ایسے عناصر کی سرکوبی کرنی ہے۔ اس قسم کے واقعات کی روک تھام کے لئے سوچنا ہم سب کا کام ہے۔

چوری کی سزا ہم نے شرعی قانون کے مطابق قطع ید مقرر کی ہے لیکن اب تک کسی چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاسکا جب تک کسی چور کا ہاتھ نہیں کٹے گا اس قسم کے جرائم پیشہ لوگوں کی حوصلہ شکنی نہیں ہو گی۔ اس لئے میں آپ حضرات سے، کونسلر صاحبان سے، بلدیاتی اداروں سے، ضلعی انتظامیہ سے اور ڈویژن کی انتظامیہ سے کہوں گا کہ وہ ملک میں امن واماں برقرار رکھنے پر خاص توجہ دیں اور اس سلسلے میں ضروری اقدامات کریں۔ اس کے لئے پوری کوشش کی جانی چاہیئے اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ برتی جائے۔ اگر کوئی شخص چور کی پشت پناہی کرتا ہے تو میرے خیال میں وہ چور کی سزا سے زیادہ سزا کا مستحق ہے۔

اب کچھ پاکستان کی معیشت کے بارے میں گزارش کروں گا۔ جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں، زراعت کو پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ زراعت کے بارے میں حال ہی میں مَیں نے ایک اجلاس بلایا تھا جس میں دو امور کا خاص طور پر جائزہ لیا گیا، یعنی گندم کی قیمتِ خرید اور شوگر پالیسی پر غور و خوض کیا گیا۔ اس سلسلے میں انشاءاللہ عنقریب اہم اعلان کیا جائے گا۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ ہم زمیندار کو، کاشت کار کو جتنی مراعات دے سکتے ہیں، دیں، لیکن اس ضمن میں کچھ مجبوریاں بھی ہیں۔ زمیندار ہو یا کاشتکار، وہ یہ چاہتا ہے کہ اسے اپنی فصل کا پورا پورا معاوضہ ملے، اسے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو۔ لیکن ان سے میری گزارش ہے کہ وہ بھی تھوڑی سی قربانی دیں۔ آپ سے گزارش

کروں گا کہ آپ انہیں سمجھائیں۔ اگر اس وقت وہ پچاس فی صد منافع چاہتے ہیں تو میں ان سے کہوں گا کہ سردست وہ دس فی صد پر اکتفا کریں۔ انشاء اللہ آئندہ سال مزید دس فی صد منافع انہیں دیں گے اور اس طرح ہر سال ان کے منافع میں اضافہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

گندم ایک ایسی جنس ہے کہ اس کی قیمتوں کا اثر براہ راست دوسری چیزوں پر بھی پڑتا ہے۔ اگر ہم گندم کی قیمتِ خرید بہت زیادہ بڑھا دیتے ہیں تو پھر اس کا اثر معاشرے کے مختلف طبقوں پر بھی پڑے گا۔ اس سے سرکاری ملازمین متاثر ہوں گے۔ اس کا اثر فوج کے ملازمین پر پڑے گا۔ اس کا اثر پولیس پر پڑے گا۔ اس سے مزدور اثر پذیر ہوں گے۔ پھر یہ ہو گا کہ معاشرے میں ایک قسم کی بے چینی کی لہر دوڑ جائے گی۔ اس کے علاوہ اس کی قیمتوں میں اضافہ افراطِ زر کا باعث بھی بنے گا جسے روکنا مشکل ہو جائے گا۔

آپ حضرات نے زکوٰۃ کے متعلق ذکر کیا ہے۔ آپ سے اس ملاقات کے بعد آج زکوٰۃ کمیٹیوں سے میری علیحدہ ملاقات ہو رہی ہے۔ میں کونسلر حضرات سے کہوں گا کہ گو اس معاملے سے آپ کا براہ راست تعلق نہیں ہے، لیکن بحیثیت مسلمان کے آپ کا یہ فرض ہے کہ اس میں بھی دلچسپی لیں۔ چونکہ بلدیاتی سطح پر آپ انتظامیہ میں شامل ہیں اور عوام کے نمائندے ہیں، اس لئے ہم سب کو مل کر اور بھی بہت سے میدانوں میں کام کرنا ہے۔ جہاں ہمیں اسلامی اقدار کو فروغ دینا ہے، وہاں ہمیں اس ملک سے غربت بھی دور کرنا ہے۔ غربت دور کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ امیر اور غریب کے درمیان جو فرق ہے اسے کم سے کم کیا جائے۔ میں اسلامی اقدار کا حامی ہوں، لیکن جہاں اسلام یہ کہتا ہے کہ آپ اپنی جائیداد کے مالک ہیں، آپ محنت کیجئے اور جس

قدر ممکن ہو حلال روزی کمائیے، وہاں اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ غریبوں کی حالت بہتر بنائی جائے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ امیر سے امیر ترین بن جاؤ۔ میں اس بات کا قائل ہوں کہ اگر کسی طبقے کی معاشی حالت بہتر نہیں، اس کے وسائل کم ہیں تو اس کے وسائل میں اضافے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ امیر اور غریب کے درمیان فرق کو برقرار رکھا جائے۔ اگر ہم صحیح معنوں میں زکوٰۃ نکالیں، صدقات دیں، خیرات دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ امیر اور غریب کے درمیان ایک اسلامی ملک میں اس قدر فرق موجود ہو۔ ہم اشتراکیت کے قائل نہیں بلکہ میں تو اس پر لاحول بھیجتا ہوں کیونکہ دینِ اسلام دینِ فطرت ہونے کی وجہ سے صحیح معنوں میں اشتراکیت کی نفی کا درس دیتا ہے۔ اگر کسی نظام میں حقیقی اشتراکیت موجود ہے تو وہ اسلام میں ہے، تو پھر اسلام کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی اور ازم Ism کی کیا ضرورت ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم اسلامی اقدار کو اپنائیں، سچے مسلمان بنیں اور ایسا طرزِ عمل اپنائیں کہ اپنے آپ کو پاکستانی کہنے پر فخر محسوس کریں۔ یہاں ہر شخص کے لئے حلال کی روزی کمانے کے یکساں مواقع ہونے چاہئیں۔

آخر میں ایک اور مسئلہ جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ رشوت کی لعنت ہے۔ یہ لعنت اتنی بڑھ گئی ہے کہ اب ہمیں اس کی مکمل طور پر بیخ کنی کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم انتظامیہ میں اور حکومت کے مختلف اداروں میں رشوت سے ابھی تک چھٹکارا نہیں حاصل کر سکے۔ ہمیں اس امر کی طرف توجہ دینی چاہیئے کہ کس طریقے سے اس کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جائے۔ اس کے لئے عمل کی ضرورت ہے، محض تقریر کرنے یا زبانی نصیحت سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اس ضمن میں بھی کونسلر حضرات اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔ اگر انتظامیہ اس سلسلے میں خاطر خواہ کارروائی نہیں کر رہی تو کونسلر حضرات کو چاہیئے کہ وہ آگے آئیں اور

اس کے سدباب کے لئے سکیمیں بنائیں۔ صوبۂ سندھ میں اس سلسلے میں ایک سکیم بنائی گئی ہے جس کے متعلق تفصیلات گورنر سندھ آپ حضرات کی خدمت میں بعد میں پیش کریں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس کے خاتمے کے سلسلے میں خاطر خواہ پیش رفت ہوگی۔ رشوت ستانی، چوری اور ڈکیتی کو ختم کرنے کے لئے حکومت ہر ممکن اقدامات کرے گی۔ اس طرح ملک میں امن و امان برقرار رکھنے اور لوگوں کو حلال کی روزی کمانے کے یکساں مواقع فراہم کرنے کے لئے سازگار حالات پیدا کئے جائیں گے۔ میری خواہش ہے کہ اسلامی جمہوریۂ پاکستان میں سب کو ترقی کے ایک جیسے مواقع میسر ہوں اگر ایسا نہیں ہے تو اس کے لئے ہمیں کوشش کرنی ہوگی اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ یہاں صحیح معنوں میں اسلامی اقدار کو فروغ دیا جائے اور اسلامی طرزِ زندگی اپنایا جائے۔ اس کے ساتھ میں آپ حضرات کا، مولانا ندوی صاحب اور باقی تمام حضرات کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

حیدرآباد ڈویژن کی زکوٰۃ اور عُشر کمیٹیوں کے سربراہوں سے خطاب

حیدرآباد : ۲۶ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

۲۶ اکتوبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے حیدرآباد ڈویژن کی زکوٰۃ اور عشر کمیٹیوں کے چیئرمینوں سے خطاب کیا اور انہیں تلقین کی کہ جس طرح نماز کا اہتمام کیا جاتا ہے، اسی طرح اپنے اپنے حلقۂ اثر میں وہ لوگوں کو زکوٰۃ کی اہمیت اور افادیت سے آگاہ کریں۔ انہوں نے کہا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے کسی فرقے کو بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ یہ ممکن ہے کہ بعض فرقے اپنے فقہ کے مطابق زکوٰۃ اکٹھی کریں۔ انہوں نے بتایا کہ فقۂ حنفیہ سے تعلق رکھنے والوں کے متعلق بنکوں سے زکوٰۃ کی کٹوتی کے سلسلے میں فتویٰ حاصل کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی استثنیٰ نہیں۔ انہوں نے زکوٰۃ کی تقسیم کے نظام کی وضاحت کی اور بتایا کہ زکوٰۃ کمیٹیوں کے چناؤ میں اگر کوئی خامی رہ گئی ہے تو اسے دور کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ زکوٰۃ کمیٹیوں کے ارکان کو اپنا فریضہ نہایت عمدگی سے سرانجام دینا چاہیئے اور غریبوں اور محتاجوں کی ضروریات کا صحیح اندازہ لگانا چاہیئے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قوم کو بھکاریوں کی

قوم بنا دیا جائے، بلکہ اس رقم سے یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کے لئے ایسے ذرائع مہیا کئے جائیں کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ ۔

گورنر سندھ، جنرل عباسی صاحب،

چیئرمین ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی حیدر آباد، مولانا ندوی صاحب،

چیئرمین ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی ضلع سانگھڑ، مفتی عبدالرحیم صاحب،

اور

معزّز حاضرین!

السّلام علیکم۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ حیدر آباد کے اس دورے میں میں آپ حضرات سے ملنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ میرے نقطۂ نظر سے جہاں ہماری اور بھی بہت سی اہم ذمہ داریاں ہیں، وہاں یہ ذمہ داری بھی بڑی اہم ہے کہ زکوٰۃ کے نظام پر خاص توجہ دی جائے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے بارے میں خاص طور پر تاکید فرمائی ہے۔ لہٰذا ایک اسلامی مملکت ہونے کی حیثیت سے پاکستان میں ہم نے زکوٰۃ کے نظام کو رائج کرنے کی کوشش کی

ہے۔اس نظام کو کامیابی کے ساتھ چلانے اور اسے مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ مولانا ندوی صاحب نے فرمایا، زکوٰۃ اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رُکن ہے۔جس طریقے سے نماز کے بارے میں ہدایات آئی ہیں، اسی طریقے سے زکوٰۃ کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ کے خاص احکامات نازل ہوئے ہیں۔آپ سب بخوبی جانتے ہیں کہ خلفائے راشدین نے زکوٰۃ کو کس قدر اہمیت دی اور منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف کیا کیا کارروائیاں کیں۔آپ تاریخِ اسلام سے واقفیت رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ زکوٰۃ کا نظام کہاں کہاں کامیاب رہا اور کہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ہمیں اس امر میں تاریخِ اسلام سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیئے۔

آپ کے علم میں یہ بات ہو گی کہ ہمارے ملک پاکستان میں نظامِ زکوٰۃ کے نفاذ کے سلسلے میں ۱۹۵۲ء، ۱۹۵۳ء میں ایک مہم چلائی گئی تھی اور اسے رائج کرنے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن اس وقت اسے رضا کارانہ طور Voluntary Basis پر اپنانے پر زور دیا گیا تھا جو ناکام ثابت ہوا۔اس زمانے میں جو زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبران تھے، ان میں سے ایک صاحب نے خود مجھے بتایا کہ چونکہ یہ معاملہ اختیاری تھا اس لئے پورے پاکستان میں جب زکوٰۃ کی رقم جمع کی گئی تو اس مد میں صرف دس ہزار روپے جمع ہوئے۔لہٰذا اس سے ایک نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ بعض چیزیں اختیاری طور پر کامیاب نہیں ہو سکتیں۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کے بارے میں قرآن کریم میں بار بار تاکید فرمائی ہے اور سختی سے ان پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کی صوابدید اور مرضی پر نہیں چھوڑا بلکہ اس ضمن میں خاص احکام نازل کئے۔لہٰذا ہمارا یہ دینی فریضہ ہے کہ ہم اللہ کے حکم کو مانیں اور اس پر صدقِ دل سے عمل کریں۔جس طریقے سے ہم نماز

کا اہتمام کرتے ہیں اور علمائے کرام اس کی ادائیگی کی تلقین کرتے ہیں، اسی طرح ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے حلقۂ اثر میں لوگوں کو زکوٰۃ کی اہمیت اور افادیت کے بارے میں بتائیں۔

زکوٰۃ کے متعلق شروع شروع میں جو قوانین نافذ کئے گئے، میں ان کی طرف یہاں نشاندہی نہیں کرنا چاہتا۔ البتہ اس سلسلے میں جو موجودہ قانون ہے، اس کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔ زکوٰۃ کے متعلق کچھ فقہی اختلافات ہیں، لہٰذا ہم نے یہ بہتر سمجھا کہ انہیں افہام و تفہیم کے ذریعے حل کیا جائے تاکہ اس ضمن میں ملک کے اندر کسی قسم کی کوئی بدمزگی یا تلخی پیدا نہ ہو۔ اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو لوگ کسی ایسے فقہ سے تعلق رکھتے ہیں جس میں زکوٰۃ کے بارے میں کوئی خاص طریقۂ کار وضع کیا گیا ہے اور جسے اس وقت اپنانا ممکن نہیں ہے تو یہ ہم ان کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں کہ وہ جس طرح چاہیں اپنی زکوٰۃ اکٹھی کریں اور اسی طرح تقسیم کے سلسلے میں بھی اپنے طریقۂ کار کو اپنا سکتے ہیں، لیکن کسی بھی فرقے کو زکوٰۃ کی ادائیگی سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جن کے فقہی خیالات مجھ سے اور ملک کی اکثریت سے ملتے ہیں، اُن کے لیے اس سلسلے میں ہم نے ایک نظام وضع کر دیا ہے۔ اس نظام میں کچھ جبری پہلو بھی ہے اور کچھ اختیاری بھی۔ جبری پہلو یہ ہے کہ ہم بنکوں میں جمع شدہ رقوم سے ڈھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ کی کٹوتی کریں گے، لیکن جو لوگ اس بات کا ثبوت پیش کریں گے کہ وہ مختلف فقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے فقہ کی رو سے بنکوں میں جمع شدہ رقوم سے زکوٰۃ نہیں کاٹی جا سکتی تو ایسے لوگوں سے مروّجہ طریقے کے مطابق بنکوں سے زکوٰۃ نہیں وصول کی جائے گی۔ میری مراد اُن لوگوں سے ہے

جو فقہ جعفریہ سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ ان کے فقہ کی رُو سے اس ضمن میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی صاحب فقہ حنفیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ یہ کہیں کہ جناب آپ میری زکوٰۃ بنکوں سے نہیں کاٹ سکتے تو میں یہ چیز ماننے کو تیار نہیں کیونکہ ہم نے اس بارے میں فتویٰ لیا ہے۔ بنکوں سے زکوٰۃ کی کٹوتی کے سلسلے میں شروع شروع میں کچھ غلطیاں ہوئی ہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلا موقع تھا اور اس نوعیت کا پہلا تجربہ تھا۔ ان غلطیوں سے ہم نے سبق سیکھا ہے اور اس System کو ہم نے بہتر بنانے کے لئے اقدامات کئے ہیں۔ اس مرتبہ نصاب اور صاحب نصاب کی بھی بہتر طور پر تشریح کر دی گئی ہے۔ جو خامیاں ہمیں پچھلے نظام میں نظر آئیں، ہم انہیں دور کر رہے ہیں۔ اس نظام میں اختیاری پہلو اس حد تک ہے کہ جو صاحب اپنی زکوٰۃ، جبری کٹوتی کے علاوہ، زکوٰۃ کمیٹی کو یا کسی اور کو دینا چاہیں تو انہیں یہ حق حاصل ہے۔ زکوٰۃ کمیٹیاں اس نوعیت کی زکوٰۃ وصول کر سکتی ہیں۔

جبری کٹوتی کے طور پر بنکوں کے ذریعے اس مد میں جو رقم وصول ہوئی ہے، اس کی تقسیم کے لئے ہم نے ایک طریقۂ کار اختیار کیا ہے۔ چونکہ وفاقی سطح پر اس کی کٹوتی ہوتی ہے اس لئے تمام صوبوں میں اس کی تقسیم کے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کیا گیا ہے۔ جس علاقے میں جتنے مستحقین ہیں، ان کی تعداد کی بنیاد پر تقسیم کا فارمولا وضع کیا گیا ہے، علاقے کی آبادی اور مستحقین کی تعداد کو مدِّنظر رکھا گیا ہے اور اسی بنیاد پر صوبوں کے درمیان زکوٰۃ کی رقم کی تقسیم عمل میں آئی ہے۔ جو بڑے صوبے ہیں، جہاں آبادی زیادہ ہے، جہاں مستحقین کی تعداد زیادہ ہے وہاں کچھ زیادہ رقم دی گئی ہے۔ اسی طرح جہاں آبادی کم ہے، رقم بھی کم دی گئی ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ہر گاؤں اور ہر وارڈ کی سطح پر تمام دیہی و شہری

علاقوں میں سات منتخب افراد پر مشتمل ایک زکوٰۃ کمیٹی کا انتخاب عمل میں لایا گیا ہے۔ مولانا ندوی صاحب نے ابھی ابھی اپنی تقریر میں بعض زکوٰۃ کمیٹیوں کے انتخابات میں بے قاعدگیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چونکہ زکوٰۃ کمیٹیوں کو بنے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا ہے، اس لئے جہاں جہاں کچھ خامی رہ گئی ہے یا جہاں چناؤ ٹھیک نہیں ہوا ہے، وہاں اس امر کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض صوبوں کے بعض ضلعوں میں کئی زکوٰۃ کمیٹیوں کا سرے سے کوئی انتخاب ہوا ہی نہیں، بلکہ وہاں چند لوگوں نے چند افراد کو اس کمیٹی کے لئے نامزد کر دیا جو سراسر غلط ہے۔ ہمارا ارادہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس طور پر کمیٹیاں بنائی جائیں، بلکہ ہم نے یہ کہا ہے کہ ایک محلہ کی سطح پر، ایک وارڈ کی سطح پر شہری علاقے میں اور گاؤں کی سطح پر دیہی علاقے میں منتخب زکوٰۃ کمیٹیاں تشکیل دی جائیں۔ متعلقہ علاقے کے لوگ مسجد یا میدان میں ایک جگہ جمع ہوں اور متفقہ طور پر چند ایسے افراد کا انتخاب کریں۔ پھر کمیٹی کے ممبران اپنا چیئرمین چنیں۔ زکوٰۃ کا معاملہ دین کا معاملہ ہے، لہٰذا اس میں کسی قسم کی کوئی بے قاعدگی نہیں ہونی چاہیئے۔ مجھے بہت سے لوگوں نے یہ تجویز پیش کی کہ زکوٰۃ کا نظام System لوکل باڈیز کے حوالے کر دیا جائے، یعنی کونسلر صاحبان کے سپرد کر دیا جائے اور وہی اس نظام کو چلائیں۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے انہیں بتایا کہ کونسلر صاحبان میں سے جو متقی، پرہیزگار اور امین ہوں گے، وہ لازمی طور پر زکوٰۃ کمیٹیوں کے لئے بھی منتخب کر لئے جائیں گے۔ یہاں آپ میں سے بعض ایسے حضرات بھی بیٹھے ہیں جو کونسلر بھی ہیں اور زکوٰۃ کمیٹی کے منتخب ممبر بھی، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کونسلر حضرات کو زکوٰۃ کمیٹیوں میں محض اس وجہ سے لیا جائے کہ وہ کونسلر ہیں۔

کونسلر صاحبان کا رول Role مختلف ہے۔ انہیں اپنے علاقے میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر کے یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ اچھے نمائندے ہیں اور اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ زکوٰۃ کمیٹی کے ممبر بھی ہوں۔ ممکن ہے کہ وہ زکوٰۃ کو اپنے مفاد کے لئے غلطی سے یا جان بوجھ کر استعمال کریں جو ایک غلط بات ہوگی۔ اسی خدشے کے پیشِ نظر ہم نے یہ معاملہ ان کے حوالے نہیں کیا۔ میں آپ حضرات کی محنت اور کاوش کی داد دیتا ہوں۔ آپ نے یہ نیک کام جو اپنے ذمے لیا ہے، وہ لائقِ تحسین ہے۔ میں آپ کو کوئی تنخواہ نہیں دے رہا ہوں۔ آپ لوگوں کو اس فریضے کی ادائیگی کا کوئی معاوضہ نہیں ملتا۔ یہ کام آپ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کر رہے ہیں۔ لوگوں نے آپ کو اس لئے چنا ہے کہ آپ ان کی نظروں میں امین ہیں، متّقی ہیں، پرہیزگار ہیں۔ ان کو آپ پر اعتماد ہے کہ جو رقم زکوٰۃ، صدقات کی آپ کے پاس آئے گی، آپ اسے احسن طریقے سے مستحقین میں تقسیم کر دیں گے۔ لہٰذا یہ جو مرتبہ آپ کو ملا ہے، یہ تو مجھے بھی حاصل نہیں ہے۔ اس اعزاز پر آپ کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور آپ کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ آپ صحیح معنوں میں زکوٰۃ مستحقین کے حوالے کر سکیں۔ میں آپ کے کام کی تعریف کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کو اس کا اجر دے اور آپ کے کام میں برکت عطا کرے۔

اب میں زکوٰۃ کے متعلق دو چیزوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ جب کسی قوم میں امیر اور غریب کا فرق بہت زیادہ ہوگا، اس وقت معاشرے میں ہم آہنگی پیدا نہیں ہوگی، لہٰذا ہمیں غریبوں کی مشکلات اور تکالیف دور کرنے کے لئے خاطر خواہ سعی کرنی ہوگی۔ ہمارے یہاں ایسی غربت بھی ہے کہ جس کا

آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ایسی غریب بیوائیں، ایسے یتیم اور بے سہارا بچے بھی ہیں نے دیکھے ہیں جنہوں نے آج تک کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ یہاں ان بھکاریوں کو چھوڑ دیجئے جو پیشہ ور ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ایسے ہی بے سہارا اور ضرورت مند لوگوں کو تلاش کریں اور زکوٰۃ کی رقم سے ان کی مدد کریں کیونکہ ایسے ہی لوگ ہمارے اور آپ کے تعاون کے محتاج ہیں۔ یہ فریضہ ہمیں نہایت عمدگی سے سرانجام دینا ہے اور غریبوں اور محتاجوں کی صحیح ضروریات کا پتہ چلانا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ایک قوم کو بھکاریوں کی قوم بنا دیں۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب کسی شخص کو آسان طریقے سے رقم ملنی شروع ہو جائے تو پھر وہ بجائے اپنے اوپر اعتماد کرنے کے اس قسم کی امداد پر تکیہ کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ آپ دیکھیں کہ اس سے پہلے کبھی بھی منظم طریقے سے بیواؤں اور یتیموں کو کوئی رقم نہیں دی گئی۔ ہاں اگر ذاتی طور پر کسی نے ان کی کوئی مدد کی ہو تو اور بات ہے۔

دوسری چیز جس کے بارے میں ہمیں سوچنا ہے وہ یہ ہے کہ ایسے افراد ساری عمر اس قسم کی امداد پر انحصار نہ کریں بلکہ اس رقم کے ذریعے ان کے لئے ہم ایسے مواقع اور ایسے ذرائع پیدا کریں کہ وہ کچھ عرصے بعد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ بیوہ اور یتیم کی حالت اس قدر بہتر ہو جائے کہ وہ بخوشی یہ کہیں کہ اب انہیں زکوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح جو آدمی غریب ہے، صاحب نصاب نہیں ہے، اس کی آمدنی میں اس قدر اضافہ ہو جائے کہ وہ زکوٰۃ کا محتاج نہ رہے بلکہ خود صاحبِ نصاب بن جائے۔ اگر ہم نے یہ کام کیا تو سمجھ لیں کہ زکوٰۃ کی روح کو پا لیا، لیکن اگر ہم نے صرف لوگوں سے زکوٰۃ لے کر غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دی تو اس کا اصل مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے اور معاشرے میں کاہل لوگوں

کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ زکوٰۃ کے ذریعے ہم ساری زندگی کسی کی امداد نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارے لئے بڑا مشکل ہو گا۔ اس لئے میں آپ حضرات سے درخواست کروں گا کہ آپ محلّے کی سطح پر اور ضلع کی سطح پر اس چیز کا جائزہ لیں کہ زکوٰۃ کی رقم کس طرح سے بہتر طور پر خرچ کی جاسکتی ہے اور اس سلسلے میں اپنی سفارشات زکوٰۃ کمیٹی کے ذریعے یا ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی یا متعلقہ ڈپٹی کمشنر کے ذریعے مجھ تک، حکومت تک پہنچائیں۔

میرے پاس اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کچھ رقم اس مد میں ہے جو میں نے برادر اسلامی ممالک سے قرضِ حسنہ کے طور پر حاصل کی ہے تاکہ ہم یہاں اس سے فلاحی ادارے قائم کر سکیں۔ یہ رقم میں نے مستحقین میں تقسیم کرنے کے لئے نہیں لی ہے۔ اس وقت مستحقین میں جو رقم ہم تقسیم کر رہے ہیں، یہ وہ رقم ہے جو ہم نے جبری طور پر بنکوں سے زکوٰۃ کے طور پر کاٹی ہے۔ گویا یہ لوگوں کی زکوٰۃ ہے جو ضرورت مندوں تک پہنچائی جا رہی ہے۔ اگر فقہی لحاظ سے اس رقم سے فلاحی ادارے قائم کرنا درست ہے تو ہمیں ایسے ادارے قائم کرنے چاہئیں۔ مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ صوبہ سندھ میں اس امر کی طرف نہایت سنجیدگی سے توجہ دی جا رہی ہے۔ سیکرٹری زکوٰۃ کمیٹی، ڈاکٹر ارشد ملک صاحب نے بتایا ہے کہ اس صوبے میں اس قسم کی سکیمیں زیر غور ہیں۔ عباسی صاحب نے بھی مجھے بتایا ہے کہ کراچی میں ایسے ادارے قائم کئے جا رہے ہیں جہاں آکر بچیاں، بیوائیں کڑھائی، سلائی کا کام سیکھیں گی۔ میں آپ سے یہ کہوں گا کہ کسی بیوہ کو آپ روپے پیسے دینے کی بجائے کوئی ایسی چیز دیجئے جس سے اس کی آمدنی میں اضافہ ہو سکے، اس کی روزی کا انتظام ہو سکے اور اس کے لئے ذریعۂ معاش کا سامان پیدا ہو سکے۔

جہاں تک آپ کے اختیارات کا تعلق ہے، میں نے اس بارے میں کافی وضاحت کردی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آج کل آپ کو اس ضمن میں قواعد وضوابط کے متعلق جو ہدایات مل رہی ہوں گی، وہ اردو اور سندھی میں ہوں گی۔ شروع شروع میں ہم نے انگریزی میں اس کے متعلق احکامات جاری کئے تھے، یہ سوچے بغیر کہ اگر سانگھڑ میں ایسی ہدایات انگریزی میں موصول ہوئیں تو انہیں کون سمجھے گا۔ لہٰذا ہم نے کہا ہے کہ زکوٰۃ سے متعلق ہدایات صوبۂ سندھ میں اردو اور سندھی میں اور باقی صوبوں میں اردو میں جاری کی جائیں۔ ان احکامات کے ذریعے آپ کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ زکوٰۃ کمیٹی مکمل طور پر خود مختار ادارہ ہے اور اسے تمام ضروری اختیارات حاصل ہیں۔

آپ حضرات کے ذمے دو بڑے کام ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کو معلوم کرنا ہے کہ آپ کے علاقے میں کون کون صاحب نصاب ہے۔ آپ ایسے لوگوں کے پاس خود جائیں اور ان سے گزارش کریں کہ وہ زکوٰۃ کی رقم، اگر ان کے پاس کچھ ہے تو اسے زکوٰۃ کمیٹی میں جمع کرائیں، لیکن اگر وہ چاہیں تو اس قسم کی رقم اپنے کنبے کے غریب ضرورت مندوں میں تسیم کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ زکوٰۃ کی رقم لوکل زکوٰۃ کمیٹی کو بھی دی جا سکتی ہے تاکہ مستحقین تک پہنچائی جا سکے۔ میں آپ سے کہوں گا کہ حکومت کی طرف سے جو رقم آپ کو تقسیم کی غرض سے مل رہی ہے، اسی پر اکتفا نہ کیجئے بلکہ آپ کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ آپ اپنے علاقے کے صاحب نصاب لوگوں سے زیادہ سے زیادہ زکوٰۃ وصول کریں۔ اس کے بعد آپ کو مستحقین کی صحیح تعداد معلوم کرنی ہے۔

دوسرا کام زکوٰۃ کی تقسیم سے متعلق ہے اور یہ آپ کی صوابدید پر چھوڑا گیا ہے۔

ہم نے اس ضمن میں کوئی Proportion، Ratio یا اوسط نہیں مقرر کی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ فی مستحق آپ چالیس روپے دیں یا ایک یتیم بچے کو بیس روپے دیں۔ شروع میں اس قسم کے احکامات جاری ہوئے تھے جو غلط تھے۔ یہ لوکل زکوٰۃ کمیٹی پر منحصر ہے کہ کمیٹی کے سات ارکان اور چیئرمین اس بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ اگر ان کے پاس دس ہزار روپیہ ہے اور ان کے پاس مستحقین کی تعداد بھی دس ہے تو اگر وہ چاہیں تو ایک ایک ہزار روپے سب کو دے دیں یا اگر وہ چاہیں تو چار ہزار روپے سے کسی بیوہ کی بچی کی شادی کا جہیز تیار کرا دیں۔ اس رقم کے بہتر استعمال کے بارے میں سوچنا کمیٹی کا کام ہے۔ اگر ایک ہزار روپے دس مستحقین میں تقسیم کر دیئے گئے تو فی کس سو روپے ملیں گے اور ظاہر ہے کہ اس قلیل رقم سے کسی کی کیا امداد ہو سکتی ہے۔ اتنی رقم سے زیادہ سے زیادہ آٹے کی ایک ہی بوری آئے گی، لیکن اگر ایک ہزار روپے سے دو سلائی مشینیں خرید کر دو بیوگان میں تقسیم کر دی جائیں تو اس کے ذریعے اگلے کئی برسوں تک وہ خود اپنی روزی کما سکتی ہیں۔ لہٰذا اس امر کے بارے میں آپ کو سوچنا ہے تاکہ بہتر طور پر مستحقین کی مدد کی جا سکے اور جس کے مثبت نتائج برآمد ہوں۔ اگر زکوٰۃ کی رقم سے کسی یتیم بچے کے سکول کی فیس دے دی جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، یا اگر آپ چاہیں تو اس رقم سے کسی غریب کا علاج کروا دیں۔ الغرض زکوٰۃ کی رقم مختلف مقاصد کے لئے خرچ کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ شرعی لحاظ سے اس پر کوئی پابندی نہ ہو۔

میرا سب سے اہم پیغام یہ ہے کہ زکوٰۃ کمیٹی کُلّی طور پر خود مختار باڈی ہے اور اسے تمام اختیارات حاصل ہیں۔ آپ جس طریقے سے چاہیں زکوٰۃ خرچ کریں۔ اس ضمن میں آپ سے تفصیلات طلب نہیں کی جائیں گی۔ ایک صاحب نے مجھ

سے کہا کہ وہ زکوٰۃ کمیٹی کے ممبر ہیں اور کوئی شخص انہیں آٹھ سو روپے بطور زکوٰۃ تقسیم کے لئے دے گیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اسے کس طرح تقسیم کیا جائے۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ زکوٰۃ کے فنڈ میں جمع کردیں۔ اس طرح ایک صاحب نے کہا کہ ایک بیوہ ہے جو خود زکوٰۃ لینے نہیں آسکتی، لہٰذا انہوں نے کسی کے ہاتھ بیوہ کو رقم بھجوائی ہے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ جناب آپ سے بڑھ کر اور کس پر اعتبار کیا جائے گا۔ لوگوں نے بطورِ امین آپ کو چُنا ہے لہٰذا مجھے یا کسی اور کو اس سلسلے میں پوچھ گچھ کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔ میں آپ سے غلط نہیں کہہ رہا، آپ کا رتبہ بہت بڑا ہے کیونکہ آپ کو امین ہونے کا اعزاز حاصل ہے جو ایک بہت بڑی بات ہے۔ لوگوں کی نظروں میں آپ پرہیزگار اور متقی ہیں۔ آپ پر انہوں نے بھروسہ کیا ہے۔ لہٰذا آپ کا فرض ہے کہ آپ اُن کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائیں اور اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ زکوٰۃ وصول کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں تاکہ غربا، یتمیٰ اور بیوگان کے لئے اس سے مستقل ذریعۂ آمدنی پیدا ہوسکے اور نظامِ زکوٰۃ کا مقصد حاصل ہوسکے۔

مجھے قوی اُمید ہے کہ آپ حضرات اس امر کی طرف توجہ دیں گے اس کے بعد میں آپ سے خاص طور پر درخواست کروں گا کہ اس سلسلے میں اگر آپ کی کچھ سفارشات ہیں یا اگر آپ کسی چیز کی تفصیل جاننا چاہتے ہیں تو بڑے شوق سے فرمائیں۔

شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

سکھر ڈویژن کے کونسلروں اور عمائدین سے خطاب

سکھر : ۲۷ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے سندھ کے تین روزہ دورے کے دوران ۲۷ اکتوبر کو سکھر میں ڈویژن کے کونسلروں اور عمائدین سے خطاب کیا۔ اس سے قبل خطبۂ استقبالیہ میں ان خدمات کو سراہا گیا تھا جو صدر نے اسلام اور پاکستان کے لئے انجام دیں اور اقوام متحدہ میں عالم اسلام کی نمائندگی پر انہیں خراج تحسین پیش کیا گیا تھا۔ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ انہوں نے اور ان کے رفقائے کار نے ملک اور اسلام کی جو خدمت انجام دی ہے، اس میں ان کی کوششوں کا کم اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا زیادہ دخل ہے اور اقوام متحدہ میں عالم اسلام کی نمائندگی کا اعزاز خود ان کا نہیں بلکہ پاکستان اور پاکستان کے عوام کا ہے۔

صدر نے ملک کے اندرونی حالات کی طرف بھی حاضرین کی توجہ مبذول کرائی اور کہا کہ پاکستان میں اسلام کے علاوہ اور کوئی نظریہ نہیں چل سکتا، کیونکہ اسلام ہی پاکستان کی بنیاد ہے۔ انہوں نے گزشتہ ڈیڑھ سال کے دوران کونسلروں کی کارکردگی کو سراہا اور کہا کہ چونکہ اس وقت ہماری کوئی پارٹی نہیں ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ کونسلروں کا عوام کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رابطہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کو تین اہم مسائل

درپیش ہیں۔ مہنگائی، امن وامان اور بدعنوانی ۔ کونسلر صاحبان کو ان تین وباؤں کو ختم کرنے میں تعاون کرنا چاہیئے۔ انہوں نے کونسلروں کو خبردار کیا کہ پاکستان کے دشمن تاک میں بیٹھے ہیں، اس لئے ہمیں اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں تاکہ ملک دشمن عناصر کے عزائم کو ناکام بنایا جاسکے ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ

گورنر صوبۂ سندھ، جنرل عباسی صاحب،

جناب الٰہی بخش سومرو صاحب،

سکھر میونسپل کارپوریشن کے میئر، جناب اسلام الدین صاحب

اور

معزّز حاضرین!

السّلام علیکم۔ چونکہ کافی عرصے سے مجھے سکھر آنے کا موقع نہیں مل سکا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ سندھ کے اس دورے میں آپ حضرات سے ضرور ملاقات کروں۔ کراچی سندھ کا حصّہ ضرور ہے لیکن صرف کراچی ہی تو سندھ نہیں۔ سندھ میں اگر آنا ہو تو پھر آپ کو سکھر بھی ضرور آنا ہوگا۔ صوبے کے موجودہ تین روزہ دورے کا مقصد یہ تھا کہ کراچی، حیدرآباد اور سکھر میں کونسلر حضرات، علمائے کرام، زکوٰۃ کمیٹیوں کے ارکان اور چیدہ چیدہ شخصیتوں سے ملاقاتیں کی جائیں۔ ان کے ساتھ گفت و شنید کی جائے

تاکہ ان کے خیالات و مسائل سے آگاہی ہو سکے اور ان تک اپنا اور حکومت کا نقطۂ نظر پہنچایا جا سکے۔ اس ملاقات کا بھی یہی مقصد ہے کیونکہ اس طرح ہم ایک دوسرے کے مسائل اور خیالات سے بخوبی آگاہ ہو سکتے ہیں۔ آپ نے میرے متعلق جو کلماتِ خیر کہے، اس کے لئے میں آپ حضرات کا مشکور ہوں۔ میں کسرِ نفسی سے کام نہیں لے رہا۔ یقین کریں میں آپ کا احسان مند ہوں اور دل کی گہرائیوں سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔ میں نے یا میرے رفقائے کار نے جو تھوڑی بہت خدمت کی ہے، اس میں ہماری کوششوں کو کم اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو زیادہ دخل رہا ہے۔ ہم جہاں اس کامیابی پر اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں، وہاں آپ کے بھی ممنون ہیں کیونکہ آپ کا تعاون اور آپ کی دعائیں ہمارے ساتھ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی آپ حکومت کی کوششوں میں ہاتھ بٹائیں گے تاکہ جو ذمہ داریاں ہم نے اٹھائی ہیں، انہیں صحیح معنوں میں پورا کر سکیں۔

اقوام متحدہ میں عالم اسلام کی نمائندگی کا جو اعزاز پاکستان کو ملا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔ یہ میرا کوئی ذاتی کارنامہ نہیں بلکہ پاکستان کی اس کامیابی کا سہرا عوام کے سر ہے۔ یہ اعزاز صحیح معنوں میں پاکستان کا اعزاز ہے۔

اگر آپ گردوپیش کے حالات کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طریقے سے ہماری مدد کی اور کس طرح پاکستان کو فائدہ پہنچا ہے۔ میں اس ضمن میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ افغانستان میں کیا حالات رونما ہوئے ہیں۔ دسمبر ۱۹۷۹ء میں روس نے افغانستان کو اپنی جارحیّت کا نشانہ بنایا۔ فروری ۱۹۸۰ء میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کا ہنگامی اجلاس ہوا اور اسی اجلاس میں پاکستان کے کردار کو سراہا گیا اور پاکستان کی سالمیّت کے لئے منصوبہ بندی کی گئی۔ اس اجلاس میں یہ طے پایا کہ چونکہ چودھویں صدی کا اختتام اور پندرھویں

صدی کا آغاز ہونے والا ہے، اس لئے اس موقع پر اقوامِ متحدہ میں عالم اسلام کی نمائندگی ہونی چاہیئے۔ خوش قسمتی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس اجلاس میں سب نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ یہ نمائندگی پاکستان کو کرنی چاہیئے۔ اس طرح پاکستان کو یہ اعزاز حاصل ہوا، جو ہم سب کے لئے قابلِ فخر ہے۔ یہ اعزاز میری وجہ سے نہیں بلکہ پاکستان نے عالم اسلام کے اتحاد کے لئے جو کام کیا ہے، اس کی بدولت اسے اس اعزاز کا مستحق سمجھا گیا۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کراچی میں میں نے اپنی تقریر میں چند ایک چیزوں کا ذکر کیا تھا۔ یہاں میں انہیں دہرانا نہیں چاہتا البتہ ایک دو امور کی طرف دوبارہ نشاندہی کرنا چاہتا ہوں۔ پاکستان میں اس وقت سیاسی حالات کیا ہیں؟ آئندہ کے لئے ہمیں کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟ لوگوں کی سوچ کیا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے بارے میں آپ نے ضرور غور و فکر کیا ہو گا اور ان مسائل پر آپس میں تبادلہ خیال بھی کیا ہو گا۔ میں نے بھی ان امور پر غور کیا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان میں اسلام کے علاوہ کوئی اور نظریہ نہیں چل سکتا۔ پاکستان کی اسلام سے وابستگی لازمی امر ہے اور جیسا کہ میں نے کراچی میں کہا ہے، پاکستان اور اسلام لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اس سلسلے میں ہمیں اہم کردار ادا کرنا ہے۔ جناب اسلام الدین صاحب، غلام احمد مہر صاحب اور الٰہی بخش سومرو صاحب نے صحیح کہا ہے کہ پاکستان کی بقا اس کے اسلامی تشخص میں مضمر ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور پلیٹ فارم اپنے لئے منتخب کرتا ہے تو وہ اپنے مقاصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا، لیکن اس سے مراد یہ نہیں کہ صرف اپنی کامیابی کے لئے اسلام کو اپنائیے

بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام ہی پاکستان کی بنیاد ہے اور ہمیں اس بنیاد کو مضبوط کرنا ہے۔

دوسری اہم چیز جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، وہ کونسلر صاحبان کی کارکردگی سے متعلق ہے۔ مجھے خوشی ہے اور میں بڑے فخر کے ساتھ کہتا ہوں کہ گزشتہ سال، ڈیڑھ سال کے دوران آپ کی کارکردگی انتہائی تسلی بخش رہی ہے۔ آپ حضرات جو تعمیری کام کر رہے ہیں، اس کے مثبت نتائج نکلنا شروع ہو گئے ہیں۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اپنے کام کی رفتار کو اور تیز کیجئے تاکہ آپ اور بہتر طریقے سے عوام کی خدمت کر سکیں اور صحیح معنوں میں عوام کی نمائندگی کا حق ادا کر سکیں۔

میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ کا دائرۂ اختیار محدود ہے، لیکن اس کے باوجود آپ پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ آپ اس دائرے میں رہ کر بھی زیادہ سے زیادہ خدمت سرانجام دے سکتے ہیں۔ عوام نے آپ سے بہت سی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں اور مجھے بھی آپ سے توقعات ہیں۔ اس وقت آپ حضرات ہی عوام کے منتخب نمائندے ہیں اور آپ کا دائرۂ اختیار محض یونین کونسل سے لے کر ڈسٹرکٹ چیئرمین تک محدود نہیں بلکہ صوبۂ سندھ میں خاص طور پر جو رابطہ کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں، ان کا تعلق کمشنری تک پہنچتا ہے۔

چونکہ اس وقت ہماری کوئی اپنی جماعت موجود نہیں اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ آپ کا عوام کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رابطہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو بعض مراعات دی گئی ہیں۔ کونسلر صاحبان کا وقار بڑھا کر وفاقی سطح تک لایا گیا ہے۔ اسلام آباد میں آپ کا ایک کنونشن Convention منعقد ہو چکا ہے۔ انشاء اللہ دوسرا کنونشن

بھی جلد بلایا جائے گا۔ کونسلر حضرات میں جو چیدہ چیدہ ارکان ہیں، انہیں کئی سطحوں پر کام کرنے کا موقع فراہم کیا گیا ہے جن میں ڈسٹرکٹ چیئرمین، میونسپل کارپوریشن کے میئر، میونسپل کمیٹی کے چیئرمین اور ڈسٹرکٹ کمیٹی کے چیئرمین جیسے عہدے شامل ہیں، اس کے علاوہ صوبے میں اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں رہتے ہوئے بھی آپ کئی اور اہم کام سرانجام دے رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ مزید اختیارات چاہتے ہیں کیونکہ آپ کے اندر کام کرنے کا جذبہ موجود ہے۔

یہاں میں مزید چند ایک چیزوں کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ کراچی میں بھی میں نے اس بارے میں کہا ہے اور حیدرآباد میں بھی اس کا ذکر کیا ہے، بات یہ ہے کہ اس وقت پاکستان کے عوام کو تین مسائل کا سامنا ہے جن کا علم میں سمجھتا ہوں آپ کو بھی بخوبی ہوگا، کیونکہ عوام سے دن رات آپ کا رابطہ رہتا ہے۔ مجھ سے زیادہ آپ اُن کے مسائل کو جانتے ہوں گے۔

ایک تو یہ کہ عوام کو مہنگائی کے مسئلے کا سامنا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں مہنگائی کا تعلق بین الاقوامی حالات کے ساتھ ہے۔ یہ صرف پاکستان تک محدود نہیں، دوسرے ممالک بھی اس کی زد میں ہیں۔ عالمی سطح پہ ایک ایسی فضا، ایک ایسی صورت حال Situation پیدا ہوگئی ہے کہ اس سے مکمل طور پر چھٹکارا حاصل کرنا کسی ایک ملک کے بس کی بات نہیں۔ تنہا پاکستان میں اس کے خلاف جنگ نہیں لڑی جا سکتی۔ اس کے باوجود پاکستان میں ممکنہ حد تک اسے روکنے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں اور کئے جا رہے ہیں۔ افراطِ زر کو ہم نے کافی حد تک کنٹرول میں رکھا ہے، لیکن پاکستان میں جہاں غربت ہے وہاں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بھی ہے۔ اگر آپ صحیح غربت دیکھنا چاہتے ہیں تو پڑوسی ملک میں جا کر دیکھئے کہ وہاں

کے عوام کی کیا حالت ہے۔ وہاں کے لوگوں کی قوتِ خرید کتنی ہے اور ہمارے یہاں یہ کس حد تک ہے۔ اللہ کے فضل سے اس خطّے کے دوسرے ممالک کے عوام کے مقابلے میں پاکستانی عوام کی قوّتِ خرید کہیں زیادہ ہے، لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم یہاں کسی قسم کا کوئی عذر پیش کرنا چاہتے ہیں یا مہنگائی کی وکالت مقصود ہے، بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جہاں ہمیں مہنگائی کے خلاف جنگ کرنی ہے اور اسے روکنے کی تدابیر کرنی ہیں، وہاں اسے برداشت کرنے کا حوصلہ بھی پیدا کرنا ہے۔

دوسرا مسئلہ چادر اور چار دیواری کے تحفظ کا ہے۔ لوگوں کو آج جو تکالیف ہیں، وہ اس وجہ سے نہیں کہ ملک میں الیکشن نہیں ہو پائے یا سیاسی پارٹیاں کام نہیں کر رہی ہیں۔ آج کوئی یہ نہیں کہے گا کہ الیکشن کروائیے یا یہ کہ ہمیں پولیٹیکل پارٹیز Political Parties کی ضرورت ہے۔ یہ بھی کوئی نہیں کہے گا کہ کونسلر صاحبان پر لوگوں کا اعتماد نہیں ہے اس لئے وہ صوبائی اسمبلیوں اور قومی اسمبلی میں اپنے نمائندے لانا چاہتے ہیں۔ آج اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔ لوگوں کو ان امور سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس وقت لوگوں کا جو اہم مطالبہ ہے وہ یہ ہے کہ چادر اور چار دیواری کی حفاظت کی جائے، لوگوں کی جان و مال اور عزّت و آبرو محفوظ ہو، چوریوں اور ڈکیتیوں کا خاتمہ کیا جائے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ان امور پر خاص توجہ دی جائے۔ جہاں تک موجودہ حکومت کا تعلق ہے، ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ ہر شخص کی عزت کی جائے۔ مجھے دوسروں کی عزت بھی اتنی ہی عزیز ہے جتنی کہ خود اپنی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی کو تھانے بلا کر بے عزت نہیں کیا گیا۔ کسی کی ماں، بہن سے کسی قسم کا کوئی ناروا سلوک نہیں کیا گیا۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ پاکستان کے عوام کو نہ صرف عزتِ نفس دیں بلکہ اُن میں

خود اعتمادی بھی پیدا کریں۔ میرا ہمیشہ سے یہ مطمح نظر رہا ہے کہ انتظامیہ عوام کی خدمت کرے۔

ہماری کوشش کے باوجود ہمیں اس امر کا اعتراف ہے کہ بعض عناصر امن وامان میں خلل ڈالتے رہتے ہیں جس سے لوگوں میں عدم تحفّظ کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ابھی یہاں سکھر آتے ہوئے جنرل عباسی صاحب اور میں دونوں گاڑی میں آ رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص نے روک کر مجھ سے فریاد کی۔ اس نے بتایا کہ کس طرح دن دہاڑے اس کی دکان لوٹ لی گئی اور ڈاکو ایک، ڈیڑھ لاکھ روپے کا سامان لوٹ کر فرار ہو گئے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب پڑھے لکھے لوگوں کی ٹولیاں بھی کہیں کہیں اس قسم کی حرکات کر رہی ہیں۔ لوگ شکایت کرتے ہیں کہ آئے دن چوریاں اور ڈکیتیاں ہوتی رہتی ہیں، لیکن انتظامیہ اور پولیس والے تماشائی بنے سب کچھ دیکھتے رہتے ہیں۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ جرائم کی روک تھام کے لئے موثر طریقہ کیوں نہیں اختیار کیا جاتا۔ میں آپ کے توسّط سے تمام کونسلر صاحبان کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں بھی آپ پر اتنی ہی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جتنی کہ مجھ پر اور میرے رفقائے کار پر۔ آپ حضرات بھی ہماری ٹیم Team میں شامل ہیں، اس لئے آپ بھی اس معاملے میں اسی قدر ذمّہ دار اور جواب دہ ہیں جس قدر ٹیم کے دیگر اراکین۔ اب آپ کہیں گے کہ جناب ہمارے پاس تو زیادہ اختیارات نہیں ہیں۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں اور اس پر بھی غور کر رہا ہوں۔ اس سلسلے میں جنرل عباسی صاحب کے ذہن میں ایک منصوبہ ہے جس پر اس صوبے میں عمل درآمد کیا جائے گا اور پھر اس کی کامیابی کے بعد دوسرے صوبوں میں بھی اسے رائج کیا جائے گا۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ کی کارکردگی نمایاں طور پر لوگوں کے سامنے آنی چاہیئے۔

ان دو تکالیف یعنی مہنگائی اور چادر اور چار دیواری کے عدم تحفظ کے علاوہ جس تیسری تکلیف کا عوام کو اس وقت سامنا ہے، وہ ہے معاشرے میں رشوت کی لعنت۔ رشوت اتنی بڑھ گئی ہے کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔ ایک طرف تو ہم اسلام کا نام لیتے ہیں، لیکن دوسری طرف رشوت لینے اور دینے سے گریز بھی نہیں کرتے۔ آج ایک شخص کا کام اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک وہ رشوت نہیں دیتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اس لعنت کی کوئی گنجائش ہے؟ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس لعنت میں سرکاری ملازم بھی مبتلا ہیں، پولیس والے بھی اور مختلف محکموں کا عملہ بھی۔ میں اس چیز کا بھی جائزہ لے رہا ہوں کہ کس طرح اس برائی سے نجات حاصل کی جائے۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آپ رشوت کیوں دیتے ہیں کیونکہ رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں ہی مجرم اور گناہ گار ہیں۔ رشوت دینے والا بھی اتنا ہی قصور وار ہے جتنا کہ لینے والا۔ دراصل ہماری اقدار بدل گئی ہیں۔ ہم مادیت اور حرص و ہوس میں مبتلا ہو چکے ہیں اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

لہٰذا میں کونسلر حضرات سے گزارش کروں گا کہ وہ انتظامیہ کے ساتھ مل کر عوام کو فوری اور سستا انصاف مہیا کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے لئے باعثِ اطمینان اور قابلِ فخر بات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہمیں کم از کم ان تین "وباؤں" پر قابو پانے میں مدد فرمائے۔

جنرل عباسی نے مجھے بتایا کہ سکھر میں خاص طور پر کونسلر حضرات، بہ الفاظِ دیگر بلدیاتی ادارے نہایت عمدگی سے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور ان کی کارکردگی ہر طرح سے تسلی بخش ہے۔ انہوں نے آپ کے کام کو بے حد سراہا ہے،

آپ کی بڑی تعریفیں کی ہیں اور آپ کے کام کی تفصیل سے مجھے راستے میں آگاہ کیا ہے۔ میں اس کامیابی پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میں اس لئے آپ کی تعریف نہیں کر رہا کہ سکھر آیا ہوں اور آپ حضرات سے مخاطب ہوں بلکہ آپ حقیقتاً لائقِ ستائش ہیں۔

آج سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے جب میں سکھر آیا تھا تو یہاں کے لوگوں کا اہم مسئلہ پینے کے پانی کی فراہمی کا تھا۔ مجھے اسلام الدین صاحب کی زبانی یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ اس مسئلے کو کافی حد تک حل کر لیا گیا ہے اور اس میں جو تھوڑی بہت کسر باقی رہ گئی ہے وہ بھی جلد پوری کر لی جائے گی۔

صوبائی حکومت تو آپ کی مدد کر ہی رہی ہے، لیکن اگر آپ کو وفاقی حکومت سے بھی کسی قسم کی مدد کی ضرورت پڑی تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم ضرور آپ کی مدد کریں گے۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ مالی اور مادی لحاظ سے آپ کی مدد کریں اور ہر طرح سے آپ کے ساتھ تعاون کریں۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اہم نکتہ جو میں برابر آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کرتا رہتا ہوں، وہ یہ کہ اسلامی اقدار کو فروغ دیجئے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، میری بات اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ اسلام کے بارے میں بات نہ کی جائے۔ یہاں صحافی حضرات بیٹھے ہیں۔ لاہور سے روانہ ہوئے مجھے تین روز ہو چکے ہیں۔ اس وقت بھی میں نے ان کی خدمت میں یہی عرض کیا تھا اور آج پھر دہرا رہا ہوں کہ صحافی حضرات اپنے قلم کی طاقت کو صحیح مقصد کے لئے استعمال کریں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ عوام کی صحیح سمت میں رہنمائی کریں۔ معاشرے کی اصلاح کے لئے کام کریں۔ لوگوں کے ذہنوں کی تربیت کریں۔ گو کہ یہاں پڑھے لکھے لوگ زیادہ نہیں، لیکن لوگ اتنے

بے خبر بھی نہیں۔ وہ باشعور ہیں، وہ ریڈیو سنتے ہیں، پاکستان اور بیرونی ممالک کی نشریات سنتے ہیں۔ لہٰذا صحافی برادری کا یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں کو صحیح حالات سے باخبر رکھے، عوام میں مثبت سوچ پیدا کرے، عوام کی صحیح خطوط پر ذہنی تربیت کا اہتمام کرے اور لوگوں کو صحیح بات بتائے۔ لوگوں کو صحیح ذہنی تربیت میری تقریر سے نہیں بلکہ صحافی برادری کی تحریر سے ہوگی۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے اپنے حلقۂ اثر میں لوگوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کریں۔ یہ فطری بات ہے کہ اگر آپ نماز پڑھتے ہیں تو اس کا اثر آپ کے قریبی لوگوں پر بھی ہوگا۔ اگر آپ زکوٰۃ دیتے ہیں تو کچھ دوسرے قریبی لوگ بھی آپ کی تقلید کریں گے۔ مجھے معلوم ہے کہ بہت سے لوگ دین کی نہ صرف خود پابندی کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس پر چلنے کی نصیحت کرتے ہیں۔

اندرونِ ملک موجودہ حالات اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت بہتر ہیں۔ جہاں تک بیرونی ممالک کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسا فضل کیا کہ اس وقت جو آنکھیں ہم پر بدنیتی سے اٹھنے والی تھیں، ان آنکھوں کی روشنی چھین لی گئی۔ اس وقت حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم مکمل طور پر داخلی یک جہتی کا ثبوت دیں۔ آپس میں مکمل اتحاد پیدا کریں، بجائے اس کے کہ ہم مختلف سیاسی پارٹیوں اور گروہوں میں بٹ کر اختلافات کو ہوا دیں۔ اس وقت یگانگت کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے، ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت ہے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں کی تکالیف اور ان کے مسائل کا حل تلاش کیا جائے تاکہ پاکستان کی صحیح معنوں میں خدمت کی جا سکے۔ داخلی قومی اتحاد کا بیرونی ممالک پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ جس طریقے سے بیرون ملک حالات سدھرنے یا بگڑنے سے اندرون ملک بھی اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں،

اسی طریقے سے اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ اس وقت پاکستان کے دشمن تاک میں بیٹھے ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور پاکستان کے خلاف کام کرنے والوں کے مذموم عزائم کو ناکام بنا دیں۔

مجھے اُمید ہے کہ کونسلر حضرات ان تمام پہلوؤں کا اچھی طرح جائزہ لیں گے اور انتظامیہ کے ساتھ مل بیٹھ کر متفقہ طور پر ایک ایسا لائحہ عمل مرتب کریں گے جس سے عوام کی تکالیف دور کرنے میں مدد مل سکے۔ اسی طرح آپ کا یہ فرض بھی ہے کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اسلامی اقدار کو پروان چڑھانے کے لئے کام کریں۔ صحافی حضرات کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کو مطالعے کے لئے صحیح قسم کا مواد فراہم کریں تاکہ لوگوں کی صحیح سمت رہنمائی ہو سکے۔ ہم سب کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ پاکستان کو نہ صرف ایک مثالی اسلامی مملکت بنائیں بلکہ یہاں مثالی اسلامی انتظامیہ بھی قائم کریں تاکہ عوام کے مسائل حل ہوں اور ان کی تکالیف دور ہوں۔

ان الفاظ کے ساتھ میں آپ حضرات کا ایک مرتبہ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اظہارِ خیال کا موقع دیا اور اپنے کلماتِ خیر سے نوازا۔ انشاء اللہ ہم سب مل جل کر پاکستان کو ایک عظیم اسلامی ریاست بنائیں گے۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

مسلم خواتین کی قومی کانفرنس سے خطاب

اسلام آباد : ۲۸ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کی تقریبات کے سلسلے میں ۲۸ اکتوبر کو مسلم خواتین کی قومی کانفرنس کا انعقاد ہوا جس کے افتتاحی اجلاس سے صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ امت مسلمہ کے لئے آئندہ صدی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ صدی اسلام کی برکت سے بنی نوع انسان کے لئے امن اور سلامتی کی صدی ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کے آغاز پر ہمیں اپنے عہدِ اسلام کی تجدید کرنی چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام میں عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات کا تصور رقابت کا نہیں، باہمی تعاون کا تصور ہے۔ اسلام مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کا محافظ سمجھتا ہے۔

صدر نے کانفرنس کے سامنے سات سوال غور و خوض کے لئے پیش کئے جو نفاذِ اسلام میں خواتین کے کردار، خواتین کی تعلیم و تربیت اور ملازمت، غربت، جہالت اور بیماری کے خلاف جہاد میں خواتین کے کردار سے متعلق تھے۔

اجلاس سے جناب اے۔ کے بروہی اور محترمہ گلزار بانو نے بھی خطاب کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

جناب اے۔ کے۔ بروہی صاحب،

محترمہ گلزار بانو صاحبہ،

معزّز خواتین وحضرات!

السّلام علیکم۔ میں جناب اے۔ کے بروہی صاحب کی فاضلانہ تقریر اور محترمہ گلزار بانو صاحبہ کے اٹھائے گئے نکات کا ذکر کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خواتین کے درجے کو ہم پہلے ہی وفاقی سطح پر لے آئے ہیں جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ یہ کانفرنس نیشنل اسمبلی ہال میں ہو رہی ہے میری آج کی تقریر میں آپ کو دو پہلو نظر آئیں گے۔ میں پہلے آپ کو اسلام کی کچھ باتیں بتاؤں گا اور اس کے بعد خواتین کو ان کی ذمّہ داریوں کا احساس دلاؤں گا۔

اس اجتماع میں کچھ مرد صاحبان بھی نظر آ رہے ہیں۔ خواتین کا معاملہ اتنا اہم ہے کہ اسے صرف خواتین ہی پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ جس طرح آپ بہت سے دوسرے اہم

جملے بنیں گی اسی طریقے سے میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ خواتین اور مرد حضرات گاڑی کے دو پہیوں کی طرح ہیں۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس گاڑی کے دو پہیوں کو کس طرح چلائیں۔

پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کے سلسلے میں منعقد ہونے والی ہر تقریب دینِ اسلام کی سربلندی کے لئے اظہارِ عزم کا ایک ذریعہ ہے۔ مسلم خواتین کی قومی کانفرنس میں ہمیں چاہیئے کہ ایک بار پھر ہم اپنے عہدِ اسلام کی تجدید کریں اور اس پر خلوصِ نیت سے عمل پیرا ہونے کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ امتِ مسلمہ کے لئے آئندہ صدی ہجری بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ ہماری آرزوں اور امنگوں کو برلانے کی صدی ہو سکتی ہے اور یہ صدی اسلام کی برکت سے بنی نوع انسان کے لئے امن اور سلامتی کی صدی ہو سکتی ہے۔ یہ ایک جدوجہد ہے، ایک جہاد ہے جو عالم اسلام کو درپیش ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ اس جدوجہد میں پاکستان ایک نہایت متحرک اور فعال کردار ادا کرے۔

ہمیں یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہیئے کہ جیسے جیسے احیائے اسلام کی تحریک زور پکڑتی جائے گی، اسلام دشمن طاقتوں کی مخالفت بھی بڑھتی جائے گی اور ہمیں نئی نئی رکاوٹوں اور مشکلوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ عالمِ اسلام کو جن حالات کا اس وقت سامنا ہے، وہ انہی سازشوں کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے ہمیں بیک وقت مخالفتوں سے نپٹنے اور رکاوٹوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تیار رہنا چاہیئے اور اپنے آپ میں ایسی ہمت اور جذبہ پیدا کرنا چاہیئے کہ احیائے اسلام کے مشن کی تکمیل ہو سکے۔ ہم نے پاکستان میں نظامِ اسلام کے قیام کے لئے مقدور بھر کوشش کی ہے۔ گزشتہ تین برسوں کی قلیل مدت میں حکومتِ پاکستان نے چند بنیادی اور دور رَس

اسلامی قوانین نافذ کئے ہیں اور مزید اقدامات زیرِ غور ہیں۔ نفاذِ شریعت کا کام یکسوئی اور یک جہتی کا متقاضی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ اس سلسلے میں جب بھی اہم اقدامات کئے جاتے ہیں، مختلف مفادات حرکت میں آجاتے ہیں اور تفریق و انتشار پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بہت تکلیف دہ اور افسوسناک بات ہے کہ اس دین کو جسے متحد اور منظم کرنے والی طاقت ہونا چاہیئے، بعض لوگ گروہ بندی، فرقہ پرستی اور اختلافات کو ہوا دینے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ پوری قوم کو ان شرپسند عناصر کے عزائم کو ناکام بنانے کے لئے متحد رہنا چاہیئے تاکہ ہم نفاذِ اسلام کا کام آگے بڑھا سکیں اور عوام کو ان کی صحیح منزل تک پہنچا سکیں۔

خواتین و حضرات!

اس کانفرنس میں آپ نے کئی عالمانہ تقریریں اور مقالے سنے ہوں گے۔ ان تقاریر سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آج کی پاکستانی خواتین عملی میدان میں کتنا آگے بڑھ چکی ہیں اور زندگی کے حقائق پر کتنی گہری نظر رکھتی ہیں۔ آج سے صرف نصف صدی پہلے مسلمان تعلیم یافتہ خواتین کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب وہ جادۂ ترقی پر گامزن ہو چکی ہیں۔ اگرچہ ہماری عورتوں میں شرح خواندگی بمشکل گیارہ فی صد ہے، لیکن پہلے کی نسبت پڑھی لکھی خواتین کی تعداد بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ حکومت بھی فروغِ تعلیم کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں دینے کی کوشش کر رہی ہے کیونکہ یہ سمجھتی ہے کہ کسی معاشرے کی عظمت کا راز اس کے پرہجوم شہروں، اس کی بلند و بالا عمارتوں، اس کی فیکٹریوں اور کارخانوں اور اس کی مشینی طاقتوں میں نہیں ہوتا بلکہ اس کی تہذیبی قدروں اور اس کی اخلاقی قوتوں میں ہوتا ہے اور تہذیبی قدروں اور اخلاقی قوتوں کی امین

اس معاشرے کی خواتین ہوتی ہیں۔ ان قدروں اور قوتوں کو جتنی دیانتداری سے خواتین اگلی نسلوں تک پہنچاتی ہیں، آنے والی نسلیں اتنی ہی مہذب اور متمدن ہوتی ہیں۔ اس تاریخی حقیقت سے آپ آگاہ ہوں گے کہ اسلام کی آمد سے پہلے دنیا میں عورتوں کو کتنا پست اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ سرزمینِ عرب میں تو خیر عورت کو کوئی حیثیت حاصل ہی نہ تھی۔ زمانۂ قدیم میں یمن، یونان، ہندوستان، مصر، روم، ایران اور چین جیسے ممالک اگرچہ تہذیب و حکمت کے گہوارے سمجھے جاتے تھے، لیکن ان میں بھی خواتین کو کوئی حیثیت حاصل نہ تھی۔ بعض ملکوں میں تو انہیں قابلِ فروخت مال و متاع سمجھا جاتا تھا۔ اسلام وہ پہلا نظامِ حیات ہے جس نے عورت کو ذاتی تشخص عطا کر کے اسے زندگی میں ایک باقاعدہ حیثیت مہیّا کی، اسے وراثت میں حصہ دار بنایا، اس کے حقوق کو سرِ عام تسلیم کیا اور ان حقوق کو پورا کرنے پر زور دیا۔ آپ قرآن حکیم پر نظر ڈالیں تو آپ کو جگہ جگہ مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر نظر آئے گا جس سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کی بذاتِ خود ایک حیثیت ہے جسے اسلام تسلیم کرتا ہے۔ آپ کو سورۂ احزاب کی وہ آیتیں یاد ہوں گی جن میں تکرار کے ساتھ مرد و زن کا ذکر آتا ہے۔

یعنی مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔

اسلام میں عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات کا جو تصوّر پایا جاتا ہے، وہ باہمی رقابت کا نہیں، باہمی تعاون کا ہے۔ سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ "مومنین اور مومنات ایک دوسرے کے محافظ ہیں۔ وہ نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں

سے منع کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں"۔ اس آیت کریمہ میں مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کا محافظ کہا گیا ہے ، دونوں کو نیکیوں کا حکم دیا گیا ہے اور برائیوں سے روکا گیا ہے، یعنی انہیں اعمال میں برابر کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور دوسری اقوام کے ساتھ میل جول کی وجہ سے اسلام کی طرف سے عطا کردہ ان حقوق کو نظر انداز کیا جانے لگا ہے۔ حتیٰ کہ خود مسلمان خواتین بھی اپنے حقوق سے بے خبر ہوگئیں۔ ان حقوق کی بازیافت کے لئے ضروری ہے کہ خواتین میں ان کے متعلق شعور پیدا کیا جائے اور انہیں اسلامی معاشرے میں ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جائے کیونکہ معاشرے کو بنانے یا سدھارنے کی کوئی کوشش اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک خواتین اس میں شریک نہ ہوں۔ ہمارے ہاں قصہ جو ہے وہ Emancipation of Women نہیں ہے۔ ہمارے ہاں جو قصہ ہے وہ یہ ہے کہ عورت کو اپنے حقوق اور اپنے فرائض کی یاد دہانی کروائیں۔ لہٰذا خواتین کو معاشرے میں اپنا کردار ادا کرنے کا اہل بنانے کے لئے حکومت اپنے تمام وسائل بروئے کار لا رہی ہے۔ اس سلسلے کا ایک اقدام خواتین کے ایک الگ ڈویژن کا قیام ہے جس کی سربراہ ایک باہمت اور باصلاحیت خاتون ہیں۔ اس ڈویژن کا کام خواتین کے مسائل کا جائزہ لینا اور انہیں حل کرنا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے تعاون سے اور مس گلزار بانو کی قیادت میں یہ ڈویژن اپنے مقاصد میں ضرور کامیاب ہوگا۔

ہم نے پچھلے دو تین برسوں میں کوشش کی ہے کہ خواتین معاشرے میں اپنا وہ جائز مقام حاصل کرلیں جس کی ضمانت اسلام نے مہیا کی ہے تاکہ وہ قومی ترقی

کے کاموں میں بھرپور اور موثر شرکت کر سکیں۔ اس سلسلے میں خواتین کے ڈویژن کو ضروری وسائل مہیا کیئے گئے ہیں تاکہ وہ عورتوں کی تعلیم، صحت اور معاشی ترقی کے کاموں کو آگے بڑھا سکیں۔ اس طرح تمام وفاقی وزارتوں اور صوبائی محکموں کو ہدایات جاری کی گئی ہیں کہ وہ اپنے پروگراموں میں عورتوں کی فلاح وبہبود پر خصوصی توجہ دیں اور تمام سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں خواتین کو مناسب ملازمت مہیا کرنے کا انتظام کریں۔ بلدیاتی اداروں میں خواتین کی شمولیت ضروری بنانے کے لئے مختلف سطحوں پر خصوصی نشستیں مقرر کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ عام نشستوں سے انتخابات میں ان کے حصّہ لینے پر بھی کسی قسم کی قید نہیں۔

ہم اپنے وسائل کے مطابق ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں کہ خواتین اس وقت جس امتیازی سلوک کا شکار ہیں، اسے جلد از جلد ختم کیا جائے۔ تاہم یہ اس وقت ممکن ہو سکے گا جب خواتین خود موجودہ وسائل سے فائدہ اٹھانے کے لئے آگے بڑھیں اور مزید ترقی و فلاح کے لئے اضافی وسائل پیدا کرنے میں حکومت کی مدد کریں۔

میں چاہتا ہوں کہ یہ کانفرنس ختم ہونے سے پہلے ان چند بنیادی سوالوں کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ سوالات یہ ہیں:۔

۱۔ پاکستان میں اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں خواتین کیا کردار ادا کر سکتی ہیں؟ میں نے یہ سوال نہ صرف عوام، علماء اور مشائخ کرام کے سامنے رکھا ہے بلکہ خواتین کے لئے بھی یہ سوال اہم ہے۔

۲۔ اسلامی معاشرے میں ان کے فرائض اور حقوق کیا ہیں۔ میں نے پہلے فرائض کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد حقوق کا ذکر کیا ہے اور ان حقوق کی کس طرح

مؤثر طور پر حفاظت کی جا سکتی ہے۔

۳۔ کون سے غیر اسلامی رسم و رواج خواتین کے حقوق کے منافی ہیں اور انہیں دور کرنے کے لئے کیا اقدام کئے جا سکتے ہیں؟

۴۔ قوم کی تعمیرِ نو میں خواتین کے کردار کو مؤثر بنانے کے لئے کس طرح کے تنظیمی ڈھانچے کی ضرورت ہے اور اسے کس طرح قائم کیا جا سکتا ہے؟

۵۔ اعلیٰ سطح پر دینی تعلیم و تربیت کی خاطر خواتین کے لئے خصوصی تعلیمی اداروں کا کیا انتظام ہونا چاہیئے اور اس کے لئے وسائل کیسے مہیا کئے جا سکتے ہیں؟

۶۔ تعلیم، صحت اور عام ملازمتوں کے میدان میں خواتین جس تغافل اور بے توجہی کا شکار ہیں، اسے جلد دور کرنے کے لئے کیا ذرائع اختیار کئے جائیں؟

۷۔ ملک سے جہالت، بیماری اور غربت دور کرنے کے جہاد میں عورتیں کیا خدمات انجام دے سکتی ہیں؟

ان سوالوں پر غور کرتے ہوئے ہماری پڑھی لکھی خواتین کو یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ ہمارے ملک کی تقریباً ۷۵ فی صد خواتین دیہات میں رہتی ہیں جہاں ابھی تک عورتوں کے لئے علم کی روشنی بہت کم ہے اور جہاں عورتیں اس دَور میں بھی زندگی کی ایسی سطح پر ہیں جو شہر کے مقابلے میں بہت نیچی ہے۔ اس لئے ہماری کوشش ہونی چاہیئے کہ ہم خواتین کی فلاح و بہبود کے لئے جو بھی اقدامات کریں، ان کے فوائد صرف شہروں میں رہنے والی عورتوں تک محدود نہ رہیں بلکہ ان سے دور دراز دیہات میں مقیم خواتین بھی فائدہ اٹھا سکیں۔

اگر آپ مناسب سمجھیں تو عورتوں کی ترقی اور فلاح و بہبود کے متعلق پالیسی مرتب کرنے کے لئے کسی مستقل اعلیٰ اختیاری ادارے کی ضرورت پر بھی غور کریں اور سوچیں

کہ ایسا ادارہ کمیشن کی شکل میں ہو یا مشاورتی کونسل کی صورت میں اور ایسے ادارے کے اغراض و مقاصد کیا ہونے چاہئیں۔

میں یہاں اس کا ذکر اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں ہمیں خواتین کو ان کے اپنے فرائض اور حقوق سے بہرہ ور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، وہاں ہمیں اس چیز پر بھی عمل کرنا چاہیئے کہ بعض چیزیں محض شخصی سطح پر ختم نہ ہو جائیں، اس لئے ایسے ادارے ہونے چاہئیں جو متواتر تسلسل کے ساتھ ان چیزوں کی طرف غور کر سکیں۔ میں اس کے حق میں ہوں کہ خواتین کے لئے ایک کمیشن یا ایک ایسے ادارے کا قیام ضروری ہے جو تسلسل کے ساتھ اس چیز پر غور کرے۔ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ میری مدد اس طرح کریں کہ کانفرنس ختم ہونے سے پہلے اس کے صحیح خطوط مرتب کر کے مجھے عنایت فرمائیں تاکہ میں اس پر عمل کر سکوں۔

جناب بروہی صاحب نے اپنی تقریر میں دو باتوں کا ذکر کیا ہے پہلے انہوں نے یہ کہا ہے کہ خواتین کے لئے الگ یونیورسٹی ہونی چاہیئے اور بروہی صاحب کا یہ مشورہ آج سے تین سال پہلے بھی تھا۔ میں نے متوازن ان کے اس مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن موجودہ حالات میں ہمارے سامنے جو سب سے بڑی مشکل ہے، وہ ہمارے مالی وسائل ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ ہم خواتین کے لئے ایک یونیورسٹی قائم کرنا چاہتے ہیں اور پھر دوسری یونیورسٹی۔ پہلی یونیورسٹی کا میں نے وعدہ کیا ہوا ہے۔ پہلی یونیورسٹی کراچی میں ہو گی اور دوسری یونیورسٹی لاہور میں ہو گی۔ اس کے بعد ان کے علاوہ خواتین کی اور یونیورسٹیاں قائم ہوں گی، لیکن میں آپ کے سامنے یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اوپن یونیورسٹی کا تصور جس کا بروہی صاحب نے ذکر کیا تھا میں نے پہلے اس پر غور نہیں کیا۔ ہمارے ہاں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ایک ایسی واحد یونیورسٹی

ہے جو بہت اہم کام کر رہی ہے۔ اس کے بہت سے فوائد ہیں۔ میں آپ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس یونیورسٹی کے تعاون سے بروہی صاحب کے مشورے کو فوری طور پر عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی جائے گی۔

خواتین کی یونیورسٹی اوپن یونیورسٹی کی سطح سے شروع ہوگی اور اس میں جہاں تک ٹی وی اور ریڈیو کے تعاون کا تعلق ہے اس پر بھی نہ صرف غور کیا جائے گا بلکہ اس پر فوری طور پر اور جس طریقے سے بھی ہو سکے گا، عمل کیا جائے گا۔ آپ میں صرف پڑھی لکھی عورتیں ہی نہیں بلکہ تعلیم کے میدان میں ماہر خواتین بھی موجود ہیں۔ آپ جانے سے پہلے اس کے کچھ خطوط کا تعین کر کے مجھے عنایت فرمائیں تاکہ بروہی صاحب کے مطالبے پر عمل کیا جا سکے کہ خواتین کی یونیورسٹی فی الحال الگ سے نہیں تو اسے اوپن یونیورسٹی کے ذریعے قائم کیا جائے اور اسے ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے ذریعے چلانے کی فوری طور پر کوشش کی جائے۔ اس سلسلے میں اس تجویز پر میں بہت دنوں سے غور کر رہا تھا اور کل شام جب میری مس گلزار بانو سے بات ہو رہی تھی تو انہوں نے بھی اس تجویز کو بہت اہمیت دی تھی۔

آج ہمارے درمیان ملک کے نہایت نامور قانون دان اور دینِ اسلام کی ایک نہایت نامور شخصیت جناب بروہی صاحب بیٹھے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں میں علماء کی کوئی کمی نہیں ہے۔ پاکستان میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہت سی ہستیاں ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ بعض ہستیاں اس دارِ فانی سے کوچ کر چکی ہیں۔ ہمیں ان کے خلا کو پُر کرنا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ بہت سی ہستیاں آج بھی موجود ہیں۔

ممکن ہے یہ میری لاعلمی کی وجہ سے ہو لیکن مجھے معلوم نہیں ہے کہ پاکستان

ہیں کوئی ایسی خاتون موجود ہیں جو نہ صرف دنیاوی بلکہ دینی علوم سے بھی بہرہ ور ہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے تو آپ نے بہت سے ایسے اداروں کے نام سُنے ہوں گے جہاں لڑکیوں اور بچیوں کو دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ ایک مدرسہ، مدرسۃ البنات میرے ذہن میں ہے جو میرے اپنے شہر میں تھا۔ پاکستان بننے کے بعد اسی مدرسۃ البنات کا اگر آپ جائزہ لیں تو وہاں کچھ اور ہی شکل نظر آئے گی۔ کیا پاکستان میں بچیوں، خواتین اور مستورات کو دینی تعلیم دینے کی ضرورت نہیں ہے؟ اگر ہے تو اس میدان میں ہم نے کچھ کام کیا ہے۔ اگر اس میں کچھ سست روی رہی ہے تو اسے جلد ختم ہونا چاہیئے۔

ایک اور موضوع پر میں صاف اور دوٹوک الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب تک خواتین کی ۵۰ فیصد آبادی اس ملک میں مردوں کے شانہ بشانہ نہیں چلے گی اس وقت تک پاکستان ترقی نہیں کر سکتا۔ آپ سائنس پڑھیئے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آپ ریاضی پڑھیئے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آپ قانون پڑھیئے، آپ جو چاہے پڑھیئے لیکن پڑھیئے ضرور۔

اسلام دینِ فطرت ہے۔ لِلّٰہ فطرت کے تقاضوں کو نہ بھولیں۔ میں اس کی زیادہ تشریح کرنا نہیں چاہتا۔ آپ کے اور میرے ذمے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرائض ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ان فرائض کو دین اسلام کے مطابق پورا کریں۔ ان فرائض کو پورا کرنے کے لئے آپ کو بطور خاتون کیا کرنا چاہیئے، گھر کے اندر والدین کو کیا کرنا چاہیئے، فرزند کو کیا کرنا چاہیئے، خواہر کو کیا کرنا چاہیئے، یہ باتیں آپ کے سوچنے کے لئے ہیں۔ دینِ فطرت کی طرف آپ ضرور توجہ دیجئے۔ اگر ہم نے دینِ فطرت کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیا تو پھر ہم بہت سی غلطیاں کریں گے۔

خواتین کو پڑھانا چاہیئے۔ خواتین کو تعلیم حاصل کرنی چاہیئے۔ خواتین اپنے گھر

کے اندر ایسا ماحول پیدا کریں جہاں ایک ایسی پود پھلے پھولے جو پاکستان کو نہ صرف مثالی بلکہ اسلامی مثالی ملک بننے کی طاقت بخشے۔ مجھے امید ہے کہ آج اس کانفرنس کے شرکا ان نکات پر سوچ کر میری رہنمائی فرمائیں گے تاکہ میں آپ لوگوں کی کچھ خدمت کر سکوں۔

میں آخر میں آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ پاکستان میں بفضلِ تعالیٰ ایسی خواتین موجود ہیں جو پس منظر میں رہ کر خاموشی سے اسلام کی خدمت اور شریعتِ نبویؐ کے فروغ کے لئے کام کر رہی ہیں۔ اسلام کے ساتھ ان کا لگاؤ اور خاموشی سے خدمت کا جذبہ نہ صرف ملک کا گراں قدر سرمایہ ہے بلکہ دیگر خواتین کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال بھی ہے۔ ہمیں ایسی قابلِ قدر خواتین کی خدمات کا اعتراف کرنا چاہیئے اور دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کام میں برکت دے۔ جہاں میں نے خواتین سے بہت سی گزارشات کی ہیں، وہاں میری توقع ہے کہ اس کانفرنس کے اختتام پر انشاء اللہ آپ کی طرف سے بہت مثبت مشورے اور تجاویز ملیں گی۔ میں اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے خواتین کی خدمت میں صرف تین نکات پیش کرنا چاہتا ہوں:

- پاکستان میں ہم اسلام کے احیاء کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ ہماری اقدار اسلام پر مبنی ہونی چاہئیں۔ اسلام سب سے پہلے جس کی طرف توجہ دلاتا ہے وہ تنظیم ہے۔ یہ میرا تین سال بلکہ تین سال سے کچھ زیادہ عرصہ کا مشاہدہ ہے اور آپ جب بھی اس پر غور کریں گی تو آپ میرے اس خیال سے اگر اتفاق نہ کریں گی تو کم از کم اس پر ایک ہمدردانہ نظر ضرور ڈالیں گی۔
- قائدِ اعظم نے ہمیں جو نصب العین دیا تھا اس کی بہت سی مصلحتیں تھیں، اتحاد،

ایمان اور نظم ۔ اتحاد کے لئے آپ کوششیں کر رہے ہیں ۔ ایمان کا ذکر اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک اسلام اور پاکستان قائم ہیں ، لیکن اس وقت قائم اور دائم رہنے کے لیئے جب تک ہم اپنے درمیان نظم و ضبط پیدا نہیں کریں گے، اس وقت تک کچھ نہیں ہو سکتا ۔ اس نظم وضبط میں آپ کا بہت بڑا حصّہ ہے ۔ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ اپنے گھروں کے اندر ، اپنے دائرۂ اختیار کے اندر ، اپنے نرم لہجے میں ، اپنے ترش لہجے میں ، جس طریقے سے آپ بہتر سمجھیں ، نظم وضبط پیدا کریں اس قوم کو اس وقت جو سب سے بڑی ضرورت ہے وہ دینِ اسلام کے بعد نظم وضبط کی ہے ۔ نظم وضبط کے ساتھ دینِ اسلام کا تذکرہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک ہم اس کے فرائض اور اس کے خاص خاص ارکان کا ذکر نہ کریں ۔ اس سلسلے میں آپ قوم کی بڑی رہنمائی کر سکتی ہیں ۔

جہاں تک نماز ، زکوٰۃ اور روزے کا تعلق ہے، آپ یقین کیجیئے کہ آپ کی راہنمائی نہ صرف آپ کے اپنے عزیزوں کے لیئے ضروری ہے بلکہ قوم کے لیئے بھی ضروری ہے ۔ مجھے اُمید ہے کہ خواتین اس سلسلے میں ایک مثالی کردار ادا کریں گی ۔ میں نے صرف تین ارکانِ دین کا ذکر کیا ہے ۔ باقی ارکان بھی اہم ہیں، لیکن ان تین ارکان کا خواتین کی عملی زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہے ۔

میں آخر میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اس اجتماع میں شرکت کی دعوت دی اور اظہارِ خیال کا موقع دیا ۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ یہ کانفرنس مثبت

اندازِ فکر اور غور و خوض کے بعد مفید اور کارآمد تجاویز مرتب کرنے میں انشاءاللہ تعالیٰ کامیاب ہو گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

پاکستان پائندہ باد

کل پاکستان گرل گائیڈز کیمپ کے افتتاح کے موقع پر خطاب

اسلام آباد : ۲۸ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

۲۸ اکتوبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلام آباد میں کل پاکستان گرل گائیڈز کیمپ کا افتتاح کیا جو ہجری صدی کی تقریبات کے سلسلے میں منعقد کیا گیا تھا۔ صدر نے اپنی افتتاحی تقریر میں گرل گائیڈز کے پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کی تقریبات کے پروگرام کو سراہا اور کہا کہ یہ پروگرام اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ملک میں اسلامی نظام کے پروگرام کو پورا کرنے میں گرل گائیڈز تحریک کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ انہوں نے گرل گائیڈز کو مشورہ دیا کہ وہ پندرھویں صدی ہجری کی اس یادگار تقریب میں اس بات کا عہد کریں کہ وہ پاکستان کی نئی نسل کو خالص اسلامی اقدار اور روایات کے مطابق تربیت دیں گی تاکہ وہ آگے چل کر نہ صرف ملکی ذمہ داریاں سنبھال سکیں بلکہ نفاذِ اسلام کا جو عمل شروع ہو چکا ہے، اسے آگے بڑھا سکیں اور مستحکم بنا سکیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر آج ہم اپنی بنیادیں صحیح کرنے میں کامیاب ہو سکے تو کل جو عمارت تعمیر ہو گی وہ شاندار اور پائیدار ہو گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ

محترمہ بیگم جی۔اے خان صاحبہ،

مہمانانِ گرامی

اور

معزّز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کے سلسلے میں کل پاکستان گرل گائیڈز کیمپ کے افتتاح کے لئے مجھے مدعو کر کے آپ نے میری جو عزت افزائی فرمائی ہے، اس کے لئے میں آپ کا از حد ممنون ہوں۔

گرل گائیڈز کی تحریک، مقاصد اور خدمات سے میں نہ صرف واقف ہوں بلکہ ان کا مدّاح بھی ہوں۔ آج بیگم جی۔اے خان نے ان باتوں کا اعادہ کر کے ماضی کے بہت سے نقوش تازہ کر دیئے ہیں۔ اس تحریک نے جس سے بیگم جی۔اے خان طویل عرصے سے منسلک ہیں، زمانہ امن اور جنگ کے دوران یادگار خدمات انجام دی ہیں جس

کے لئے میں بیگم صاحبہ اور ان کے ساتھیوں کو مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی اپنی روایات کو اسی جذبے اور شوق سے تازہ رکھیں گی۔

گرل گائیڈز تحریک اب ایک عالمی تحریک بن چکی ہے اور ہر قوم و ملک نے اس تحریک کی اشاعت و ترقی کے لئے اپنے قومی پروگرام بنا رکھے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ پاکستان بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ملک میں اب اسلامی نظام کا سورج طلوع ہو چکا ہے اور عملی زندگی کے ہر گوشے میں اس کی روشنی پھیلنے لگی ہے۔ ہجری تقریبات کے سلسلے میں آپ نے جو پروگرام مرتب کیا ہے وہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ آپ کی تحریک اس نئے قومی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کمربستہ ہو چکی ہے۔ پاکستان گرل گائیڈز اس فرض شناسی پر پوری قوم کے شکریے اور مبارکباد کی حقدار ہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ گرل گائیڈز تحریک اپنے اغراض و مقاصد اور لائحۂ عمل کو اسلامی اقدار کے سانچے میں ڈھالنے اور انہیں اپنی تمدنی روایات اور عظیم فلسفۂ حیات سے ہم آہنگ کرنے کے اس عمل کو پوری استقامت سے جاری رکھے گی اور جہاں دنیا کے دوسرے اکابرین سے سبق لے گی، وہاں صحابۂ کرامؓ اور نامور مسلمان خواتین کے کارناموں سے بھی رہنمائی حاصل کرے گی۔ یہ عمل جہاں اس تحریک سے اجنبی اثرات زائل کرے گا، وہاں اسے ملکی اور ملّی تقاضوں سے بھی ہم آہنگ کرے گا۔

اسلام کا تصوّرِ معاشرت "حقوق اللہ" اور "حقوق العباد" کی مستحکم بنیادوں پر استوار ہے۔ ہمارے لئے "حقوق العباد" اور خدمتِ خلق" محض انسان دوستی اور اخلاق کا ہی تقاضا نہیں بلکہ ایک افضل عبادت اور مذہبی فریضہ بھی ہے اور اس کے ساتھ ہماری دینوی فلاح ہی نہیں بلکہ آخرت نجات بھی وابستہ ہے۔

ہمارے بچے اور بچیاں ہماری امنگوں کی علامت ہیں۔ وہ کل کے پاکستان کا مقدر ہیں۔ وہ ہمارے قومی مستقبل کی ضمانت ہیں۔ ان میں اسلامی اخلاق پیدا کرنا اور تمدنی روایات سے ان کی آبیاری کرنا اسلامی معاشرے کے لئے از حد ضروری ہے اور میرے خیال میں گرل گائیڈز جیسی تحریک کے ذریعے یہ ضرورت پوری کرنے میں مفید مدد مل سکتی ہے۔ لہٰذا میں اس تحریک کی لیڈروں اور کارکنوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تحریک کے جملہ وسائل اور لائحۂ عمل کو اس قومی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے استعمال کریں اور پندرھویں صدی ہجری کی اس یادگار تقریب میں اس بات کا عہد کریں کہ وہ پاکستان کی نئی نسل کو خالص اسلامی اقدار اور روایات کے مطابق تربیت دیں گی تاکہ وہ آگے چل کر نہ صرف ملکی ذمہ داریاں سنبھال سکے بلکہ نفاذِ اسلام کا جو عمل شروع ہو چکا ہے، اسے آگے بڑھا سکے اور اسے مستحکم بنا سکے۔ اس سلسلے میں وزارتِ مذہبی امور، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، پاکستان نظریاتی کونسل اور وزارتِ تعلیم انہیں ضروری رہنمائی اور مدد مہیا کرنے کو تیار ہیں۔

مجھے یہ سُن کر خوشی ہوئی ہے کہ پاکستان گرل گائیڈز تحریک نے چاروں صوبوں کی تعلیمی اور سماجی ترقی کے لئے بہت جامع منصوبے بنائے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ ان منصوبوں کی اساس اسلام اور پاکستان پر ہو گی اور ان کے تحت جو پروگرام مرتب کئے جائیں گے ان میں بھی مشرقی روایات سے استفادہ کیا جائے گا تاکہ قوم کی بچیاں جہاں فلورنس نائٹ انگیل کے کارناموں سے روشناس ہوں، وہاں وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت رابعہ بصری جیسی جلیل القدر خواتین سے بھی واقفیت حاصل کر سکیں اور ان کے مجاہدانہ کارناموں سے عزم نو حاصل کر سکیں۔ میرا ایمان ہے کہ اگر آج ہم اپنی بنیادیں صحیح کرنے میں کامیاب ہو گئے تو کل جو عمارت تعمیر ہو گی، وہ

انشاءاللہ نہایت شاندار اور پائیدار ثابت ہوگی۔

آپ کے ہیڈ کوارٹر کی عمارت اپنی قوم کے جذبۂ ایثار کا نمونہ ہے۔ آپ کی مشکلات اور تکالیف کے تدارک کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ سی ڈی اے جیسے ادارے جو اس سلسلے میں مدد کر سکتے ہیں، انہیں مدد کرنے کی ہدایت کی جائے گی اور جہاں مالی اعانت کی ضرورت ہوگی وہاں ملکی وسائل کے مطابق مالی مدد بھی دی جائے گی۔ میں قوم کے مخیّر اور صاحبِ حیثیت لوگوں سے بھی اپیل کروں گا کہ وہ بھی دستِ تعاون بڑھائیں اور گرل گائیڈز کی مالی مشکلات دور کرنے میں مدد دیں۔

آخر میں مَیں ایک بار پھر آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اپنے اسلامی اور ملّی مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے عزمِ نو اور ایمانِ کامل عطا فرمائے۔

پاکستان پائندہ باد

جامعہ رضویہ ضیاء العلوم کے اجلاس سے خطاب

راولپنڈی : ۲۸ اکتوبر، ۱۹۸۰ء

۲۸ اکتوبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے راولپنڈی میں جامعہ رضویہ ضیاء العلوم کے اجلاس میں شرکت کی۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ دینی مدارس کے منتظمین کو چاہیئے کہ وہ ان اداروں کو اس طرح منظم کریں کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں تاکہ جس طرح بے شمار پبلک سکول حکومت کی تحویل میں نہ ہونے کے باوجود چل رہے ہیں یہ دینی ادارے بھی اپنی مدد آپ کے اصول کے تحت کام کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نے دینی مدارس کے متعلق ایک کمیٹی مقرر کی تھی جس نے اپنی رپورٹ پیش کر دی تھی۔ اب ان سفارشات پر عمل کرنے کا مرحلہ ہے تاہم یہ بات ضرور پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ بزرگانِ دین نے اسلام کی خدمت میں کسی کا سہارا نہیں لیا۔ انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ مذہبی اختلافات کو اچھالنا نہیں چاہیئے بلکہ دینِ اسلام کے فروغ کے لئے تمام اختلافات پسِ پشت ڈال دینے چاہئیں۔ صدر نے جامعہ رضویہ میں زیر تعلیم غیر ملکی طالب علموں کے متعلق اعلان کیا کہ ان کے تمام اخراجات حکومت برداشت کرے گی۔

اجلاس میں وزیر مذہبی امور جناب محمود اے ہارون، علامہ سید احمد کاظمی، سید حسن الدین شاہ، مفتی عبدالقیوم ہزاروی، پیر کرم شاہ اور مولانا قاسمی بھی موجود تھے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

جناب محمود اے ہارون صاحب، وزیر مذہبی امور،

حضرت علامہ سید احمد کاظمی صاحب، صدر تنظیم المدارس،

صدرِ محفل جناب سید حسین الدین شاہ صاحب، ناظم اعلیٰ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم،

جناب مفتی عبدالقیوم ہزاروی صاحب، ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس،

علمائے کرام

اور

معزز حاضرین!

السلام علیکم۔ گزشتہ علماء کانفرنس اور مشائخ کانفرنس منعقد کرنے کی وجہ تسمیہ آپ سب کو معلوم ہو گی۔ پاکستان کا بنیادی مقصد کیا ہے؟ اس کے بارے میں میں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ پاکستان کا مقصد جیسا کہ آپ جانتے ہیں لا الٰہ الا اللہ ہے، لیکن بہتر ہو گا کہ اب اس کلمے کو پورا کر دیا جائے یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

علماء کانفرنس اور مشائخ کانفرنس کا ذکر کرنے سے میرا مقصد آپ کو یہ بتانا ہے کہ اس ملک میں جب تک دین اسلام کا نام لینے والے، اس دین کی خاطر جان کی بازی لگانے کے لئے تیار ہیں، اس سرزمین پر بسنے والے آٹھ کروڑ انسانوں کے دلوں میں مشائخ اور علماء کے لئے عزت و توقیر موجود ہے اور جب تک ہم ان کے احکامات اور مشوروں پر عمل درآمد کرتے رہیں گے، ہمیں انشاء اللہ کامیابیاں ہی کامیابیاں حاصل ہوں گی۔ جب علمائے کرام، سنت رسولؐ کے پیروکاروں اور اللہ کا نام لینے والوں کے لئے ہمارے دلوں میں عزت و وقار کم ہو جائے گا یقین کیجئے اس وقت پاکستان کو نقصان پہنچے گا۔

حضرت علامہ سید احمد کاظمی نے ابھی اقوام متحدہ میں میری تقریر کا ذکر کیا ہے۔ یہ سب بزرگانِ دین اور اللہ کے بندوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ پاکستان کو اقوام متحدہ میں دنیا کے نوّے کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کرنے کا اعزاز حاصل ہوا اور نمائندگی کرنے کا یہ فریضہ مجھ جیسے ناچیز بندے کے ذریعے سرانجام پایا۔

جہاں تک مذہبی مدارس کا تعلق ہے، میں نے اپنے حالیہ دورۂ حیدرآباد اور سکھر میں بھی مقامی علماء اور مشائخ سے کہا تھا کہ دین کی خاطر کام کرنا صرف ایک خاص طبقے کا کام نہیں بلکہ یہ حکومت کی بھی ذمہ داری ہے۔ دینی مدارس کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ اس کمیٹی نے پاکستان کے تمام دینی مدارس کا جائزہ لینے کے بعد ایک جامع رپورٹ پیش کی ہے جس کی حکومت کی طرف سے منظوری دے دی گئی ہے۔ رپورٹ کی تمام سفارشات پر کس طرح سے عمل درآمد کیا جائے، دینی مدارس کو کس طرح ان کا صحیح مقام دلایا جائے اور ان کے مسائل اور مشکلات کو کس طرح حل کیا جائے، یہ تجاویز پیش کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔

دینی مدارس میں تنظیم المدارس، وفاق المدارس اور شیعہ مدارس کی رپورٹوں کا جائزہ لیا جا چکا ہے۔ اب ان کی سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کا مرحلہ ہے۔ اس سلسلے میں آپ سے گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ آج سے کئی سو سال پہلے بزرگانِ دین نے اسلام کی جو خدمت کی ہے، اس کے لئے انہوں نے کسی کا سہارا نہیں لیا۔ اگر سہارا لیا ہے تو اللہ اور اس کے رسولؐ کا۔ اس لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہمیں بھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے۔ اس وقت پاکستان میں بے شمار پبلک سکول بھی جو حکومت کی تحویل میں نہیں، چل رہے ہیں۔ حکومت نے کئی سکولوں اور کالجوں کو پرائیویٹ اداروں کی تحویل میں دے دیا ہے۔ بعض مذہبی ادارے بھی جو محکمۂ اوقاف نے تحویل میں لئے ہوئے تھے، ان کے مالکان کو واپس لوٹا دیئے ہیں۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب لوگ اپنی مدد آپ کرنے کا تہیّہ کر لیں تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں ان کی محنتوں کا پھل دیتا ہے۔

حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ تعلیمی مدارس اور اداروں کے مسائل و مشکلات حل کرنے میں ان کی مدد کرے۔ ہمیں اپنے اداروں میں اور اپنی دینی مجالس میں وسعتِ قلب سے کام لینا چاہیئے۔ آپ ایک طرف تو آیتِ قرآنی کا حوالہ دیتے ہیں کہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے، دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ فلاں فرقے کے اوپر ظلم ہو گیا یا فلاں فرقے کے اوپر زیادہ عنایت کر دی گئی۔ ان چیزوں کو دل سے نکال دیجئے۔ مسلمان تو بہت فراخ دل ہوتا ہے۔ اگر کہیں کوئی کوتاہی ہوئی تو اس سے درگزر کیجئے۔ آپ جیسے لوگوں کو جو سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنے والے ہیں، بہت وسیع القلب ہونا چاہیئے۔

میں آپ حضرات کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اس چیز کا جائزہ

لیجئے کہ اس وقت پاکستان کو کس طرح مستحکم کیا جا سکتا ہے۔ آیا ہمیں اس وقت آپس کے مذہبی اختلافات کو اُچھالنا چاہیئے یا اتفاق و اتحاد سے کام لینا چاہیئے۔ یہ میں آپ کی صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔ آپ خود اس بات کا فیصلہ کیجئے۔ لیکن میری آپ سے یہ گزارش ہے کہ جہاں دینِ اسلام کا نام ہو وہاں تمام اختلافات کو پسِ پشت ڈال دیجئے۔

جامعہ رضویہ میں زیرِ تعلیم ۲۵ غیر ملکی طالب علموں کے بارے میں میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ ان ۲۵ طلبا کے تمام اخراجات حکومت ادا کرے گی۔ جہاں تک مسجد کی تعمیر کی تکمیل کا تعلق ہے، اس کا فیصلہ جائزہ لینے کے بعد کیا جائے گا۔ حکومت اس بارے میں آپ کی ہر ممکن مدد کرے گی، لیکن میں پھر آپ سے یہی کہوں گا کہ آپ کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے۔ آپ کو اس سلسلے میں مخیّر حضرات سے بھی رابطہ قائم کرنا چاہیئے۔ دین اسلام کے ماننے والے تو ایسے ایسے لوگ موجود ہیں جو ایک مدرسہ تو کیا دس مدرسے تعمیر کروا سکتے ہیں۔ ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔ جیسا کہ ابھی آپ نے رپورٹ میں سنا ہے کہ جو تکالیف تھیں، وہ آہستہ آہستہ رفع ہو رہی ہیں۔ باقی بھی انشاء اللہ کچھ حکومت اور کچھ عوام کے تعاون سے اور کچھ آپ حضرات کی کوششوں سے رفع ہو جائیں گی۔

دینی مدارس کے بارے میں میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ آپ سب سے پہلے اپنے مقصد کا تعیّن کریں۔ ابھی کل سکھر میں ایک عالم دین نے پوچھا کہ جناب ہمارے دینی مدارس کے کیا مقاصد ہیں۔ دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبا کس کام آتے ہیں؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ ہمارے دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبا یا تو کسی دینی مدرسہ میں بطورِ معلّم ملازم ہو جاتے ہیں یا کسی مسجد میں بطورِ خطیب کام

کرنے لگتے ہیں۔ میں نے کہا کہ حضرت! امامت اور خطابت سے بڑھ کر اور کیا کام ہو سکتا ہے۔

مشکل یہ ہے کہ ہم نے مسجدوں کے اماموں اور خطیبوں کو اغیار کے زیر اثر وہی بلکہ اس سے بھی کم درجہ دیا ہے جو مندروں میں پجاریوں نے اپنے پروہتوں کو یا گرجوں میں پادریوں کو دیا ہے۔ ایک عالم دین کو جسے ہم مولوی کہتے ہیں، مسجد میں بٹھا دیتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ ہر جمعرات کو لوگوں سے روٹی کا تقاضا کرو اور جمعے کے جمعے لوگوں سے چندہ اکٹھا کرو۔ کیا یہی عزت ہے ہمارے دلوں میں علمائے کرام کی اور ان لوگوں کی جو پندرہ پندرہ سال دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں؟ اگر آپ کا مقصد بھی یہی ہے تو پھر آپ اپنے مقاصد پر نظر ثانی کیجئے۔ امامت کرنا میرے خیال میں ایک بہت بڑا اعزاز ہے، لیکن اس منصب پر فائز شخص کے لئے وسعتِ علم اور وسعتِ قلب دونوں بہت ضروری ہیں۔ اس لئے میں آپ سے گزارش کروں گا کہ اس تنظیم کے جتنے دینی مدارس ہیں، ان کے مقاصد کا صحیح تعین کیجئے۔

آپ جناب پیر کرم شاہ، جناب سید حسین الدین شاہ اور مولانا قاسمی صاحب جیسے بلند پایہ عالموں اور دیگر علمائے کرام کو دیکھئے۔ آپ کے پاس تو ایسے ایسے گل ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو ساری عمر ان کی علمی خوشبو سے اپنے آپ کو بہرہ مند کر سکتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ان علماء سے اکتسابِ فیض کریں۔ تنظیم المدارس کے آخری اجلاس میں یہ عہد کریں کہ ان مدرسوں سے ایسے گل نکلیں جو پاکستان کے گوشے گوشے کو اسلام کی خوشبو سے معطر کریں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اس طرف توجہ دیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس قابل بنائے کہ ہم لوگوں کی طرف دیکھنے اور سہارے

تلاش کرنے کے بجائے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر صحیح معنوں میں دین کی خدمت کریں، خدا اور اس کے رسولؐ کا سہارا لیں اور پھر پوری قوم کو ساتھ لے کر چلیں۔ اگر یہ جذبہ ہو گا تو پھر انشاء اللہ اہلِ پاکستان کے لئے کامیابیاں ہی کامیابیاں ہیں۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

اہلِ پشاور کے استقبالیے سے خطاب

پشاور : ۲ نومبر، ۱۹۸۰ء

۲ نومبر کو اہلِ پشاور نے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے اعزاز میں ایک استقبالیے کا اہتمام کیا۔ اہلِ پشاور کی طرف سے پشاور کارپوریشن کے میئر جناب نیاز محمد ارباب نے جو خطبۂ استقبالیہ پیش کیا، اس میں صدر کے کامیاب غیر ملکی دورے پر انہیں مبارکباد دی گئی جس کے دوران انہوں نے عالم اسلام کے نمائندے کے طور پر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کیا تھا۔ ملک میں عظمت اسلام کے اقدامات کے ساتھ یک جہتی کا اظہار کیا گیا۔ صدر کی تقریر انہی نکات پر محیط تھی۔ انہوں نے کہا کہ خدمتِ اسلام کے حوالے سے جو میری تعریف آپ نے کی ہے، اس سے خود آپ کی اسلام سے محبت کی عکاسی ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کی طرف تھوڑی بہت پیش قدمی کے باعث پاکستان کو اتنا بڑا اعزاز ملا ہے۔ اگر ہم مکمل طور پر اسلام کو اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں اپنا لیں تو پاکستان کا مقام کیا ہوگا!

صدر نے مسئلہ افغانستان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس مسئلے کا سیاسی حل چاہتے ہیں اور عالمی رائے عامہ ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری پالیسی اصولوں پر مبنی ہے اور ہم اسے کسی قیمت پر ترک نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اس کی سزا دی جا رہی ہے، ہماری فضائی حدود کی خلاف ورزیاں ہو رہی

ہیں اور ہمارے علاقے پر بم برسائے جا رہے ہیں، لیکن ہم کسی ملک پر فوج کشی برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم اپنا اصولی موقف کبھی ترک نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر خدانخواستہ ہمارے ملک پر حملہ ہوا یا ہماری سلامتی کو کوئی خطرہ لاحق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے دست و بازو میں اتنی قوت دی ہے کہ ہم اپنی سلامتی اور سرحدوں کی حفاظت کر سکیں استقبالیے میں گورنر سرحد جنرل فضل حق بھی شریک تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین

گورنر صوبہ سرحد جنرل فضل حق صاحب،

میونسپل کارپوریشن پشاور کے میئر نیاز محمد ارباب صاحب،

معززینِ شہر

اور

خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ اہالیانِ پشاور کی طرف سے نیاز محمد ارباب صاحب نے جو خطبۂ استقبالیہ پیش کیا ہے، میں نے اسے بڑے غور سے سنا ہے۔ میرے خیال میں ان کی تقریر کے تین حصے ہیں۔ میرا حالیہ غیر ملکی دورہ، اسلام کی عظمت اور سربلندی اور ہماری علاقائی صورتِ حال۔ اندرونِ ملک دوروں کے دوران میں بھی انہی موضوعات پر اظہارِ خیال کرتا رہا ہوں اور آج صوبۂ سرحد کے حوالے سے انہی پہلوؤں پر مزید روشنی ڈالوں گا، لیکن ان موضوعات پر آنے سے پہلے میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ

آپ نے بڑی محبت اور گرم جوشی سے میرا استقبال کیا، مجھے اس استقبالیے کی دعوت دی اور آپ نے خطبۂ استقبالیہ میں میرے لئے کلمات خیر کہے۔

آپ نے خدمتِ اسلام کے حوالے سے میری جو تعریف کی ہے اس سے خود آپ کی اسلام سے محبت اور عقیدت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ نفاذِ اسلام کے عمل سے حقیقی خوشی صرف انہیں حاصل ہوتی ہے جو خود اسلام کے شیدائی ہوتے ہیں۔ ورنہ نفاذِ اسلام کی خبر سن کر دشمنانِ اسلام کے پیٹ میں تو مروڑ پڑنے لگتے ہیں۔ اگر آپ کو آج ملک کے اندر اور ملک کے باہر اسلام کی عظمت اور سربلندی کے آثار نظر آتے ہیں اور آپ داد و تحسین نچھاور کرنے لگے ہیں تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ کو اپنا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ نے جس عظیم مقصد کے لئے جدوجہد کی جس لافانی نصب العین کے لئے یہ قطعۂ زمین حاصل کیا اور جس نظریۂ حیات کی حمایت میں ۱۹۴۷ء کا ریفرنڈم جیتا، اسے حقیقت کا رنگ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب اسے حقیقت کا رنگ دیا جا رہا ہے۔

آپ خود سوچیئے کہ اگر اسلام کی طرف تھوڑی سی پیش قدمی پر اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ایک عظیم الشان اعزاز سے نوازا ہے تو اسے مکمل طور پر اپنانے اور اسلام کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جاری و ساری کرنے کے بعد پاکستان کا مقام کیا ہو گا؟ انشاء اللہ ان اقدامات کے بعد یہ عالمِ اسلام میں ہی نہیں، اقوامِ عالم میں بھی عزت و تکریم کی معراج پر ہو گا۔ یہ ساری دنیا میں ایک منفرد اور یکتا ملک ہو گا جس کے باشندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس کے دین کی اطاعت کرے گا وہ اس کی عنایتوں اور برکتوں کا حقدار ہو گا۔ تو آیئے آج ایک دوسرے کو خراج تحسین پیش کرنے کی بجائے اس بات کا عہد کریں کہ ہم ۱۹۴۰ء

کی "قرار دادِ پاکستان" کے مطابق پاکستان کو صحیح معنوں میں گہوارۂ اسلام بنائیں گے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کریں گے۔ اسلام کی خاطر جیئیں گے اور اسلام کی خاطر مریں گے۔

میں نے اپنی ایک حالیہ تقریر میں کہا تھا کہ صوبۂ سرحد کے عوام کی طرح پاکستان کے تمام باشندوں کے دلوں میں اسلام کے لئے محبت اور عقیدت کا یہ عالم ہے کہ انہیں دنیا کے کسی خطے یا گوشے میں مسلمانوں پر کسی قسم کی زیادتی کی خبر ملے تو وہ رنجیدہ خاطر ہو جاتے ہیں، ان کے دل پسیجنے لگتے ہیں اور وہ اپنے بھائیوں کے درد سے خود تڑپ اٹھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دسمبر ۹، ۷ء میں جب افغانستان کے مسلمانوں پر روس نے فوج کشی کی تو پاکستان نے بلا تاخیر اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اس آواز میں درد اور احتجاج کی شدت اس لئے بھی زیادہ تھی کہ یہ واردات ہمارے دروازے پر ہوئی تھی اور اس واردات کے نتیجے میں ہزاروں افغان باشندے اپنا گھر بار چھوڑ کر پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ ان بے بس اور بے گھر مردوں، عورتوں اور بچوں کی تعداد تقریباً گیارہ لاکھ تک پہنچ چکی ہے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

ان مہاجرین کی بھاری اکثریت صوبۂ سرحد میں مقیم ہے۔ اس صوبے کے بہادر، فیاض اور مہمان نواز باشندوں نے جس طرح ان مہاجروں کو اپنے دامن میں جگہ دی ہے، اس سے عہدِ رسولؐ میں انصار اور مہاجرین کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔ یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ اس کے لئے صوبۂ سرحد کے باشندے بجا طور پر تحسین اور شکریے کے مستحق ہیں۔ مسئلۂ مہاجرین کا ایک قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ ایک دوسرے ملک سے آنے والے لاکھوں افراد تقریباً ایک سال سے یہاں مقیم ہیں، لیکن ان کی موجودگی سے کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا، کوئی سماجی پیچیدگی رونما نہیں ہوئی، کوئی مقامی یا غیر مقامی کا مسئلہ

کھڑا نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس ہوا یہ کہ افغان مہاجرین نے صبر و تحمل اور صوبۂ سرحد اور بلوچستان کے باشندوں نے اپنی روایتی مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا ہے اور مہاجر اور انصار نہایت خوشگوار ماحول میں وقت گزار رہے ہیں۔

پاکستان خواہ کتنی بھی مہمان نوازی کا مظاہرہ کرے، یہ سرزمین افغان مہاجرین کا مستقل مسکن نہیں ہو سکتی۔ انہیں ایک نہ ایک دن اپنے گھروں کو لوٹنا ہے۔ سردی گرمی، برسات اور برف باری میں زندگی گزارنا ان کا مقدر نہیں ہو سکتا۔ ان کی بدحالی بنی نوع انسان کے لئے ایک چیلنج ہے۔ ان کی خانہ بربادی ضمیرِ عالم کے لئے ایک احتجاج ہے۔ اگر آج اس احتجاج پر کان نہ دھرا گیا اور اگر آج اس چیلنج کا مقابلہ نہ کیا گیا تو کل یہ بلا کسی اور کا دروازہ کھٹکھٹا رہی ہو گی۔ پھر وقت کے دھارے کو موڑنا ناممکن ہو گا۔ لہٰذا کل کا تدارک ہمیں آج کرنا ہو گا۔ آئندہ کی پیش بندی کا اہتمام بلاتاخیر کرنا ہو گا اور بین الاقوامی اصولوں کی حمایت میں برابر آواز بلند کرتے رہنا ہو گا۔

ہم مسئلۂ افغانستان کا سیاسی حل چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ غیر ملکی فوجیں وہاں سے مکمل اور فوری طور پر واپس چلی جائیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ افغانستان کا اسلامی اور غیر جانبدار کردار بحال کیا جائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مہاجرین اپنے وطن عزت اور سلامتی کے ساتھ جائیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہاں کے باشندوں کو اپنی مرضی کی حکومت بنانے کا موقع دیا جائے، یہ صرف ہماری خواہش نہیں، پورے عالمِ اسلام کی خواہش ہے، اس خواہش کو تقریباً ساری اقوامِ عالم کی تائید حاصل ہے۔ میں نے اپنے حالیہ غیر ملکی دورے میں اس کا خود مشاہدہ کیا ہے اور جن ملکوں کے سربراہوں سے ملا ہوں انہوں نے اس معاملے میں دلی ہمدردی اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ہر ممکن مدد دینے اور ہر طرح تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ جس مسئلے پر عالمی

رائے عامہ کا یہ عالم ہو، اسے طاقِ نسیاں کے کسی خانے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔

خواتین و حضرات!

یہ اصولی موقف اختیار کرنے اور افغان پناہ گزینوں کی مدد کرنے کی پاکستان کو ایک سزا یہ ملی ہے کہ ہماری شمالی اور شمال مغربی سرحدوں کی متواتر خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔ نہتے اور بے گناہ مہاجرین پر گولیاں برسائی جا رہی ہیں اور ہماری سرحدی چوکیوں پر بلاشبہ اشتعال انگیز فضائی حملے کئے جا رہے ہیں۔ اس کی ابتدا چترال کے علاقے میں گزشتہ جنوری میں ہوئی تھی جب دشمن کا ایک جیٹ طیارہ چند میل تک ہماری سرحدوں کے اندر گھس آیا، لیکن کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد مارچ، مئی، جولائی، اگست اور ستمبر میں یہ سلسلہ مالاکنڈ، باجوڑ، وزیرستان اور خیبر ایجنسی میں جاری رہا جس سے کچھ جانی اور مالی نقصان بھی ہوا۔ اس سلسلے کا تازہ واقعہ ۲۴ اکتوبر کو شمالی وزیرستان میں ہوا جہاں خاموش دیہاتوں اور بے گناہ پناہ گزینوں پر گولیاں برسائی گئی ہیں اور ایک بچے سمیت تین مہاجرین زخمی ہوئے ہیں۔

ہم ان فضائی حملوں کے محرکات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ہم ان کے سیاسی اور فوجی مضمرات سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان حملوں سے پاکستان کو یہ باور کرانا ہے کہ اگر اس نے اپنی موجودہ روش نہ چھوڑی تو اسے بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ ہماری موجودہ روش، ہمارا موجودہ رویّہ اور ہماری موجودہ پالیسی چند اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے جنہیں ہم کسی قیمت پر ترک نہیں کر سکتے۔ ہم کسی ملک پر فوج کشی کے اقدام کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہم ایک اسلامی اور غیر جانبدار ہمسایہ ملک میں فوجی مداخلت پر خاموش نہیں بیٹھ سکتے۔ ہم انسانی اور اسلامی رشتے سے اپنے ملک میں پناہ لینے والوں کو دھکیل کر باہر نہیں پھینک سکتے۔ ہم فضائی حملے سہیں گے لیکن

اپنا اصولی موقف ترک نہیں کریں گے۔ لفظی اور عملی دھمکیوں سے ڈر کر اپنا قومی وقار اور اپنی ملکی عزت کسی قیمت پر نہیں بیچیں گے۔

حاضرینِ گرامی! جن قوموں کو اللہ تعالیٰ ہمتِ مردانہ اور جرأتِ رندانہ دیتا ہے، انہیں غیر معمولی قوتِ برداشت بھی عطا کرتا ہے۔ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے اتنی قوتِ برداشت دی ہے کہ ہم ان سرحدی خلاف ورزیوں اور اشتعال انگیزیوں کو برداشت کر سکیں اور ہم کر رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی ہمت اور اتنا حوصلہ بھی دیا ہے کہ اگر خدانخواستہ ہمارے ملک پر حملہ ہو جائے یا ہمارے ملک کی سلامتی کے لئے خطرہ پیدا ہو جائے تو ہم اس کا مؤثر طور پر دفاع کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دست و بازو میں اتنی قوت دی ہے کہ ہم اپنی قومی سلامتی اور ملکی سرحدوں کا تحفظ کر سکیں۔

مجھے جناب نیاز ارباب صاحب کے یہ کلمات سن کر خوشی ہوئی ہے کہ انہیں "پاک افواج کی صلاحیتوں پر مکمل اعتماد ہے"۔ میں افواجِ پاکستان کی جانب سے آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ پاک افواج کو بھی اپنے ہم وطنوں کی صلاحیتوں پر پورا اعتماد ہے اور باہمی اعتماد کی یہ فضا ہماری سلامتی اور بقا کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلح افواج نہ صرف جذبۂ جہاد سے پوری طرح سرشار ہیں بلکہ وہ ضروری ہتھیاروں سے بھی لیس ہیں۔ وہ اپنے پیشے میں طاق ہیں اور اپنا فرض نبھانا جانتی ہیں۔ ہمیں جس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ ملک کے عام شہریوں کو دفاعِ وطن کے مقدس کام میں شامل کرنا ہے۔ ہمیں فوجی تربیت کے کام کو کالجوں اور سکولوں کے علاوہ معاشرے کے دوسرے طبقوں تک بھی پھیلا دینا چاہیئے تاکہ تمام صحت مند مرد و زن اپنے آپ میں دفاعِ وطن کی اہلیت پیدا کر سکیں اور جب بھی ملک

پر کوئی آڑا وقت آئے تو وہ مؤثر طور پر اس کا دفاع کر سکیں۔

فوجی تربیت پر زور دینے سے ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ خدانخواستہ پاکستان پر حملہ ہونے والا ہے یا اس کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ فی الحال ایسی صورت نہیں ہے اور ہماری کوشش ہے کہ ایسی صورت ہرگز پیدا نہ ہونے پائے کیونکہ ہم کسی کے خلاف کسی قسم کے جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ البتہ یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ زندہ قومیں اپنے دفاع کے لئے خود تیار رہتی ہیں۔ وہ دوسروں پر تکیہ کرنے کی بجائے اپنے زورِ بازو پر انحصار کرتی ہیں۔ ہمیں بھی آڑے وقت کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اپنے عقیدے کو پختہ رکھنا چاہیئے۔ اللہ کے سوا کسی سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔ بلاوجہ کسی قسم کے اشتعال میں نہیں آنا چاہیئے، لیکن اگر کوئی حریص یا غاصب ہمیں اپنے ناپاک عزائم کا شکار بنانا چاہے تو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ ٹینک اور طیارے ہیں تو ان سے لڑنا چاہیئے توپیں اور رائفلیں ہیں تو انہیں استعمال کرنا چاہیئے اور اگر وہ نہیں ہیں تو کلہاڑیوں اور لاٹھیوں سے لڑنا چاہیئے۔

تمام مادی وسائل ختم ہو جائیں تو ننگے ہاتھوں سے لڑنا چاہیئے۔ یہ باتیں قرونِ وسطیٰ Middle ages کے قصّے نہیں، دورِ حاضر کی حقیقتیں ہیں۔ جب ہم میں ان حقیقتوں کو اپنانے کا جذبہ موجود ہو تو بڑی سے بڑی طاقت ہمارا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ انشاءاللہ۔

میں آخر میں ایک مرتبہ پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری عزت افزائی کے لئے اس شاندار تقریب کا اہتمام کیا اور میرے خیالات کو صبر و تحمل سے سُنا۔ شکریہ!

صوبۂ سرحد کے مردانِ حرّیت زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

پاکستان سکاؤٹ کیمپوری کے افتتاح کے موقع پر خطاب

اسلام آباد : ۲ نومبر، ۱۹۸۰ء

۲ نومبر کو صدر نے اسلام آباد میں پاکستان سکاؤٹ کیمپوری کا افتتاح کیا۔ انہوں نے کیمپوری کے شرکار کو بتایا کہ وہ بھی سکاؤٹ رہے ہیں اور مشورہ دیا کہ وہ اگر اپنے لباس میں کسی قدر ردوبدل کریں اور چیف سکاؤٹ جناب جسٹس ظہور الحق نے جو لباس پہنا ہوا ہے، ویسا ہی لباس پہنیں تو بہت مناسب ہوگا۔ انہوں نے سکاؤٹس سے کہا کہ ان کے تین عہد قابلِ قدر ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے دین کی طرف بھی توجہ دیں۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح سکاؤٹنگ کی سرگرمیوں کے لئے ڈسپلن ضروری ہے، اسی طرح سکاؤٹ اپنی زندگی کے ہر لمحے میں ڈسپلن پیدا کریں۔

صدر نے اس موقع پر ایک صدارتی ایوارڈ کا اعلان کیا جس کے تحت ہر سکاؤٹ ایسوسی ایشن کے منتخب کردہ بہترین سکاؤٹ کو ہر سال صدرِ پاکستان کی طرف سے خصوصی انعام دیا جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ

چیف کمشنر بوائے سکاؤٹس ایسوسی ایشن، جناب جسٹس ظہور الحق صاحب،

مہمانانِ گرامی،

عزیز سکاؤٹس

اور

حاضرینِ کرام!

السّلام علیکم۔ سکاؤٹس ایسوسی ایشن ایک بہت اہم ادارہ ہے۔ اس کی کارکردگی کے بارے میں آپ نے چیف سکاؤٹ صاحب سے خود سن لیا ہے اور آپ پہلے سے آگاہ بھی ہیں۔ میں ایک اہم بات عرض کرنا چاہوں گا اور وہ یہ کہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی اکثریت کا مذہب دینِ اسلام ہے۔ اس حوالے سے ہمارا تعلق تمام اسلامی ممالک سے ہے، لیکن ہمارا اپنا ایک مخصوص لباس ہے اور سکاؤٹس کو اس معاملے میں اپنے چیف کمشنر، جناب

جسٹس ظہور الحق صاحب کی پیروی کرنی چاہیئے۔ جو لباس انھوں نے پہنا ہوا ہے، اگر یہی لباس تمام سکاؤٹس پہنیں تو میرے خیال میں نہایت موزوں ہوگا۔ اس میں آپ تھوڑا سا رد و بدل کر سکتے ہیں۔ آپ سندھی ٹوپی پہنتے ہیں تو سندھی ٹوپی پہنیئے۔ اگر چترالی ٹوپی پہنتے ہیں تو چترالی ٹوپی پہنیئے۔ اگر آپ پاکستان کی جناح کیپ پہنیں تو پھر وہ سونے پر سہاگہ ہے۔

دوسری بات جو میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ سکاؤٹس میں بچے بھی شامل ہیں اور بڑے بھی۔ آپ کے تین عہد ہیں۔ جب آپ تین انگلیوں سے سیلوٹ کرتے ہیں تو گویا اپنے تین وعدوں کا یقین دلاتے ہیں لیکن آپ اس کے ساتھ ساتھ اپنے دین کی طرف بھی توجہ دیجئے۔

سکاؤٹس آرگنائزیشن کی تاریخ بہت پرانی نہیں ہے۔ اس کی تشکیل کو چند ہی سال ہوئے ہیں۔ دینِ اسلام چودہ سو سال سے رائج ہے اور اب ہم پندرھویں صدی ہجری کی تقریبات منا رہے ہیں۔ آپ اس بات کا اندازہ لگائیے کہ اسلام نے آپ کی توجہ انسانیت کی خدمت کرنے کی طرف دلائی ہے، اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اصولوں اور قوانین پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی ہے اور رسولِ مقبولؐ، صحابۂ کرامؓ اور بزرگانِ دین نے آپ کو یہ عمل کر کے دکھایا ہے۔ اسی دین کے جذبے سے ہم نے یہ ملک حاصل کیا۔ اس لئے سب سے پہلے ہماری توجہ اپنے دین کی طرف ہونی چاہیئے۔

جیسا کہ جناب جسٹس ظہور الحق صاحب نے ابھی بتایا ہے، اس کیمپ میں اسلام کے ارکان کی پابندی کی جاتی ہے اور نعت خوانی کی مجالس بھی ہوتی ہیں۔ یہاں ایک مسجد بھی ہے جہاں میں خود عصر کی نماز پڑھ کر آیا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنی

دوسری اہم مصروفیات کے ساتھ ساتھ پانچ وقت کی نماز بھی باقاعدگی سے پڑھتے ہوں گے۔ میں سکاؤٹ لیڈروں سے گزارش کروں گا کہ وہ بھی اس بارے میں کوتاہی نہ کریں اور اس طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دیں۔ خدا آپ کو اسلام کی ہدایات پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں اگر یہاں سکاؤٹس کیمپ میں آیا ہوں تو یہ میرا فرض ہے کیوں کہ میں بھی آپ کی طرح ایک سکاؤٹ ہوں۔ میں جناب جسٹس ظہور الحق صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے یہ موقع دیا۔ میں اپنے طالب علمی کے زمانے میں بھی سکاؤٹ رہا ہوں، لیکن ہمارے زمانے میں کچھ اور باتوں کی طرف توجہ دی جاتی تھی۔ آج ہمیں اسلام کے نام پر ایک نسل تیار کرنی ہے۔ آپ اس وقت کم عمر ہیں۔ آپ قوم کا مستقبل ہیں۔ آپ کو اس ملک کو صحیح بنیادوں پر استوار کرنا ہے۔ آپ کو اس ملک کی قیادت کرنی ہے اور قیادت کا صحیح راستہ دینِ اسلام کا راستہ ہے۔ اس لیے مجھے امید ہے کہ آپ اس طرف زیادہ توجہ دیں گے۔ قیادت کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ نہ صرف اسلام کے اصولوں کے پابند رہیں بلکہ بانیٔ اسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو صحیح راستہ دکھایا ہے، اس پر بھی گامزن ہوں۔

اتحاد، یقین محکم، نظم Unity, Faith, Discipline، یہ تین اصول آپ کے پیشِ نظر رہنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم میں اتحاد موجود ہے اور اسی اتحاد کے ذریعے ہم نے پاکستان بنایا ہے۔ ایمان جو ہے یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ ہم جذبۂ اسلامی سے سرشار ہیں، لیکن ڈسپلن کے لئے جب تک آپ محنت نہیں کریں گے، اس وقت تک آپ اس پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے۔ میں آپ سے

گزارش کروں گا کہ جس طرح سکاؤٹنگ کی تنظیم کے لئے ڈسپلن ضروری ہے، اسی طرح آپ زندگی کے ہر لمحے اور ہر حصے میں ڈسپلن قائم کیجئے۔

مجھے جب کبھی بچوں، بڑوں اور بزرگوں سے بات کرنے کا موقع ملتا ہے تو میں ان کی توجہ دین اسلام کی طرف دلاتا ہوں۔ آپ میں سے اکثریت طلبا کی ہے۔ آپ کو علم سیکھنا ہے۔ علم حاصل کرنے کے بعد پھر آپ کو اس ملک کی قیادت کرنی ہے۔ اسے آپ کو صحیح بنیادوں پر استوار کرنا ہے۔ لیکن یہ کام کرنے کے لئے جب تک آپ چند سنہری اصول نہیں اپنائیں گے، لوگ آپ کی قیادت میں کام نہیں کریں گے۔ آپ کی رہنمائی پر ان کو یقین نہیں آئے گا۔ لہٰذا آپ کو چاہیئے کہ آپ ہمیشہ سچ بولیں، بزرگوں کی عزت کریں۔ جب آپ کسی کی عزت کریں گے تو اپنی عزت کروائیں گے۔ سب سے بڑھ کر ماں باپ کی عزت کریں۔ اس کے بعد اساتذہ کا مقام آتا ہے۔ جب آپ اپنے استادوں کی عزت کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔

میں ان چند کلمات کے ساتھ آپ کو نہایت کامیاب کیمپوری منعقد کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں اور دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے اور کامیاب کرے۔ میں نے جناب جسٹس ظہور الحق صاحب سے کہا ہے کہ انشاء اللہ اگلے سال کوئٹہ میں اس سے بڑھ کر کامیاب کیمپوری ہوگی اور وہاں ملک کے ہر حصے سے سکاؤٹس آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اگر مجھے موقع دیا، زندگی دی تو میں بھی انشاء اللہ وہاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

میں جناب جسٹس ظہور الحق صاحب کی اجازت سے عرض کرنا چاہوں گا کہ ایسوسی ایشن کے کچھ ایسے ممبران ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اور بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے،

لیکن چند ایک نعمتوں سے وہ محروم ہیں۔ آپ کے ہاں چند ایک سماعت سے محروم اور نابینا سکاؤٹس ہیں۔ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ہمیں ان کی محنت پر نہ صرف داد دینی چاہیئے بلکہ انہیں کچھ انعام بھی دینا چاہیئے۔ میں جناب جسٹس ظہور الحق کے توسط سے انہیں ایک خاص تحفہ پیش کروں گا۔

میں یہاں یہ اعلان کرنے میں بھی خوشی محسوس کرتا ہوں کہ سکاؤٹس ایسوسی ایشن کی جو بھی ضروریات ہیں، نہ صرف بہاولپور میں بلکہ جہاں جہاں بھی آپ کو کچھ مالی امداد یا خصوصی اشیاء کی ضرورت ہے، حکومت پاکستان انشاءاللہ آپ کی وہ تمام ضروریات پوری کرے گی۔

اس کے ساتھ ہی میں آپ کی آٹھوں تنظیموں یعنی چاروں صوبائی، شمالی علاقہ جات، آزاد کشمیر، پی۔ آئی۔ اے اور ریلوے، ہر ایک سکاؤٹ ایسوسی ایشن کے لئے صدارتی ایوارڈ کا اعلان کرتا ہوں۔ ہر سکاؤٹ ایسوسی ایشن اپنے سب سے اچھے سکاؤٹ کو چنے گی اور آئندہ یہ خصوصی انعام صدرِ پاکستان کی طرف سے انہیں دیا جائے گا۔

ان الفاظ کے ساتھ میں اس کیمپوری کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں۔ شکریہ!

سکاؤٹس ایسوسی ایشن زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر
قوم سے خطاب

راولپنڈی : ۹ نومبر، ۱۹۸۰ء

۹ نومبر پندرھویں صدی ہجری کا پہلا دن تھا۔ اس روز صدر نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا دن جو اسلامی کیلنڈر کا پہلا دن ہے، جنگ و جدل اور فساد و عناد کے خاتمے اور امن و سلامتی اور اخوت و خوشحالی کے آغاز کا دن ہے۔ انہوں نے کہا کہ گزشتہ چودہ سو سال میں سے ایک حصہ مسلمانوں کے ارتقا ، ترقی اور عروج کا حصہ ہے۔ جس میں مسلمان علم و حکمت اور عدل و انصاف کا عَلم لئے دنیا میں بڑھتے چلے گئے اور دوسرا حصہ انحطاط کا ہے، جس میں سقوطِ بغداد، غرناطہ کی تباہی اور مغلوں کا زوال نظر آتا ہے۔ اس تبدیلی کے اسباب پر نظر ڈالیں تو وجہ ایک ہی نظر آتی ہے کہ جب تک مسلمانوں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھا، وہ کامران رہے اور جب اسلامی طرزِ فکر ترک کر دیا تو پستی اور غلامی کی گہرائیوں میں گر گئے۔ آج فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہمارا فیصلہ عزت اور وقار کے ساتھ جینے کا ہے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم بلا تاخیر ایک بار پھر اسلام کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور شرک و منافقت ترک کر دیں۔

صدر نے ملک میں نفاذِ اسلام کے اقدامات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس سے ہمارے خارجہ تعلقات پر بڑا خوشگوار اثر پڑا ہے اسلامی ممالک سے نہ صرف دوطرفہ تعلقات مستحکم ہوئے ہیں بلکہ ہم نے اسلامی ممالک کو قریب لانے میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

صدر نے کہا کہ پندرھویں صدی کے آغاز کی تقریبات بین الاقوامی سطح پر منعقد ہو رہی ہیں اور پاکستان میں بھی اس سلسلے میں علمی مذاکرے اور نمائشیں منعقد کی جا رہی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک ہجری ایوارڈ قائم کیا جا رہا ہے جس کے تحت ہر ہجری سال کے دوران نمایاں کارنامہ انجام دینے پر پانچ لاکھ روپے کا انعام دیا جائے گا۔ ڈاک کے نئے ٹکٹ اور ایک روپے اور پچاس پیسے کے نئے سکے جاری کئے جا رہے ہیں۔ مسلح افواج کے لئے ایک ہجری میڈل دیا جا رہا ہے اور اسلام آباد میں ایک اسلامی یونیورسٹی قائم کی جا رہی ہے جو اس ہجری سال میں کام شروع کر دے گی۔ اس کے علاوہ ملک میں نفاذِ اسلام کے کام کو تیز تر کیا جائے گا، جہالت کے خاتمے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے، غربت کے خلاف جہاد تیز تر کیا جائے گا اور اسلامی اصولِ عدل کے تحت انصاف کا حصول سستا اور آسان بنایا جائے گا۔

صدر نے کہا کہ آج جب ہم پندرھویں صدی ہجری میں داخل ہو رہے ہیں، ہمیں یہ عہد کرنا چاہیئے کہ ہم زندگی کا ہر لمحہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی یاد میں گزاریں گے، باعمل مسلمان بنیں گے، نئی صدی کو امن اور سکون کی صدی بنائیں گے اور آئندہ نسلوں کو ایک مضبوط اور مستحکم پاکستان دیں گے جس میں

اسلام کی بنیادیں مضبوط ہوں اور ہر پاکستانی کی خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم جان،
مال اور عزت محفوظ ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ

میرے بزرگو،

جواں عمر پاکستانیو،

بہنوں، بھائیو!

السّلام علیکم۔ آج کی یہ گھڑی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ آج ہم دو صدیوں کے سنگم پر کھڑے ہیں۔ آج ہم نے چودھویں صدی ہجری کا آخری سورج ڈوبتے اور پندرھویں صدی ہجری کا پہلا چاند طلوع ہوتے دیکھا ہے۔ آج ہم نے ایک مکمل صدی کو تاریخ کے تہہ خانے میں روپوش ہوتے اور نئی صدی کو ظہور پذیر ہوتے دیکھا ہے۔ یہ ایک ایسا موقع ہے جسے خاموشی سے گزار دینا بڑی غفلت اور اس سے استفادہ کرنا بڑی سعادت ہے۔ میں آج آپ سے مخاطب ہو کر یہی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اسلامی کیلنڈر کا آغاز ظہورِ اسلام، ولادتِ خاتم النبیّنؐ یا بعثتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا آغاز اس تاریخ ساز دن سے ہوتا ہے جب پیغمبرِ خدا حضرت محمد صلیؐ اللہ علیہ وسلّم نے مکّہ سے مدینہ ہجرت کی۔ اس

دن کو خود رسول اللہ کی زندگی میں اتنی اہمیت حاصل ہے کہ آپؐ کی حیاتِ مبارکہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک دورِ مکّی دور کہلاتا ہے اور دوسرا مدنی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس واقعے میں کیا راز تھا کہ اسے اتنی اہمیت حاصل ہوئی۔ میرے خیال میں اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس روز پیغامِ اسلام مکّہ کی گلیوں اور گھرانوں سے نکل کر دوسرے شہروں تک پھیلنے لگا۔ اس روز ہجرت سے قبل جنگ وجدل اور فساد وعناد کا ایک دور ختم ہوا اور امن وسلامتی اور اخوت وخوشحالی کا آغاز ہوا۔ اس روز انفرادی اصلاح سے اسلامی معاشرے کی طرف پیش قدمی ہوئی۔ اسلام کا یہ تاریخی سفر درحقیقت ظلمت کا نور کی طرف، جہل کا علم کی طرف اور ظلم کا عدل کی طرف سفر تھا۔ اس سفر کے نتیجے میں ایک ایسی ریاست، ریاستِ مدینہ وجود میں آئی جس نے غلاموں کو آدابِ جہانبانی سکھائے، جس نے حریتِ فکر کو نئی روشنی بخشی، جس نے ایک نئے فلسفۂ حیات کو عملی شکل دی۔ یہ تبلیغِ اسلام کا نتیجہ تھا کہ بلال حبشی "سیدّی، سیدّی" کہلائے۔ یہ اسی نظامِ حیات کا کرشمہ تھا کہ عدلِ فاروقی کے سامنے عدلِ نوشیرواں بھی مات کھا گیا۔ یہ اسی خزینۂ علم و دانش کا کمال تھا کہ جہالت کی سرزمینوں میں علم وحکمت کے مراکز قائم ہوئے اور جامعۂ قرطبہ، غرناطہ، نظامیہ اور الازہر جیسی دانش گاہیں قائم ہوئیں۔ یہ اور اس طرح کے سینکڑوں کارنامے جو مسلمانوں نے مختلف ادوار میں انجام دیئے، براہِ راست یا بلاواسطہ طور پر ہجرت کا نتیجہ تھے۔

آج جب اس واقعۂ ہجرت کو چودہ سو سال پورے ہو گئے ہیں، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آگے کا سفر اختیار کرنے سے پہلے ایک مختصر سی نظر پیچھے بھی ڈالیں، شاید ہمیں آئندہ کا زادِ راہ ماضی کے نقوش سے میسّر ہو سکے۔

پچھلے چودہ سو سال مجھے دو واضح حصوں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں، ایک

حصہ اسلام کے ارتقا ترقی اور عروج کا حصہ ہے اور دوسرا انحطاط اور تنزّلی کا۔ عروج کے زمانے میں ہمیں کہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عظیم حکمران نظر آتے ہیں جو نظامِ حکومت چلانے کا ایک قابلِ تقلید نمونہ چھوڑ گئے اور کہیں ابُو عبیدہ بن الجراح رض، خالد بن ولید، موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد جیسے الوالعزم سپہ سالار دکھائی دیتے جنہوں نے اسلامی قلمرو کی سرحدیں چین سے لے کر سپین تک پھیلا دیں۔ علم وحکمت کی دنیا میں کہیں امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ جیسے فقہا اور امام بخاریؒ اور امام مسلم جیسے محدّثین نظر آتے ہیں تو کہیں طبری اور بلاذری جیسے مورخین کہیں ابنِ خلدون جیسے مفکر ہیں تو کہیں ابنِ سینا، رازی اور غزالی جیسے فلاسفہ دکھائی دیتے ہیں۔

تصویر کا دوسرا رُخ یعنی تاریخِ اسلام کا دوسرا دور بڑا بھیانک اور روح فرسا ہے جو ہمیں کبھی سقوطِ بغداد کی یاد دلاتا ہے اور کبھی قرطبہ اور غرناطہ کی تباہی کے مناظر پیش کرتا ہے۔ کہیں مغلوں کے زوال کی داستان سناتا ہے اور کہیں یورپ کے مردِ بیمار کے واقعات تازہ کرتا ہے۔

اگر اس تنزّلی کے اسباب پر نظر ڈالیں تو مجھے اسکی ایک ہی وجہ نظر آتی ہے اور وہ ہے دینِ اسلام کے متعلق ہمارا رویّہ۔ جب تک مسلمانوں نے اسلام کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رکھا اور اس کے اصولوں پر کاربند رہے، وہ دین ودنیا دونوں میں کامیاب و کامران رہے اور جب اسلامی اندازِ فکر ترک کر دیا، راہ عمل سے کنارہ کشی کر لی، لہوو لعب میں غرق ہو گئے تو عزت وتکریم کی بلندیوں سے گر کر پستی اور غلامی کی گہرائیوں میں جا پڑے۔

آج چودھویں صدی کے اختتام اور پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر ہمیں یہ سوچنا اور فیصلہ کرنا ہے کہ ہم نے ایک فرد، ایک قوم اور ایک ملّت کے طور پر

ترقی اور عزت کو اپنانا ہے یا ذلت و تذلیل کو مقدر بنانا ہے۔ فیصلہ ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہے اور فیصلے کے نتائج چودہ سو سالہ تاریخ کے آئینے میں ہمارے سامنے ہیں۔ اگر ہمارا فیصلہ عزت و وقار کا فیصلہ ہے تو ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ اس کا صرف اور صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ہم بلا تاخیر ایک بار پھر اسلام کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں، شرک اور منافقت ترک کر دیں، اسلام کے احکامات کی مکمل پابندی کریں اور انفرادی سطح پر باعمل مسلمان اور اجتماعی طور پر صحیح معنوں میں ملتِ اسلامیہ کے رکن بن جائیں۔ ورنہ تاریخ کا فیصلہ ہمارے سامنے ہے اور ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ فیصلہ بڑا سخت اور بڑا عبرت ناک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجام سے بچائے۔

جہاں تک حکومت کا تعلق ہے یہ پہلے روز سے فیصلہ کر چکی ہے کہ قیامِ پاکستان کے مقاصد پورے کرنے کے لئے نفاذِ اسلام ضروری ہے۔ یہ نہ صرف عوام کی بھاری اکثریت کی خواہش ہے بلکہ یہی تاریخ سے ہمارا عہد بھی ہے۔ ہم اس عہد کو پورا کرنے کے لئے حتی المقدور کوششیں کر رہے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا ہم نے پہلے ڈیڑھ دو سال میں ابتدائی کام کو مکمل کر کے پچھلے سال ۱۲ ربیع الاوّل کو نفاذِ شریعت کا آغاز کیا تھا۔ نفاذِ اسلام کے سلسلے میں جو اقدام وقتاً فوقتاً کئے گئے ان میں شرعی حدود اور نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ تعلیمی، عدالتی اور سماجی شعبوں میں اسلامی اقدار کو بروئے کار لانے کے لئے کام ہو رہا ہے۔ ہم اس کام کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور عوام کے تعاون سے ہم اس میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔

اندرونِ ملک نفاذِ اسلام کی کوششوں کا ہمارے خارجی تعلقات پر بھی بڑا خوشگوار اثر پڑا ہے۔ ہم نے نہ صرف اسلامی ملکوں کے ساتھ دو طرفہ تعلقات مستحکم

کئے ہیں بلکہ تمام اسلامی ممالک کو قریب تر لانے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ گزشتہ تین سالوں میں اسلامی نوعیت کے جتنے بین الاقوامی اجتماع پاکستان میں ہوئے ہیں، اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے۔ ان اجتماعات میں اس سال منعقد ہونے والے اسلامی وزرائے خارجہ کے دو اجلاس خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان اتحادِ اسلامی کی تحریک کے دھارے یعنی Mainstream میں ہے۔ بین الاقوامی تعلقات میں بھی پاکستان اسلامی اخوت کا علمبردار ہے اور ہجری تقریبات میں بھی پیش پیش ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں، ہجری تقریبات کا خیال پہلی مرتبہ چند سال پہلے وزرائے خارجہ کی چھٹی کانفرنس میں پیش کیا گیا۔ اس خیال کو عملی شکل دینے کے لئے بارہ مسلمان ملکوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے فیصلہ کیا کہ تمام مسلمان ممالک سے درخواست کی جائے کہ وہ بین الاقوامی تقریبات کے علاوہ اپنے ہاں قومی سطح پر مذاکرے، کانفرنسیں اور نمائشیں منعقد کریں۔ حکومتِ پاکستان نے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک ۲۳ رکنی کمیٹی قائم کی جس نے چودھویں صدی ہجری کے آخری اور پندرھویں صدی ہجری کے پہلے سال کے لئے پروگرام وضع کئے۔

چودھویں صدی ہجری کے آخری سال میں اندرونِ ملک جو تقریبات منعقد ہوئیں، ان سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ اسی عرصے میں بین الاقوامی سطح پر جو اجتماعات منعقد ہوئے، ان میں حسبِ ذیل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:۔

- اس سلسلے کی ایک غیر معمولی تقریب اس سال جنوری میں سری لنکا میں منعقد ہوئی جس کا بنیادی مقصد مسلم اور غیر مسلم ممالک کے درمیان خیر سگالی کے جذبات کو فروغ دینا تھا۔

- فروری کے پہلے ہفتے میں اسلامی مرکز واشنگٹن نے "دورِ حاضر کی دنیا میں اسلام" کے موضوع پر ایک مذاکرہ منعقد کیا جس میں پاکستان سمیت عالم اسلام کے معروف مفکروں اور دانشوروں نے شرکت کی۔ اس کی ایک تقریب لندن میں بھی منعقد کی گئی۔
- اپریل ۱۹۸۰ء میں بحرین میں کتابوں کی ایک بین الاقوامی نمائش کا اہتمام کیا گیا ایسی ہی ایک نمائش برسلز میں بھی منعقد ہوئی۔
- ایک بین الاقوامی فقہ کانفرنس پاکستان میں منعقد کی گئی جس میں دنیا کے مسلمان ماہرینِ فقہ اور ماہرینِ قانون نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کی سفارش پر ایک مستقل بین الاقوامی لا کمیشن قائم کیا جا رہا ہے جس کے ذریعے نہ صرف قانون سے متعلق تعلیمی اداروں کے لئے نصاب مرتب کرنے میں سہولت ہوگی بلکہ بین الاسلامی سطح پر تبادلۂ خیال اور مثبت نتائج اخذ کرنے میں مدد ملے گی۔

نئی صدی ہجری کے پہلے سال میں جو تقریبات پاکستان میں منعقد کی جا رہی ہیں، ان میں سے چند ایک یہ ہیں :-

- پہلے سال ملک کی تمام یونیورسٹیاں مختلف موضوعات پر کانفرنسیں منعقد کریں گی۔
- اسی مہینے خطاطی کی ایک نمائش اسلام آباد میں منعقد ہو گی۔ اسی طرح کی ایک اور نمائش اگلے ماہ کراچی میں ہو گی۔
- جنوری میں مسلم سکالرز کا ایک بین الاقوامی اجتماع اسلام آباد میں ہو گا۔
- یکم مارچ کو پشاور میں خطاطی کی ایک بین الاقوامی نمائش ہو گی۔
- نئے ہجری سال کی ابتدا کے طور پر ۱۰ نومبر کو "سائنس اور اسلام" کے موضوع

پر ایک قومی کانفرنس ہو رہی ہے۔

- نئے ہجری سال کے آغاز پر نوبل پرائز کی طرز کا ایک "ہجری ایوارڈ" جاری کیا جا رہا ہے جس کی مالیت پانچ لاکھ روپے ہو گی۔ یہ ایوارڈ اس شخص کو دیا جائے گا جس نے نئے ہجری سال کے دوران پاکستان یا بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے کوئی نمایاں اور غیر معمولی کارنامہ انجام دیا ہو۔ اس سال ایوارڈ کے لئے مناسب شخص کا انتخاب کرنے کے لئے پاکستان کے چیف جسٹس، مسٹر جسٹس انوار الحق کی سربراہی میں ایک پانچ رکنی کمیٹی تشکیل دی جا چکی ہے۔
- یکم محرم سے ڈاک کے نئے ٹکٹ اور ایک روپیہ اور پچاس پیسے کے نئے سکے جاری کئے جا رہے ہیں۔
- افواجِ پاکستان اور دیگر متعلقہ افراد کو نئے ہجری سال کے آغاز پر "ہجری میڈل" دیا جا رہا ہے۔
- یکم محرم سے عدلیہ کے لباس اور طرزِ تخاطب کو بھی تبدیل کر کے اسلامی رنگ دیا گیا ہے جس کا اعلان پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ اب "مائی لارڈ" اور "یوّر لارڈ شپ" کے بجائے "جناب" اور جناب والا" یا "جناب عالی" کے الفاظ ہماری عدالتوں میں سنے جائیں گے اور اعلیٰ عدالتوں میں کرسئ عدل پر بیٹھنے والے اب قومی لباس، سیاہ شیروانی اور جناح کیپ زیب تن کریں گے۔
- یکم محرم سے اسلام آباد میں اسلامی یونیورسٹی کے قیام کی منظوری دی جا چکی ہے جو انشاء اللہ اگلے چند ماہ میں کام کرنا شروع کر دے گی۔

معززّ خواتین وحضرات! دیکھا جائے تو پانچ لاکھ روپے کے ہجری ایوارڈ کے سوا ان میں سے اکثر اقدامات ایسے ہیں جو علامتی نوعیت کے ہیں۔ زندگی میں

علامتوں کی اپنی نوعیت ہے اور ہم ان علامتوں کی قدر کرتے ہیں، لیکن ہم نے نئی صدی ہجری میں جن کاموں پر خصوصی توجہ دینے کا فیصلہ کیا ہے ان کا تعلق صرف علامتوں سے نہیں، ہماری روزمرہ زندگی سے ہے۔ اس ضمن میں ہماری ترجیحات یہ ہیں:۔

۱۔ سب سے پہلے ہم فروغِ اسلام کے عمل کو تیز تر کرنے پر توجہ دیں گے کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام زندگی کے جس شعبے میں اثر پذیر ہوگا، وہ شعبہ سنور جائے گا خواہ اس کا تعلق معیشت سے ہو یا تجارت سے، تعلیم سے ہو یا سماجی بہبود سے۔

۲۔ فروغِ اسلام کے بعد ہم سب سے زیادہ زور جہالت کے خلاف جہاد پر دیں گے کیونکہ اسلام خود جہالت کی تاریکی دور کرنے آیا تھا اور موجودہ دور میں کسی قسم کی بامعنی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ملک کی کثیر آبادی تعلیم سے بہرہ ور نہ ہو۔ ملک میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد بڑھانے کے لئے جہاں ہم عام تعلیم پر زور دیں گے، وہاں خواتین اور بالغوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دیں گے۔ اس سلسلے میں تعلیم کے لئے روایتی اور غیر روایتی دونوں قسم کے طریقے اپنائے جائیں گے۔ اس سلسلے میں علیحدہ یونیورسٹی قائم ہونے تک علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں ایک شعبہ خواتین کے لئے کھولا جائے گا۔ خواتین کی تعلیم کے لئے حکومت خصوصی اقدامات کرے گی۔

۳۔ ہمارا تیسرا محاذ غربت کے خلاف جہاد ہوگا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ترقی کا تصوّر مغربی ہو یا اسلامی، ترقی کی پہلی زد غربت اور افلاس پر پڑنی چاہیئے اور انشاء اللہ نئی صدی ہجری میں یہ زد ضرور پڑے گی۔ ہم ملک کے عام شہریوں کی معاشی حالت بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ بھوک، افلاس اور غربت کو ختم کرنے پر خاص توجہ

دیں گے۔ نظامِ زکوٰۃ کو زیادہ وسعت دیں گے اور اسے مزید مؤثر بنائیں گے۔ ہماری کوشش ہو گی کہ ملک سے غربت کے بدنما دھبے دھل جائیں۔ گداگر گداگری بند کر دیں اور ملک کے تمام شہری عزت اور آبرو کی زندگی بسر کریں۔ اس سلسلے میں حکومت مناسب سطح پر "نادار گھر" یا Destitute Homes قائم کرنے پر غور کر رہی ہے تاکہ جو لوگ معاشی مجبوریوں کی وجہ سے گداگری کی لعنت قبول کرنے پر مجبور ہیں، انہیں ان گھروں میں تحفظ دیا جائے اور جو پیشہ ور گداگر ہیں، ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔ اس سلسلے میں ضرورت پڑی تو مناسب قانون بھی بنایا جائے گا۔

۴۔ اسلامی مملکت میں جہاں جہالت اور غربت کی لعنتیں دور ہونی چاہئیں، وہاں سستا اور آسان انصاف بھی ملنا چاہیئے۔ اس لئے نئی صدی ہجری میں ہماری کوشش ہو گی کہ اس شعبے میں بھی خصوصی پیش قدمی کی جائے اور ملک میں صحیح اسلامی نظامِ عدل قائم کیا جائے۔

معزز خواتین و حضرات! یہ تھے وہ احساسات اور اقدامات جن کے ساتھ ہم نئی صدی ہجری میں داخل ہو رہے ہیں۔ آیئے اس موقع کی مناسبت سے سب سے پہلے عہد کریں کہ ہم زندگی کا ہر لمحہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں گزاریں گے۔ سچے اور باعمل مسلمان بنیں گے۔ محنتی اور محب وطن پاکستانی بنیں گے۔ پاکستان اور بنی نوعِ انسان کی ترقی اور بہبود کے لئے کام کریں گے۔ نئی صدی کو اسلام کی عظمت اور سربلندی کی صدی بنائیں گے۔ نئی صدی کو بنی نوعِ انسان کی خوشی اور خوشحالی کی صدی بنائیں گے۔ نئی صدی کو جہالت، غربت اور افلاس سے نجات کی صدی بنائیں گے۔ نئی صدی میں حق و صداقت اور عدل و انصاف کی فرمانروائی قائم کریں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس

صدی کو امن اور سکون کی صدی بنائیں گے۔

میں اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے آپ کی توجہ ایک نکتے کی طرف دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ چودھویں صدی ہجری میں ہمارے بزرگوں نے ایک آزاد اور خود مختار ملک قائم کرکے اپنی اولاد اور آئندہ نسلوں کے لئے ایک مثال قائم کی۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم پندرھویں صدی ہجری میں اپنی اولاد، جوان عمر نسل اور مستقبل کو کیا دیں گے۔ میرے خیال میں آئندہ نسلوں کے لئے نئی صدی ہجری کا اس سے بہتر کوئی تحفہ نہ ہوگا کہ ہم انہیں ایک مضبوط، محفوظ اور مستحکم پاکستان دیں۔ انہیں ایک ایسا گھر عطا کریں جس میں اسلام کی بنیادیں مضبوط ہوں، جس میں ہر پاکستانی کی خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم عزت، جان اور مال محفوظ ہو، جہاں ہر شخص کسی قسم کی فکر اور اندیشے کے بغیر بہتر مستقبل کے لئے کام کرسکے۔ اگر یہی ہمارا عہد ہے تو آیئے، اسے پورا کرنے کے لئے آج یہ تہیہ کریں کہ ہم جوان ہوں یا بوڑھے، مرد ہوں یا عورت، مزدور ہوں یا کسان، سرکاری ملازم ہوں یا دکاندار، اپنی صلاحیتیں ایک بہتر مضبوط تر اور محفوظ تر پاکستان تعمیر کرنے پر صرف کریں گے۔ ہمیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں جس نے ہمیں یہ تاریخی موڑ دیکھنا نصیب کیا، جس نے ہمیں ایمان کی دولت سے نوازا، جس نے ہمیں یہ گھڑی آزادی کی فضا میں دیکھنا نصیب کی۔ آیئے، ان نعمتوں کے لئے کل یکم محرم کو بعد از نمازِ ظہر اجتماعی طور پر نمازِ شکرانہ ادا کریں اور خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا کریں:

یا اللہ! نئی صدی ہجری کو ہمارے لئے ہدایت اور راہنمائی کی صدی بنا۔
یا اللہ! نئی صدی ہجری کو پاکستان میں دینِ اسلام کی مکمل فرمانروائی کی صدی بنا۔
یا اللہ! نئی صدی ہجری کو عالمِ اسلام کے اتحاد اور سربلندی کی صدی بنا۔

یا اللہ! نئی صدی ہجری کو بنی نوعِ انسان کے لئے امن اور خوشحالی کی صدی بنا۔
یا اللہ! نئی صدی ہجری کو غلام قوموں کے لئے آزادی کی صدی بنا۔
یا اللہ! نئی صدی ہجری کو حق و صداقت اور عدل و انصاف کی صدی بنا۔
یا اللہ! نئی صدی ہجری کو اہلیانِ پاکستان کے لئے اپنی رحمتوں اور خوشیوں کی صدی بنا۔ آمین ثم آمین!

پاکستان پائندہ باد

شاہ نیپال کے اعزاز میں دی گئی ضیافت کے موقع پر خطاب

اسلام آباد : ۱۲ نومبر، ۱۹۸۰ء

۱۲ نومبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے شاہ نیپال، فضیلت مآب بریندرہ بیر بکرم شاہ دیو کے اعزاز میں ایوانِ صدر میں ایک عشائیہ دیا جو ان دنوں پاکستان کے سرکاری دورے پر آئے ہوئے تھے۔ اس ضیافت میں تقریر کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ بین الاقوامی اور علاقائی مسائل پر پاکستان اور نیپال کا نقطۂ نظر ایک جیسا ہے اور یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان کسی قسم کی رنجش یا کھچاؤ نہیں۔ انہوں نے نیپال کی داخلہ پالیسیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ نیپال کی مثال سے ان کے اس عقیدے کو تقویت پہنچتی ہے کہ کسی بھی ملک میں طرزِ حکومت ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اصل دارومدار حکومت کی پالیسیوں کے مقاصد پر ہوتا ہے۔ اگر ان کا مقصد عوام کی بھلائی ہو تو وہی حکومت عوام کے لئے بہترین حکومت ہوتی ہے۔ صدر نے اپنی تقریر میں افغانستان کی صورتِ حال اور ایران عراق جنگ پر تشویش کا اظہار کیا اور یہ اُمید ظاہر کی کہ پاکستان اور نیپال کے درمیان بہت جلد ایک جامع منصوبے پر دستخط ہو جائیں گے جس کے تحت کراچی

اور کھٹمنڈو کے درمیان پروازیں شروع ہو جائیں گی۔ عشائیے میں شاہ نیپال کے ساتھ آنے والے وفد کے ارکان نے بھی شرکت کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین

مہمانِ گرامی فضیلت مآب بربندرہ بیر بکرم شاہ دیو صاحب،
ان کی قابلِ تکریم اہلیہ ملکہ ایش وریا راجیہ لکشمی دیوی صاحبہ،
نیپال کے وفد کے دیگر ارکان،
سفیر صاحبان،
مہمانانِ گرامی
اور
معزز خواتین وحضرات!

السلام علیکم۔ عظیم المرتبت شاہ نیپال، ملکہ معظمہ نیپال اور ان کے وفد کی پاکستان میں آمد اہالیانِ پاکستان، حکومتِ پاکستان اور خود میرے لئے نہایت عزت اور مسرت کا باعث ہے۔ جنوبی ایشیا کے اس اہم تہذیبی مرکز سے تشریف لانے والے مہمانوں کو میں خوش آمدید کہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ پاکستان میں ان کا قیام مفید اور خوشگوار

رہے گا۔

شاہ نیپال ہمارے لئے اجنبی نہیں۔ وہ پہلے بھی پاکستان تشریف لا چکے ہیں۔ ان سے قبل ان کے آنجہانی والدِ محترم دو مرتبہ یہاں آ کر ہماری عزت افزائی کر چکے ہیں۔ ان دَوروں کی خوشگوار یادیں اب تک ہمارے ذہنوں میں تازہ ہیں اور آج کل دونوں ملکوں کے درمیان دوستی اور خیر سگالی کی جو قابلِ رشک فضا نظر آتی ہے، اس میں ان دَوروں کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔

نیپال ایک منفرد ملک ہے۔ اس کی انفرادیت کے کئی پہلو ہیں۔ عشائیے کی اس مختصر اور ہلکی پھلکی تقریر میں ان تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا مشکل ہے، اس لئے میں صرف دو تین باتوں کی نشاندہی کروں گا۔

پہلی بات نیپال کے محل وقوع کے متعلق ہے۔ یہ جغرافیائی لحاظ سے ایک نہایت اہم اور نازک مقام پر واقع ہے۔ اس کے آس پاس نہ صرف ہمالیہ جیسا عظیم سلسلۂ کوہ ہے بلکہ اس کے شمال و جنوب میں دو بڑے ملک واقع ہیں۔ اس محل وقوع میں نیپال ایک خوبصورت چمنستان کی طرح قائم ہی نہیں بلکہ روز بروز پھل پھول بھی رہا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ عالی مرتبت شاہ بریندرہ اور ان کے آباء واجداد کی دُور اندیشی، سیاسی بصیرت اور پُرامن پالیسیوں کا نتیجہ ہے کہ اس جغرافیائی محل وقوع میں نیپال وہ مقام حاصل کر سکا جس پر یہ آج رونق افروز ہے۔

نیپال کی دوسری انفرادیت جس کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں وہ اس کی اندرونی پالیسیاں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان کے آنجہانی والدِ ماجد اور پھر خود مہمانِ گرامی شاہ بریندرہ نے اپنے ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لئے کئی قابلِ قدر اقدامات کئے ہیں۔ وہ اپنے

عوام، خاص طور پر غریبوں کی حالت بہتر بنانے پر توجہ دے رہے ہیں۔ ان کی کوششوں کے نتائج نہایت حوصلہ افزا ہیں۔

نیپال کی اس مثال سے میرے اس عقیدے کو تقویت ملتی ہے کہ کسی بھی ملک میں طرزِ حکومت ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اصل دارو مدار اس کی پالیسیوں اور اس بات پر ہوتا ہے کہ حکومت کی پالیسیوں کا مقصد عوام کی بھلائی اور ملک کی خوشحالی ہو، حکمرانوں کے پیشِ نظر غربت اور افلاس کا قلع قمع کرنا ہو اور اس کے اقدامات سے خاص و عام کی حالت بہتر ہو۔

ہم بھی پاکستان میں نیپال سے ملتی جلتی پالیسیوں پر کاربند ہیں یعنی پڑوسی ممالک کے ساتھ بالخصوص اور دیگر ممالک کے ساتھ بالعموم۔ امن، خیر سگالی اور دوستی کا رویّہ اور اندرونِ ملک عوام کی بہتری اور خوشحالی پر توجہ۔

یہ خارجی اور داخلی پالیسیاں بظاہر متضاد اور مختلف ہونے کے باوجود درحقیقت ایک ہی سکّے کے دو رُخ ہیں کیوں کہ خارجی امن کے بغیر ترقیاتی کاموں پر توجہ ناممکن ہے اور اگر ترقیاتی کاموں کو خارجی امن سے ہم آہنگ نہ کیا جائے تو جنگ و جدل کی صورت میں ترقیاتی کاموں کے نتائج اور اثرات تباہی اور بربادی کی نذر ہو جاتے ہیں۔ لٰہذا ہم اپنے گرد امن و سکون کی فضا دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ مکمل یکسوئی کے ساتھ اپنے عوام کی حالت بہتر بنانے کے لئے ترقیاتی اسکیموں پر عمل درآمد کر سکیں۔

ہمارے لئے یہ بڑے دکھ اور تشویش کی بات ہے کہ ہمارے ہمسایہ ممالک غیر معمولی صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ ایک ہمسایہ ملک جس کے ساتھ ہمارے دیرینہ ثقافتی، تجارتی اور تاریخی تعلقات ہیں، غیر ملکی فوجی مداخلت کا شکار ہوا ہے۔ وہاں کے حریّت پسند جنہوں نے آج تک کسی قسم کے بیرونی حملے یا غلبے کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں

کیا، اپنی آزادی اور اپنے طرزِ حیات کے تحفّظ کے لئے ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں۔ وہ بیسویں صدی عیسوی کے آخری رُبع میں بھی بے سروسامانی کی حالت میں جدید ہتھیاروں سے لیس افواج کا مقابلہ کر رہے ہیں جس بہادری، جذبۂ قربانی اور بے جگری کے ساتھ وہ تقریباً ایک سال سے تن تنہا اپنی جنگِ آزادی لڑ رہے ہیں، وہ دورِ حاضر کی تاریخ کا ایک ولولہ انگیز باب ہے۔ اگر ہم اپنی مجبوریوں اور اپنی مصلحتوں کی وجہ سے ان کی مادی امداد نہیں کر سکتے تو کم از کم انہیں اپنی اخلاقی حمایت کا یقین تو دلا سکتے ہیں کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ ان کے ملک سے غیر ملکی فوجیں جلد از جلد اور مکمل طور پر اپنے وطن کو لوٹ جائیں، پاکستان میں جو ۱۲ لاکھ افغان مہاجر پناہ گزیں ہیں، وہ بحفاظت اور باعزّت طور پر اپنے گھروں کو واپس جا سکیں اور افغانستان کے عوام اپنے ملک میں اپنی مرضی کی حکومت قائم کر سکیں۔

ہمارے لئے یہ بڑی خوشی اور مسرّت کی بات ہے کہ مسئلۂ افغانستان کے بارے میں نیپال کا نقطۂ نظر ہمارے موقف سے ملتا جلتا ہے۔ نیپال نے افغانستان میں روسی فوجی مداخلت کے فوراً بعد اس سانحے پر گہری تشویش کا اظہار کیا اور روسی فوجوں کی واپسی کا پُرزور مطالبہ کیا۔ جب اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا تو نیپال نے ایک باوقار اور خود مختار مملکت کی طرح پاکستان اور دیگر اقوامِ عالم کا ساتھ دیا۔ اس سلسلے میں نیپال کی کوششیں اب بھی جاری ہیں۔ حال ہی میں مسئلۂ افغانستان کے بارے میں جنرل اسمبلی میں جو "قرارداد" پیش کی گئی ہے، اس میں پاکستان کے علاوہ نیپال بھی پیش پیش ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ یہ کوششیں ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہوں گی اور ہمارے افغان بھائی اپنے ملک کو ایک بار پھر آزاد، غیر جانبدار اور اسلامی ملک دیکھ سکیں گے۔ ہماری دعائیں اور ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔

دوسرا بین الاقوامی مسئلہ ایران اور عراق کی جنگ ہے جس روز سے یہ آگ بھڑکی ہے، ہماری یہ کوشش ہے کہ دو پڑوسی ملک جن کے ساتھ ہمارے تعلقات نہایت دوستانہ اور برادرانہ ہیں، کسی نہ کسی طرح لڑائی سے کنارہ کشی کر کے اپنے اختلافات پُرامن طریقے سے دور کرنے کی کوشش کریں۔ ہماری یہ کوششیں اب بھی جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ یہ جنگ کسی نہ کسی طرح جلد از جلد ختم ہو۔

بین الاقوامی اہمیت کا تیسرا مسئلہ جس کے بارے میں نیپال اور پاکستان میں مکمل مفاہمت پائی جاتی ہے، وہ بحرِ ہند کو خطۂ امن یعنی Peace Zone بنانے کے متعلق ہے تاکہ یہ ترقی پذیر علاقہ بڑی طاقتوں کی رقابتوں سے الگ ہو کر ترقی اور تعمیرِ نو کی راہ پر گامزن رہ سکے۔ جنوبی ایشیا میں امن اور استحکام کے قیام کے لئے بنیادی ضرورت یہ ہے کہ اس علاقے کو جوہری ہتھیاروں سے پاک رکھا جائے۔ اس سلسلے میں پاکستان باقاعدہ طور پر پہلے بھی یہ تجویز پیش کر چکا ہے۔ میں حکومتِ نیپال کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہماری اس تجویز کی بھرپور حمایت کی ہے اور دیگر ممالک سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس تجویز پر عمل کرانے کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ ہم امن اور سکون چاہتے ہیں۔ ہم بحرِ ہند کو خطۂ امن اور جنوبی ایشیا کو جوہری ہتھیاروں سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ ہماری اور نیپال کی مشترکہ خواہش ہے جسے عملی جامہ پہنانے کے لئے ہم مشترکہ کوششیں کرتے رہیں گے۔

خواتین و حضرات!

بین الاقوامی اور علاقائی مسائل کے بارے میں مشترکہ نقطۂ نظر رکھنے کے علاوہ نیپال اور پاکستان دوطرفہ تعلقات میں بھی قابلِ رشک مقام پر ہیں۔ یہ بڑے فخر اور

اطمینان کی بات ہے کہ ہمارے درمیان کسی قسم کی رنجش یا کھچاؤ نہیں۔ ہمارے درمیان کوئی حل طلب مسئلہ نہیں۔ ہمارے درمیان مفاہمت کی راہ میں کوئی دیوار حائل نہیں۔ اس کے برعکس ہمارے دوطرفہ تعلقات مسلّمہ اصولوں پر مبنی ہیں۔ ہمارے دوطرفہ تعلقات باہمی افہام وتفہیم کے تعلقات ہیں۔ ہمارے دوطرفہ تعلقات باہمی تعاون اور اشتراک کے تعلقات ہیں۔

ہمارے دونوں ملکوں کے درمیان تعاون کا میدان بہت وسیع ہے لیکن دو تین شعبے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ میری مراد تجارت سے ہے جو آمد ورفت کی دقتوں کے باوجود ۱۹۶۲ء سے بخوبی جاری ہے۔ میری مُراد ثقافتی تعاون سے ہے جو ۱۹۷۰ء کے معاہدے کے تحت روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ میری مراد ان تعلیمی سہولتوں سے ہے جو اس معاہدے کے تحت پاکستان ہر شعبے میں مہیا کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ ہم اُمید کرتے ہیں کہ بہت جلد نیپال اور پاکستان کے درمیان ایک جامع سمجھوتے پر دستخط ہو جائیں گے جس کے تحت کراچی اور کھٹمنڈو کے درمیان براہ راست پروازیں شروع کی جائیں گی۔ ان سے نہ صرف باہمی تعاون کو فروغ حاصل ہو گا بلکہ دونوں ملکوں کے عوام کو قریب تر لانے میں بھی مدد ملے گی۔

آخر میں مہمانِ گرامی، میں آپ کو ایک بار پھر پاکستان میں خوش آمدید کہتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ یہاں آپ کا قیام خوشگوار رہے گا۔

اب میں آپ سب سے درخواست کرتا ہوں کہ نیک تمنّاؤں کے اظہار میں آپ میرا ساتھ دیں:

—— عزت مآب شاہ نیپال بریندرہ بیر بکرم شاہ دیو کی صحت، درازیٔ عمر اور خوشی کے لئے،

—— ان کی قابلِ احترام اہلیہ ملکۂ معظمہ ایش وریا لکشمی دیوی صاحبہ کی صحت، درازئ عمر اور خوشیوں کے لئے،

—— نیپالی وفد کے تمام ارکان کی خوشیوں اور خوشحالی کے لئے،

—— اس عشائیے میں شریک تمام حاضرین کی صحت اور مسرت کے لئے،

—— نیپال اور پاکستان کے عوام کی خوشحالی کے لئے،

—— دونوں ملکوں کی دوستی کے فروغ اور عروج کے لئے۔

پاک نیپال دوستی زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

کوئٹہ کے شہریوں کے استقبالیے سے خطاب

کوئٹہ : ۲۲ نومبر، ۱۹۸۰ء

۲۲ نومبر کو کوئٹہ کے شہریوں نے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے اعزاز میں ایک دعوتِ استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ یہ دعوت اقوامِ متحدہ میں عالمِ اسلام کی نمائندگی کا اعزاز حاصل ہونے کے سلسلے میں دی گئی تھی۔ یہ اس سلسلے کی آخری دعوت تھی جس کا آغاز راولپنڈی اسلام آباد کے شہریوں کی طرف سے دعوتِ استقبالیہ کے ساتھ ہوا تھا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے خدمتِ اسلام کے سلسلے میں صدر کو اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک جو کامیابیاں حاصل ہوئیں، ان پر اپنے ردِ عمل کا اظہار انہوں نے اس شعر کی صورت میں کیا ؎

کوئی سلیقہ نہ آرزو کا نہ بندگی میری بندگی ہے
یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

بلوچستان کے عوام کی اسلام اور پاکستان سے محبت کا ذکر کرتے ہوئے صدر نے "تحریکِ پاکستان میں بلوچستان کا حصّہ" میں سے اقتباسات پیش کئے کہ پاکستان اور ہر وہ چیز جو اسلام سے وابستہ ہے، بلوچستان کے لوگوں کو نہ صرف پسند ہے بلکہ

وہ اس کے لئے جان بھی دینے کو تیار ہیں۔ صدر نے کوئٹہ میں سوئی گیس کی سپلائی، دو ٹیکسٹائل ملوں کے قیام، سیمنٹ کے کارخانے، حب انڈسٹریل اسٹیٹ، بجلی کی فراہمی، تعلیمی سہولتوں میں اضافے اور دیگر ترقیاتی منصوبوں کا ذکر کیا اور کہا کہ اگر ترقی کا یہ عمل جاری رہا تو آئندہ چند برسوں میں بلوچستان میں ایک خوشگوار انقلاب آجائے گا۔

مسئلۂ افغانستان کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ روس سے مذاکرات جاری ہیں تشویش یا فکر مندی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے افغان مہاجرین کی مہمانداری پر اہلِ بلوچستان کو خراجِ تحسین پیش کیا اور کہا کہ افغانستان کے اندر جو مجاہدین جنگ لڑ رہے ہیں، ہمیں اس پر ان مجاہدین کو خراجِ تحسین پیش کرنا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ اس معاملے میں بڑی طاقتوں سے ہمارا مستقل رابطہ ہے لیکن ہم اصولوں پر کوئی سودے بازی نہیں کریں گے اور اس اصول پر قائم رہیں گے کہ کسی ملک پر غیر ملکی افواج کا قبضہ کرنا بین الاقوامی اصولوں کے منافی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین

کوئٹہ میونسپل کمیٹی کے چیئرمین، جناب ذکریا کانسی صاحب،

کونسلر صاحبان،

معززین شہر

اور

خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ میں پچھلے دنوں غیر ملکی دورے سے واپس آیا تو مجھے ملک کے مختلف حصّوں سے مبارکباد کے بہت سے پیغامات ملے۔ کچھ تاروں کے ذریعے، کچھ فون پر اور کچھ خطوط کی وساطت سے۔ میں ہم وطنوں کے ان جذبات سے بے حد متاثر ہوا، دل ہی دل میں ان کے تاثرات کی داد دی اور جی چاہا کہ ان سب ہموطنوں اور مدّاحوں کے ردِّعمل کا فرداً فرداً جواب دوں۔ لیکن ایسا کرنا ممکن نہ تھا، چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ پہلا استقبالیہ راولپنڈی اور اسلام آباد کے شہریوں

کی طرف سے قبول کروں گا اور اس سلسلے کی انتہا کوئٹہ میں ہوگی۔ چنانچہ آج آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

پیشتر اس کے کہ میں کچھ اور عرض کروں، میں آپ سے معذرت کرنا چاہوں گا، کیونکہ ناسازئ طبیعت کی وجہ سے مجھے اپنا کوئٹہ کا پچھلا دورہ ملتوی کرنا پڑا تھا۔ میں نے خرابئ صحت کی بنا پر کوئٹہ کا دورہ منسوخ کیا اور ادھر رقیبوں کو افواہ اڑانے کا موقع مل گیا کہ کوئٹہ میں پٹاخے چل رہے ہیں، اس لئے صدر ضیاء الحق نے اپنا دورہ ملتوی کر دیا ہے۔ میں آج ان لوگوں کو اس سبزہ زار میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ یہاں اہل کوئٹہ کی طرف سے پاکستان زندہ باد کے نعرے لگ رہے ہیں یا پٹاخے چل رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ پاکستان کے ہر صوبے میں، ہر شہر میں، ہر قصبے میں اسلام کا چرچا ہے اور اسلام کی سربلندی ہے۔ اس سلسلے میں مجھے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک جو کامیابی ہوئی ہے، یہ بھی اس کا فضل و کرم ہے۔ میں ایک نعتیہ شعر پیش کرنا چاہوں گا ؎

کوئی سلیقہ نہ آرزو کا نہ بندگی میری بندگی ہے !
یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

میں آپ کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری عزت افزائی کے لئے اس شاندار تقریب کا اہتمام کیا اور بیرونِ ملک میری حقیر کوششوں کو ایسے پرزور الفاظ میں سراہا جن کا میں اپنے آپ کو مستحق نہیں سمجھتا۔ اگر آپ کی طرح اللہ تعالیٰ بھی میری اس ادنیٰ سی خدمت کو شرفِ قبولیت بخشے تو میں سمجھوں گا کہ میری کوششیں واقعی کارگر ثابت ہوئی ہیں۔

جناب ذکریا کانسی صاحب نے میری ذاتی عزت افزائی کے علاوہ بلوچستان

کے اندرونی حالات اور اس کے گردو پیش کی علاقائی صورتِ حال پر روشنی ڈالی ہے۔
میں بھی انہی موضوعات کے بارے میں اظہارِ خیال کروں گا۔

سب سے پہلے بلوچستان کی اندرونی حالت کو لیجئے۔ بلوچستان جغرافیائی لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا اور آبادی کے لحاظ سے سب سے چھوٹا صوبہ ہے۔ اس کی مغربی سرحدیں دو ایسے ملکوں سے ملتی ہیں جو آج کل جنگ کی کیفیت سے دوچار ہیں۔ اس کے جنوب میں بحیرۂ عرب واقع ہے جو ملک کے دفاع اور معیشت میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ان جغرافیائی حدود کے اندر ایسے لوگ بستے ہیں جو پہاڑوں کی طرح سربلند، صحراؤں کی طرح وسیع القلب اور چٹانوں کی طرح مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ ان کی عزتِ نفس اور وطن دوستی دنیا بھر میں مشہور ہے۔ وہ اسلام کے نام لیوا ہی نہیں، اس کے پیروکار بھی ہیں۔ نفاذِ اسلام کی سرکاری کوششیں تو ابھی حال ہی میں شروع ہوئی ہیں، لیکن اہلِ بلوچستان نے بہت پہلے بعض علاقوں میں اجتماعی طور پر اور اکثر علاقوں میں انفرادی طور پر اسلام کے اصولوں پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اسلام ان کے لئے ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ روزمرہ زندگی کا محور بھی ہے۔

یہ ان کی اسلام دوستی ہی کا اثر ہے کہ آج سے ۳۳ برس پہلے جب آزادی کا سورج طلوع ہونے والا تھا تو یہاں کے عوام نے شاہی جرگہ اور کوئٹہ میونسپل کمیٹی کے ذریعے رضاکارانہ طور پر اپنی قسمت کو پاکستان کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا۔ اس تاریخی فیصلے کے چشم دید گواہ آج بھی ہماری صفوں میں موجود ہیں۔ اس فیصلہ کن لمحے کی یاد تازہ کرنے کے لئے میں ایک اہم کتاب "تحریکِ پاکستان میں بلوچستان کا حصہ" سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں:

"۲۹ جون، ۱۹۴۷ء کو ٹاؤن ہال کوئٹہ میں دس بجے سب سردار جمع ہوئے۔

ٹاؤن ہال کے باہر ہجوم ہی ہجوم تھا۔ ایک جانب بلوچستان مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکنوں کا کیمپ لگا ہوا تھا۔ دوسری طرف ہزاروں قبائلی طلبہ مسلم لیگ کا جھنڈا اٹھائے پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے، ٹھیک دس بجے آنریبل ایجنٹ گورنر جنرل ہال میں داخل ہوئے اور لارڈ مونٹ بیٹن کا ایک بیان پڑھ کر سنانے لگے اور کہنے لگے کہ آپ کو مزید سوچ بچار کے لئے ایک دن اور دیا جاتا ہے۔ وہ ابھی اپنی تقریر ختم نہ کر پائے تھے کہ ایک مقامی سردار اٹھے اور انہوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف سے کہا وہ یہ بیان پہلے بھی پڑھ چکے ہیں۔ ہمیں فیصلہ کرنے کے لئے مزید وقت نہیں چاہیئے کیونکہ شاہی جرگے کے سردار پاکستان کی حمایت میں فیصلہ کر چکے ہیں۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا نمائندہ پاکستان دستور ساز اسمبلی میں بیٹھے گا۔" گورنر جنرل کے ایجنٹ نے کہا "اچھا ہم آج ہی وائسرائے کو تار بھیج دیں گے "کہ شاہی جرگے نے فیصلہ پاکستان کے حق میں دیا ہے۔" اس کے ساتھ ہی پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور پاکستان زندہ باد کے نعرے بلند ہونے لگے۔ لوگ دیوانہ وار باہر آئے اور فضا "پاکستان زندہ باد" کے نعروں سے معمور ہوگئی۔"

میں اس تاریخی پس منظر کا حوالہ دے کر جو بات واضح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس تاریخی موقعے پر یہاں کے لوگوں اور قبائلی سرداروں کے پیش نظر پاکستان کی مال و دولت نہ تھی، ان کی نظریں نئی مملکت کے لعل و جواہر پر نہ تھیں، ان کو نئے ملک کی دولت کا احساس نہ تھا۔ ان کے سامنے ایک اور صرف ایک چیز تھی اور وہ یہ کہ پاکستان کا مطلب اسلام کی سربلندی ہے۔ اور ہر وہ چیز جو اسلام سے وابستہ ہے، بلوچستان کے لوگوں کو نہ صرف پسند ہے بلکہ وہ اس کے لئے ووٹ ہی نہیں جان بھی دینے کو تیار ہیں۔ لہٰذا آج اگر اہلِ کوئٹہ کا یہ اجتماع خوشی اور تحسین کے جذبات کا اظہار کر رہا

ہے تو اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ انہیں موجودہ حکومت ملک کے اندر اور باہر اسلام کی سربلندی کے لئے سرگرم عمل نظر آرہی ہے۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد جو منزل دھندلا گئی تھی وہ اب پھر صاف نظر آنے لگی ہے۔ انہیں محسوس ہو رہا ہے کہ جس نصب العین کے لئے انہوں نے ٹاؤن ہال میں تاریخی فیصلہ دیا تھا اس کو عملی شکل دینے کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ میں آج اس تاریخی اجتماع میں حکومتِ پاکستان کے اس عزم کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ ملک کے بیشتر عوام کی طرح یہ حکومت بھی دینِ اسلام کو قیامِ پاکستان کی بنیاد سمجھتی ہے اور جب تک عنانِ اقتدار اس کے ہاتھ میں ہے، یہ دینِ اسلام کے نفاذ اور سربلندی کے لئے کام کرتی رہے گی۔ اور میں کراچی میں نہایت واشگاف الفاظ میں اعلان کر چکا ہوں کہ ہم بھاگنے والے نہیں ہیں۔ ہم نے جو کام شروع کیا ہے اسے انشاء اللہ پورا کر کے دم لیں گے۔

میں جب اس بات پر زور دیتا ہوں کہ پاکستان کسی مادی فائدے یا معاشی نفع کے لئے نہیں بلکہ ایک نظریے کی عملداری اور ایک طرزِ حیات کی سربلندی کے لئے وجود میں آیا تھا تو بعض لوگ اس سے غلط تاثر لیتے ہیں کہ شاید میں معاشی خوشحالی کے خلاف ہوں۔ ہرگز نہیں۔ اسلام مادی ضروریات کی نفی نہیں کرتا۔ اسلام بھوکے یا ننگے رہنے کا درس نہیں دیتا۔ اسلام رہبانیت کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اسلام انسان کو جائز مادی ضروریات کے لئے تگ و دو کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اچھی رہائش، اچھی خوراک اور اچھے لباس کو پسند کرتا ہے۔ وہ صرف رزقِ حلال پر زور دیتا ہے اور دولت کی نمود و نمائش سے منع کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی اصولوں کے عین مطابق ہم نے جہاں نفاذِ اسلام کے لئے کوششیں کی ہیں وہاں ملک کی معاشی خوشحالی کے لئے بھی اقدامات کئے ہیں۔ ملک کی مجموعی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے علاوہ ان

علاقوں پر خاص طور پر توجہ دے رہے ہیں جو ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ ایسے علاقوں میں بلوچستان سرِفہرست ہے۔ اس صوبے کی ترقی پر گزشتہ تین سالوں میں حکومت نے جو توجہ دی ہے اس کی ایک جھلک ان رقوم میں بھی نظر آتی ہے جو اس کام کے لئے مختص کی گئی تھیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس عرصے میں بلوچستان کی ترقی کے لئے ڈیڑھ ارب روپے سے زائد رقم فراہم کی جا چکی ہے۔ اس سے تین سو چوراسی ترقیاتی سکیمیں مکمل ہو چکی ہیں اور باقی سکیموں پر عمل ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ وفاقی حکومت نے دو ارب ۳۱ کروڑ روپے مہیا کئے جس سے پانی، بجلی، تعلیم اور مواصلات کے شعبوں میں ترقیاتی عمل کو تیز تر کرنے میں مدد ملی ہے۔ میں یہاں ان تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا کہ یہاں کتنے میل نئی سڑکیں بنیں، کتنے سکول کھلے اور کتنے دیہی مراکز قائم ہوئے۔ البتہ چند ایک ترقیاتی منصوبوں کا سرسری تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ کن محاذوں پر کام ہو رہا ہے:۔

- کوئٹہ کا سرِفہرست مسئلہ سوئی گیس کی سپلائی کا ہے۔ اگرچہ معاشی ماہرین اس منصوبے کو ناقابلِ عمل سمجھتے تھے لیکن میں ذاتی طور پر اسے اہلِ کوئٹہ کا ایک اہم مطالبہ تسلیم کرتا ہوں کہ بلوچستان کی گیس، راولپنڈی اور پشاور تک تو پہنچ جائے لیکن کوئٹہ کے باشندے اس سے محروم رہیں۔ لہٰذا ۶۳ کروڑ روپے کی لاگت کا ایک منصوبہ تیار کیا گیا ہے جس کا سروے ہو چکا ہے، زمین حاصل کی جا چکی ہے اور ابتدائی کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ انشاء اللہ اگلے سال آپ اس کے نتائج دیکھ سکیں گے۔
- ۹۲ کروڑ روپے کی لاگت سے دو ٹیکسٹائل ملیں بیلی اور اُتھل کے مقام پر لگائی جا چکی ہیں اور انہوں نے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان میں ایک لاکھ تکلوں اور ۲۲۰۰ لومز کی گنجائش ہے۔ وہاں سات ہزار مقامی لوگوں کو روزگار مہیا کیا گیا ہے

اور ہونہار لڑکوں کو ٹیکسٹائل کے شعبے میں تربیت کی سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔ یہ ملیں بھی صرف صوبۂ بلوچستان کو ترقی دینے کے لئے قائم کی گئی ہیں حالانکہ یہاں نہ زیادہ روئی پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے لئے کوئی مارکیٹ موجود ہے۔ لیکن بعض کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو خالص روپے پیسے کے معیار سے نہیں تولا جا سکتا۔

- اسی طرح سیمنٹ کا ایک کارخانہ "دروازہ" کے مقام پر لگایا جا رہا ہے جس پر پچاس کروڑ لاگت آئے گی۔ کارخانے کے لئے جگہ کا انتخاب کیا جا چکا ہے۔ مشینری خریدنے کے لئے وسائل مہیا کئے جا رہے ہیں۔ انشاء اللہ اس پروجیکٹ پر بھی کام شروع ہو جائے گا۔

- ہب انڈسٹریل اسٹیٹ Hub Industrial Estate، کوہلو کی دیہی ترقی، بلوچستان واٹر مینیجمنٹ سکیم Baluchistan Water-Management Scheme، گراؤنڈ پلانٹ پروٹیکشن Ground Plant Protection اور بلوچستان لائیو سٹاک ڈیویلپمنٹ پروجیکٹ Baluchistan Livestock Development Project جیسے اہم منصوبوں پر کام ہو رہا ہے اور انہیں جلد از جلد مکمل کرنے پر توجہ دی جا رہی ہے۔ ان منصوبوں پر کروڑوں روپے صرف کئے جا رہے ہیں۔

- دشوار گزار راستوں کے باوجود تقریباً ڈیڑھ سو دیہات کو بجلی مہیا کی جا چکی ہے۔ تیرہ کالجوں کی حالت بہتر بنائی گئی ہے۔ سول ہسپتال کوئٹہ میں سو بستروں پر مشتمل ایک نئے وارڈ کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں موڈرن آپریشن تھیٹر کی سہولتیں دستیاب ہیں۔ اسی طرح تین کروڑ روپے کی لاگت سے بلوچستان یونیورسٹی

میں ایک سائنس بلاک بنوایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ کئی اور ترقیاتی منصوبے ہیں جن پر صوبائی حکومت، افواجِ پاکستان اور دیگر وفاقی ادارے کام کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ترقی کا عمل اسی رفتار سے جاری رہا تو آئندہ چند سالوں میں بلوچستان میں ایک خوشگوار انقلاب آجائے گا۔ انشاء اللہ!

یہ ترقیاتی کام صرف اس وجہ سے ممکن ہوئے ہیں کہ صوبے میں حالات نہایت پُرامن ہیں۔ ماضی کی تلخیاں باہمی اعتماد اور تعاون میں بدل چکی ہیں۔ سابقہ دَور میں حکومت اور عوام کے درمیان پیدا کردہ غلط فہمیاں دور ہو چکی ہیں۔ ابتر حالات سے متاثر ہونے والے افراد اپنے گھروں میں دوبارہ آباد ہو رہے ہیں۔ گویا اجتماعی ترقی اور باہمی اعتماد کا دور شروع ہو چکا ہے۔ یہی راہ درحقیقت ترقی اور خوشحالی کی راہ ہے۔

بلوچستان میں امن و خوشحالی کی یہ فضا اس لحاظ سے بڑی قابل قدر نظر آتی ہے کیونکہ اس کی سرحدیں جن دو ممالک سے ملتی ہیں وہ دونوں جنگ و جدل کا شکار ہیں۔ ایک ملک غیر ملکی فوجی مداخلت کی وجہ سے اپنا اسلامی اور غیر جانبدار کردار کھو چکا ہے اور دوسرا اسلامی انقلاب سے پوری طرح عہدہ برآ نہیں ہوا تھا کہ جنگ شروع ہو گئی۔ ہم دونوں ملکوں میں حالات کو معمول پر آتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایران اور عراق کی جنگ ہمارے لئے افسوس اور دکھ کا باعث ہے جب کہ افغانستان کے حالات پر ہمیں گہری تشویش ہے۔ اس تشویش کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہماری سرحدوں کے پار جو کچھ ہو رہا ہے اس کا براہِ راست ہم پر اثر پڑتا ہے۔ اس وقت افغان مہاجرین کی تعداد بارہ لاکھ کے لگ بھگ ہے اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ میں اس موضوع پر پچھلے دنوں پشاور میں مفصّل اظہارِ خیال کر چکا ہوں۔ یہاں صرف اہلِ بلوچستان کے

جذبۂ مہمان نوازی کو خراج پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جو دو لاکھ سے زائد مہاجرین کی دیکھ بھال میں صحیح سنتِ رسولؐ اور اسلامی جذبے سے کام کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ ان کی نیکی یاد رہے گی اور جب یہ مہاجرین ایک نہ ایک دن عزت و سلامتی کے ساتھ اپنے وطن واپس جائیں گے تو اس آڑے وقت میں ملنے والی مدد کو بھی یاد رکھیں گے جس سے ان کے اور ہمارے درمیان اسلامی اخوت کے موجودہ رشتوں کو مزید تقویت ملے گی۔

میں مسئلۂ افغانستان پر آپ کو اعتماد میں لینا اور صحیح صورتِ حال بتا دینا چاہتا ہوں۔ صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ روس کے ساتھ ہمارا رابطہ قائم ہے۔ ہم مسئلۂ افغانستان کا سیاسی حل تلاش کر رہے ہیں۔ یہ حل یقیناً ان قراردادوں کے معانی اور مطالب کے اندر ہوگا جو اسلامی وزرائے خارجہ نے اپنی گیارھویں کانفرنس میں منظور کی تھیں۔ ان سیاسی کوششوں سے قطع نظر ہم اپنی مغربی سرحدوں پر رونما ہونے والی صورتِ حال سے بھی اچھی طرح آگاہ ہیں۔ تشویش یا فکر مندی کی کوئی بات نہیں۔ ملک کا دفاع محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ آٹھ کروڑ عوام اپنی افواج کی پشت پناہی کے لئے تیار ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ صوبۂ بلوچستان کے لوگ آج بھی اسلام اور پاکستان کے متعلق وہی جذبہ رکھتے ہیں جس کا مظاہرہ انہوں نے ۲۹ جون، ۱۹۴۷ء کو کیا تھا۔ اگر ۳۳ برس پہلے اسلام اور پاکستان کے لئے ان کے ووٹ کی ضرورت تھی تو انہوں نے بلا جھجک ووٹ دے دیا اور اگر کل اسلام اور پاکستان کے لئے ان کے جان و مال کی ضرورت پڑی تو مجھے یقین ہے وہ اس قربانی سے بھی نہیں ہچکچائیں گے۔ دیگر ہم وطنوں کی طرح ان کا یہ جذبۂ ایثار ملکی دفاع کا سب سے مؤثر ہتھیار ہے۔ ہم انشاء اللہ اسے زنگ آلود نہیں ہونے دیں گے۔

افغانستان کے بارے میں مَیں یہ آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت افغانستان

میں جو جنگِ آزادی لڑی جا رہی ہے، اس پر ہمیں ان مجاہدین کو خراجِ تحسین پیش کرنا چاہیئے جو جذبۂ اسلام اور اپنے ملک کی آزادی کے لئے جنگ لڑ رہے ہیں۔ ان کا کچھ حصّہ آج صوبۂ بلوچستان میں ۲ لاکھ کی تعداد میں آپ کی مہمان نوازی سے استفادہ کر رہا ہے۔ میں ان کی طرف سے اور اپنی طرف سے بلوچستان کے عوام کو خراجِ تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جس جذبے سے انہوں نے مہاجرین کی خدمت کی ہے۔

بڑی طاقتوں سے ہمارا رابطہ قائم ہے لیکن ہم اصولوں پر سودے بازی نہیں کریں گے۔ کسی ملک پر غیر ملکی افواج کا قبضہ کرنا بین الاقوامی اصولوں کے سراسر منافی ہے۔ ہم ان اصولوں پر قائم ہیں اور انہیں کی خاطر ہم اپنے افغان مہاجر بھائیوں کی مدد کر رہے ہیں۔ افغانستان جو ہمارا پڑوسی برادر ملک ہے، اس کا فیصلہ سیاسی طور پر ہونا چاہیئے اور اس کی غیر جانبدارانہ حیثیت قائم رہنی چاہیئے۔ یہ افغانستان کے عوام کا مسئلہ ہے اور افغانستان کے عوام کو اس کا حل تلاش کرنا چاہیئے۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے، ہم سے جو قربانی ہوئی، ہم نے دی اور انشاءاللہ مزید کسی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

نوشکی میں جلسۂ عام سے خطاب

نوشکی : ۲۲ نومبر، ۱۹۸۰ء

نومبر کے تیسرے عشرے میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے بلوچستان کا دورہ کیا۔ اس دوران ۲۲ نومبر کو انہوں نے نوشکی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کیا انہوں نے بلدیاتی اداروں کے ارکان اور انتظامیہ کے درمیان افہام و تفہیم کو سراہا اور بتایا کہ ان کے دورۂ بلوچستان کا مقصد صوبے کے مسائل کا بذاتِ خود جائزہ لینا اور ان کا حل تلاش کرنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نوشکی میں بجلی پہنچانے کا کام تیز تر کیا جائے گا اور صوبے میں تعلیم اور خصوصاً سائنس کی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے۔

صدر نے معدنیات کی کانوں کے مالکان پر زور دیا کہ وہ فلاحی کاموں میں حصہ لیں اور کونسلروں پر زور دیا کہ وہ لوگوں کے ساتھ قریبی رابطہ رکھیں، ان کا معیارِ زندگی بلند کرنے کی کوشش کریں اور اسلامی اقدار کے فروغ کے لئے کام کریں انہوں نے زکوٰۃ کمیٹیوں کے ارکان پر زور دیا کہ وہ زکوٰۃ اس طرح تقسیم کریں کہ اس سے نادار لوگ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں نہ کہ زکوٰۃ لینے کے عادی بن جائیں۔ جلسے میں حکومتِ بلوچستان کے مشیر راجہ احمد خان بھی موجود تھے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

جناب راجہ احمد خان صاحب، منسٹر حکومتِ بلوچستان،

جناب میر محمد مراد صاحب، چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل چاغی

اور

معزّز حاضرین!

السّلام علیکم۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں آج آپ سے مخاطب ہو رہا ہوں۔ میں اپنے گزشتہ دورۂ بلوچستان کے دوران بھی چاغی میں حاضر ہوا تھا۔ اس وقت بھی آپ سے تبادلۂ خیال کیا تھا۔ اِس دفعہ گو دورہ اتنا تفصیلی نہیں ہے، لیکن اس بار ضلع چاغی اور نوشکی کا دورہ سرِفہرست ہے۔ میرے ان دوروں کا اصل مقصد یہ ہے کہ پاکستان کے تمام دور دراز علاقوں میں، خاص طور پر بلوچستان کے ان علاقوں میں جہاں ہمارے بھائی ترقی کی راہ میں کچھ پیچھے رہ گئے ہیں، جا کر ان کے مسائل کا اندازہ لگا کر ان کا حل تلاش کیا جا سکے۔

سب سے پہلے میں کونسلر حضرات سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے یہ جان کر اور دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی ہے کہ صوبۂ بلوچستان کے کونسلر حضرات کی کارکردگی قابلِ ستائش ہے۔ بلوچستان کے کونسلر صاحبان، لوکل باڈیز کے اراکین اور مقامی انتظامیہ کے مابین باہمی افہام و تفہیم کی جو فضا پائی جاتی ہے، وہ دوسرے صوبوں میں دیکھنے میں نہیں آتی۔ اس بات پر میں آپ حضرات کو مبارک باد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ انشاء اللہ اسی باہمی افہام و تفہیم کے ذریعے اس صوبے کو ترقی کی راہ پر گامزن رکھیں گے۔

ایک اور بات جو میرے مشاہدے میں آئی ہے، وہ یہ ہے کہ ویسے تو باقی صوبوں میں بھی کونسلر صاحبان مقامی مسائل اور تکالیف کا جائزہ لے رہے ہیں، لیکن صوبۂ بلوچستان کے کونسلر صاحبان کی سوچ نسبتاً حقیقت پسندانہ ہے۔ اس لحاظ سے بھی میں آپ کو آپ کی کوششوں پر مبارک باد دیتا ہوں۔ خدا آپ کو اپنے عزائم میں کامیاب کرے۔

قیامِ پاکستان میں بلوچستان کے لوگوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ صوبۂ سرحد کے بعد یہ دوسرا صوبہ ہے جہاں لوگوں سے پوچھا گیا تھا کہ کیا وہ پاکستان کا حصہ بننا چاہتے ہیں اور بلوچستان کے شاہی جرگے نے بلا تامّل یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ پاکستان کے ساتھ رہیں گے۔ ۳۲ سال کے عرصے میں صوبۂ بلوچستان کے اہالیان نے جو قربانیاں دی ہیں، ہمیں ان کا بھی احساس ہے۔ آپ کے دلوں میں اسلامی اقدار کے لئے جو لگن اور تڑپ ہے، میں اس سے بھی آگاہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں جب بھی باقی صوبوں میں جاتا ہوں، بلوچستان کا حوالہ ضرور دیتا ہوں۔

بلوچستان پاکستان کے تمام صوبوں میں سب سے بڑا صوبہ ہے۔ یہاں کے

مسائل دوسرے صوبوں سے نسبتاً پیچیدہ ہیں کیونکہ آبادی کم اور رقبہ زیادہ ہے لہٰذا یہاں پانی، بجلی اور سڑکوں کے مسائل باقی صوبوں سے زیادہ پیچیدہ ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ باقی صوبوں کے ساتھ ساتھ صوبۂ بلوچستان، خاص طور پر اس کے دُور افتادہ علاقوں نوشکی اور چاغی پر خصوصی توجہ دی جائے۔ آپ کے مسائل کے حل کے لئے میں نے خود جائزہ لیا ہے۔ کچھ مسائل حل بھی ہوئے ہیں، لیکن تمام مسائل کا حل ڈھونڈنے میں کچھ وقت لگے گا۔

اس صوبے کے لئے تعلیمی اقدامات سرِفہرست ہیں۔ اس میں کالجوں اور سکولوں کا قیام اور کالجوں میں تعلیم کے لئے نہ صرف اچھا ماحول پیدا کرنا بلکہ وہ تمام سہولتیں مہیا کرنا جن سے تعلیم کا معیار بلند ہو، شامل ہیں۔ اس میں سائنس کی تعلیم سرِفہرست ہے۔ آپ کے کالج کی ترقی اور تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لئے جن اقدامات کی ضرورت ہوگی، وہ ضرور کئے جائیں گے۔

سب سے بڑا مسئلہ نہ صرف چاغی بلکہ پورے بلوچستان میں بجلی کا ہے۔ اس دفعہ چیئرمین واپڈا، جنرل فضل رازق صاحب میرے ساتھ آئے ہیں۔ میں ان کی جانب سے آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ واپڈا، وفاقی حکومت اور صوبائی حکومت نے بجلی پیدا کرنے اور مہیا کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے ہیں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بلوچستان کے دو خاص حصوں قلات اور قلعہ سیف اللہ تک بجلی پہنچ چکی ہے۔ پنج پائی سے نوشکی تک بجلی پہنچانا ہمارے پنجسالہ منصوبے میں شامل ہے، لیکن میری یہ کوشش ہے کہ اس پانچ سالہ منصوبے کو کسی طرح ۲ یا ۳ سال میں پورا کیا جائے اور ضلع چاغی کے علاقوں مثلاً نوشکی میں بجلی پہنچا کر اسے خاص طور پر زراعت کے لئے استعمال میں لایا جائے۔

جہاں تک کانوں کا تعلق ہے، یہاں آپ کے بڑے بڑے کان کن حضرات موجود ہیں۔ ان میں زہری صاحب کا نام سرِفہرست ہے۔ زہری صاحب سے میں نے پچھلی دفعہ بھی کہا تھا کہ اپنے ضلع کے لئے کچھ کیجئے اور مجھے امید ہے کہ ان کے اور دیگر مخیّر حضرات کے تعاون سے اس ضلعے کی ترقی اور بہبود میں ضرور اضافہ ہوگا۔

نوشکی ہسپتال میں اگر کسی چیز کی کمی ہے تو وہ پوری کی جائے گی۔ آپریشن تھیٹر میں کچھ اضافہ کرنے کی ضرورت ہے۔ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہوا، اس کے لئے ضرور کوشش کی جائے گی۔

مسائل اور وسائل کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ خدا کرے پاکستان کے وسائل میں وسعت ہو تاکہ ہم ان وسائل کی مدد سے عوام کے مسائل کو جلد از جلد حل کر سکیں، لیکن جب تک انسان ہے، دنیاداری کے معاملات سے اس کا تعلق رہے گا۔ مسائل پیدا ہوتے رہیں گے، انسان ان کو حل کرتا رہے گا۔ بعض مسائل حل ہوں گے، بعض حل نہیں ہوں گے، لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم اپنی مدد آپ کے تحت کن مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے لوکل باڈیز کی تنظیم قائم کی ہے۔ لوکل باڈیز کے نظام کو رواج دے کر آپ اجتماعی مسائل سے بخوبی باخبر ہو سکتے ہیں۔ بنیادی طور پر حکومت اور ملک کا انتظام چلانے کے لئے عوام کا تعاون بہت لازمی ہے، جب تک عوام کا تعاون حاصل نہیں ہوگا، ہم کسی معاملے میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا کونسلر حضرات کو چاہیئے کہ وہ عوام سے رابطہ قائم کریں، عوام کی خدمت کے جذبے کے تحت ان کے مسائل و تکالیف دریافت کریں اور ان کو دور کر کے ان کا معیارِ زندگی بلند کرنے کی کوشش کریں۔

موجودہ صورتِ حال میں جہاں ترقی کی راہ میں آپ کچھ پیچھے رہ گئے ہیں، وہاں اخلاقی لحاظ سے آپ باقی صوبوں سے بہت آگے ہیں۔ آپ کی لوکل باڈیز کی کارکردگی کہیں بہتر ہے اور آپ اس لحاظ سے دوسرے صوبوں سے بہت آگے ہیں۔ آپ کی اخلاقی اقدار اور آپ کا اخلاق پسند ذہن دوسرے صوبوں کے لئے قابلِ رشک ہے۔

کونسلر حضرات کے فرائض بہت اہم ہیں۔ انہیں اس نام نہاد سیاست سے جس کا مقصد محض خود غرضی اور ذاتی مفاد ہے، بچنا ہوگا۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ پاکستان میں اس نظام کے تحت ایسے لوگ پیدا ہوں جو اپنے یا کنبے اور برادری کے مفاد کی بجائے عوام کے مفاد کے لئے کام کریں۔ یہ نہ صرف عوام کی خدمت ہے بلکہ کارِ ثواب بھی ہے۔ یہ سیاست نہیں بلکہ عبادت ہے۔ اس طرح نہ صرف عوام کی فلاح ہوگی بلکہ نفاذِ اسلام کے لئے راہ ہموار کرنے میں مدد ملے گی۔

دوسری چیز جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اسلام دینِ کامل ہے۔ اس میں تمام دنیاوی ضروریات کا خیال رکھا گیا ہے۔ ہمارے تمام افعال و اقدام اور تمام ادارے اس کے مطابق ہونے چاہئیں۔ صوبۂ بلوچستان میں لوکل باڈیز کے ارکان، کونسلر صاحبان اور میونسپل کمیٹی کے ممبران کو چاہیئے کہ وہ اسلامی اقدار کے فروغ کے لئے کام کریں۔ کونسلر حضرات میں اگر کچھ علمائے دین اور مشائخ بھی بطور کونسلر منتخب ہوئے ہوں تو آپ کو چاہیئے کہ آپ ان سے صلاح مشورہ کریں کیونکہ وہ تمام معاملات میں دینی پہلو کا خیال رکھیں گے۔ اگر بالفرض کونسلر حضرات میں ان کی شمولیت نہیں ہے تو میں کونسلر صاحبان سے یہ توقع کروں گا کہ وہ اپنے طور پر ہر کام کرنے سے پہلے مقامی علماء سے رجوع کیا کریں گے تاکہ وہ آپ کی توجہ

دینی پہلوؤں کی طرف دلائیں۔

یہاں میں آپ کی توجہ نظامِ زکوٰۃ کی طرف بھی دلانا چاہتا ہوں۔ ہم نے زکوٰۃ اور لوکل باڈیز کے نظام کے لئے علیحدہ علیحدہ نمائندے چنے ہیں۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ جہاں تک مقامی انتظامیہ اور کونسلر حضرات کا تعلق ہے، ان کے اپنے فرائض ہیں۔ زکوٰۃ ایک اہم دینی فریضہ ہے۔ جن حضرات نے ان فرائض کو سرانجام دینے کی ذمہ داری سنبھالی ہے، ان کا بھی چناؤ کیا گیا ہے۔ ہر شہری علاقے میں وارڈ کی سطح پر اور دیہی علاقے میں گاؤں کی سطح پر سات ممبروں کی ایک زکوٰۃ کمیٹی چنی گئی ہے۔ انہیں کوئی تنخواہ یا الاؤنس نہیں دیا جاتا۔ انہوں نے یہ ذمہ داری سراسر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے قبول کی ہے۔ لوگوں نے ان کو اس لئے چنا ہے کہ وہ ان کی نظر میں نہ صرف پرہیز گار اور دین دار ہیں بلکہ امین بھی ہیں۔ زکوٰۃ کی رقم ان کی امانت میں دی گئی ہے تاکہ وہ اسے مستحق لوگوں تک پہنچا دیں۔

مجھے اُمید ہے کہ زکوٰۃ کمیٹی کے ممبران کو تمام کونسلر حضرات کا تعاون حاصل رہے گا کیونکہ جب تک انہیں یہ تعاون حاصل نہیں ہوگا، اس وقت تک کامیابی مشکل ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، زکوٰۃ ارکانِ اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ جہاں نماز کا ذکر آیا ہے وہاں زکوٰۃ کا بھی ذکر آیا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم نظامِ زکوٰۃ کو کامیاب بنا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہوں۔

میں زکوٰۃ کے بندوبست کے بارے میں چند ایک گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے یہ کہ اس بندوبست کا حساب کتاب، اس کے قواعد وضوابط سب کچھ اردو میں لکھے گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں فقہی لحاظ سے جو اختلافات

تھے، ان کو دور کر کے اس میں تھوڑی سی لچک پیدا کی گئی ہے اور وہ یہ کہ جن حضرات کا فقہی لحاظ سے کوئی اختلاف ہے، وہ اگر اس امر کا ثبوت پیش کر دیں کہ ان پر زکوٰۃ واجب نہیں تو ان سے زکوٰۃ نہیں کاٹی جائے گی۔

ہم نے اب تک ۳۲ ہزار زکوٰۃ کمیٹیوں کو ۴۰ کروڑ روپے کی رقم تقسیم کی ہے۔ پہلی قسط ان کو مل چکی ہے۔ دوسری قسط بھی شاید مل چکی ہے یا ملنے والی ہے۔ آپ کی زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبران کا یہ فرض ہے کہ وہ اسے مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ میں یہاں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ زکوٰۃ کی رقم دو طریقوں سے وصول ہوتی ہے۔ ایک تو وفاقی حکومت کے توسط سے جو کہ بہت کم رقم ہے۔ زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبران کو چاہیئے کہ وہ اپنے علاقے کے تمام مخیّر حضرات اور لوگوں سے جن پر زکوٰۃ فرض ہے، ملیں اور ان سے درخواست کریں کہ وہ اپنی زکوٰۃ ادا کریں۔ دراصل یہی حصولِ زکوٰۃ کا وہ دوسرا طریقہ ہے جس پر سارا دارومدار ہے۔ پھر زکوٰۃ وصول ہونے کے بعد زکوٰۃ کمیٹیوں کے ذمے یہ کام بھی ہے کہ وہ اپنے علاقے کے مستحقینِ زکوٰۃ کی فہرستیں بنائیں اور زکوٰۃ کی وصول شدہ رقم ان تک پہنچائیں۔ ہم نے اس سلسلے میں ہدایات جاری کر دی ہیں۔ ان ہدایات کے تحت ہر لوکل زکوٰۃ کمیٹی تقسیمِ زکوٰۃ کا پورا اختیار رکھتی ہے۔ اگر وہ کسی بیوہ کو ۵۰۰ روپے دینا چاہے تو اسے ۵۰۰ روپے دے دے۔ اگر وہ دیکھتی ہے کہ ایک نادار طالب علم کو اپنی تعلیم کے لئے ۱۰۰ روپے درکار ہیں تو اسے ۱۰۰ روپے دے دے۔ گویا زکوٰۃ کمیٹی کو اپنی صوابدید کے مطابق اس رقم کو خرچ کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔

اب میں کونسلر حضرات، زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبران، علماء و مشائخ، انتظامیہ، پولیٹیکل ایجنٹ صاحب، کمشنر صاحب اور راجہ احمد خاں صاحب کی توجہ ایک

اور طرف دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ ہمیں غربت دور کرنے کے لئے کوئی مستقل طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ لوگوں نے زکوٰۃ دی اور آپ نے وہ رقم مستحقین تک پہنچا دی، لیکن اس میں کچھ قباحتیں ہیں۔ میرے ذہن میں جو بات ہے وہ یہ ہے کہ ایسے ادارے قائم کئے جائیں جہاں سے مستحق حضرات کوئی ہنر سیکھ سکیں۔ مثلاً نوشکی میں ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جہاں جا کر غریب، نادار بچے، مرد اور بیوائیں کوئی ہنر سیکھ سکیں تاکہ بعد میں وہ باعزت طریقے سے روزی کما کر اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کر سکیں۔

میں چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل، جناب میر محمد مراد صاحب اور ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین سے گزارش کروں گا کہ وہ آپس میں مشورہ کر کے تقریب کے بعد مجھے بتائیں کہ اگر انہیں رقم فراہم کر دی جائے تو کیا یہاں ایک ایسا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے جہاں خواتین کے لئے کڑھائی وغیرہ کا کام ہو، یتیم بچوں کی پڑھائی کا بندوبست ہو اور ساتھ ہی انہیں کوئی ہنر سکھانے کا انتظام ہو تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں اور انہیں لوگوں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے پڑیں۔ کیوں کہ اسلام میں عزتِ نفس کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم لوگوں کو زکوٰۃ لینے کا عادی بنانے کے بجائے انہیں کوئی کارآمد ہنر سکھا کر معاشرے کا ایک مفید اور باعزت شہری بنائیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسا پہلا ادارہ بلوچستان میں اور آپ کے ضلع میں قائم ہو۔ اس کے لئے میں دس لاکھ روپے کی رقم کا اعلان کرتا ہوں۔

پیشتر اس کے کہ یہ محفل برخاست ہو، میں درخواست کروں گا کہ آپ حضرات میں سے اگر کوئی صاحب اس بارے میں اپنی رائے یا کوئی

مفید مشورہ دینا چاہیں تو وہ اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر اپنے مشورے سے نوازیں تاکہ مفید اور قابلِ عمل ہونے کی صورت میں اس پر عمل درآمد کیا جا سکے۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

مستونگ میں ٹاؤن کمیٹیوں کے چیئرمینوں سے خطاب

مستونگ : ۲۲ نومبر، ۱۹۸۰ء

۲۲ نومبر، ۱۹۸۰ء کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے مستونگ میں ٹاؤن کمیٹیوں کے چیئرمینوں سے خطاب کیا۔ اس موقع پر صدر کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں عالمِ اسلام کی نمائندگی کرنے پر مبارکباد پیش کی گئی۔ صدر نے اپنی تقریر میں کہا کہ یہ اعزاز پاکستان کے عوام کا ہے اور اس لئے نصیب ہوا ہے کہ پاکستان کے عوام اسلام سے محبت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اہلِ قلات کی خدمات اسلام اور پاکستان کے لئے سرِ فہرست رہی ہیں اور آئندہ بھی رہیں گی۔

انہوں نے شعائرِ اسلام کی پابندی کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ زکوٰۃ دین کا ایک اہم رکن ہے اور جن کے ذمّے زکوٰۃ واجب الادا ہو اُنہیں ضرور ادا کرنی چاہیئے۔ انہوں نے نظامِ زکوٰۃ کی وضاحت کی اور زکوٰۃ کمیٹیوں کے ارکان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے یہ ذمہ داری کسی معاوضے کے بغیر قبول کی ہے۔ بلدیاتی نظام کا ذکر کرتے ہوئے صدر نے اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کہ چاروں صوبوں میں سے بلوچستان میں یہ نظام نہایت کامیابی سے چل رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ نظام جمہوری بھی ہے عوامی

بھی ہے اور اس میں اسلامی عنصر بھی موجود ہے۔ انہوں نے بلدیاتی نمائندوں پر زور دیا کہ وہ عوام کے مسائل حل کریں اور جہاں ضرورت ہو عوام کے مسائل حکومت تک پہنچائیں۔ صدر نے قلات ڈویژن میں ترقیاتی کاموں کی رفتار میں اضافہ کرنے کی ضرورت سے اتفاق کرتے ہوئے ڈویژن کے لوگوں پر زور دیا کہ وہ حکومت کے واجب الادا قرضے اور بلوں کی رقوم ادا کر دیں تاکہ صوبے کے ترقیاتی کام متاثر نہ ہوں۔ صدر نے زمینداروں پر زور دیا کہ وہ امداد باہمی کی انجمنیں بنائیں۔

اس موقع پر صدر نے مستونگ زکوٰۃ کمیٹی کے لئے پانچ لاکھ روپے کے عطیئے کا اعلان کیا اور کہا کہ اس رقم سے ایسے ذرائع پیدا کئے جانے چاہئیں جن سے غریب اور نادار لوگوں کی مستقل بنیادوں پر مدد کی جا سکے اور کسی کو کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

جناب راجہ احمد خان صاحب، مشیر صوبائی حکومتِ بلوچستان،

جناب صحراب محب خان صاحب، چیئرمین میونسپل کمیٹی مستونگ،

اہلِ مستونگ،

صحافی حضرات

اور

معزّز حاضرین!

السّلام علیکم۔ آپ لوگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر مجھے دلی مسرت ہوئی ہے، میں اہلِ مستونگ و قلّات ڈویژن کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے یہ پُر وقار تقریب منعقد کی۔ اس موقع پر میں آپ لوگوں سے اپنے چند ایک خیالات کا اظہار کرنا چاہوں گا۔

پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے ایک نمائندے

کو عالمِ اسلام کی نمائندگی کا جو اعزاز بخشا گیا ہے ، یہ پاکستان کے عوام اور ان کی اسلام سے محبت رکھنے کا اعزاز ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا ممنون و مشکور ہوں کہ اس کے فضل و کرم سے جو ذمہ داری مجھ پر عائد ہوئی تھی، میں نے اس کو اپنی بساط کے مطابق بھرپور طریقے سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہاں یہ چیز قابلِ توجہ ہے کہ نوّے کروڑ مسلمانانِ عالم کو اقوامِ متحدہ کی تاریخ میں اور موجودہ زمانے میں پہلی دفعہ یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ وہ اقوامِ عالم کے سامنے دینِ اسلام کا ایک رخ اور سوچ فکر کا اظہار کر سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ آج اسلام کا نام دنیا کے ہر کونے میں سنا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان علاقوں میں اور ان ممالک میں، جن میں اسلام کے خلاف ایک عنصر پایا جاتا تھا، آج وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر رضامند ہو گئے ہیں کہ اس دین میں ایک ایسا محور موجود ہے جس کی وجہ سے نہ صرف یہ چودہ سو سال سے قائم و دائم ہے بلکہ اس میں ایسے محرکات شامل ہیں کہ یہ انشاء اللہ آئندہ بھی ایسے ہی قائم و دائم رہے گا۔

قلّات ڈویژن کے باسی اسلام کے خدمت گزار ہیں اور قیامِ پاکستان میں بلوچستان کا ایک اہم کردار ہے۔ قیامِ پاکستان کے سلسلے میں بلوچستان میں ایک شاہی جرگہ منعقد ہوا، جس میں یہ پوچھا گیا کہ بلوچستان کے لوگ کیا چاہتے ہیں تو اس شاہی جرگے نے بغیر کسی تاخیر کے یہ اعلان کیا کہ وہ پاکستان کا ایک حصّہ بننا چاہتے ہیں۔ یہ آپ لوگوں کی اسلام سے محبت اور پاکستان سے گہری وابستگی کا اظہار ہے، بلکہ میں یہ کہنا چاہوں گا کہ پاکستان کی عمارت تعمیر کرنے میں ایک اہم اینٹ رکھنے کا سہرا اہلِ بلوچستان کے سر ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آئندہ بھی بلوچستان کے عوام اور خاص طور پر قلات ڈویژن کے باسیوں کی خدمات، پاکستان اور اسلام کے لئے

سرِفہرست رہیں گی۔

آج کی اس تقریب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں آپ حضرات سے چند ایک باتیں عرض کرنا چاہوں گا۔ جیسا کہ آپ نے ابھی جناب چیئرمین صاحب کی تقریر میں سنا ہے اور میرے چند ایک خیالات میں بھی اس کا اظہار کیا گیا کہ ہمارے تمام خیالات کا محور اور بنیاد دینِ اسلام ہے۔ ہمیں اسلامی اقدار کو مکمل طور پر اپنانا چاہیئے۔ اپنے دینی فرائض کو صحیح طریقے سے سرانجام دینا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اگر ہم اسلامی شعائر کو صحیح معنوں میں اپنائیں تو ہم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اچھے شہری بھی بنیں گے اور اچھے پاکستانی بھی۔ یہاں میں کچھ زکوٰۃ کی اہمیت کے بارے میں عرض کرنا چاہوں گا۔ زکوٰۃ کے متعلق آپ نے بہت سے اعلانات کا ذکر سنا ہوگا۔ آپ جانتے ہیں کہ زکوٰۃ دین اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور ہم تمام مسلمانوں پر جن کے ذمے زکوٰۃ واجب ہے، انہیں چاہیئے کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں۔ یہ ہمارے مستحقینِ زکوٰۃ کا حق ہے اور صاحب نصاب لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حق ادا کرنا چاہیئے۔ ہم میں سے جو بھائی اور بہنیں غریب ہیں، جو زکوٰۃ لینے کی مستحق ہیں، ان تک ان کا حق پہنچایا جائے۔ یہ ذمہ داری ہم نے ایک نظام کے ذریعے زکوٰۃ کمیٹیوں پر عائد کی ہے۔

زکوٰۃ کی رقم وصول کرنے کا جو طریقہ ہے وہ ہم نے دو صورتوں میں رکھا ہے۔ ایک صورت ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جن کی رقوم بنکوں میں جمع ہیں۔ وہاں سے خود بہ خود زکوٰۃ کی رقم کٹ کر زکوٰۃ فنڈ میں چلی جائے گی پھر وہاں سے پاکستان بھر میں بتیس ہزار (۳۲۰۰۰) زکوٰۃ کمیٹیوں میں یہ رقم تقسیم ہو جائے گی۔ یہ زکوٰۃ کمیٹیوں کے ارکان کی ذمہ داری ہے کہ جب یہ رقم ان کو وصول ہو جائے تو وہ اسے مستحقین تک پہنچائیں۔ ایک قسط ان کو ادا کی

جا چکی ہے، دوسری قسط مجھے اُمید ہے انہیں مل گئی ہو گی۔

زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبران سے میں یہ گزارش کروں گا کہ آپ پر ایک بہت اہم فریضہ عائد ہوا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے یہ کام اپنے ذمے لیا ہے۔ آپ کے محلے اور گاؤں کے لوگوں نے آپ کو اس کام کے لئے چنا ہے اور اپنا امین مقرر کیا ہے۔ یہ آپ کی اپنی ذمہ داری ہے کہ اب آپ اس ثواب کو صحیح معنوں میں حاصل کریں۔ میں تمام زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبران کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کیونکہ انہوں نے یہ ذمہ داری صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرنے کے لئے اٹھائی ہے۔ یہ ہم سب کا فرض ہے کہ ہم ان کے ساتھ تعاون کریں اور ان کی مدد کریں۔

دوسری چیز جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ ہے بلدیاتی نظام۔ بلدیاتی نظام کے متعلق میں ابھی تو شکی میں بتا کے آ رہا ہوں اور یہاں آپ کے سامنے بھی یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے مجھے بڑی مسرت ہو رہی ہے کہ اس وقت چاروں صوبوں میں جو بلدیاتی نظام چل رہا ہے، ان میں سے سب سے بہترین مثال ہمیں صوبۂ بلوچستان میں ملتی ہے۔ یہاں بلدیاتی نمائندے جو کونسلر حضرات کی شکل میں یا میونسپل کمیٹی کے ممبران یا چیئرمین کی شکل میں ہیں وہ سب نہایت ایمانداری اور نہایت خوش اسلوبی سے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کا اور عوام کا رابطہ قائم ہے۔ ان کا اور انتظامیہ کا رابطہ قائم ہے۔ یہ پہلا صوبہ ہے جس میں میں نے یونین کونسل اور ڈسٹرکٹ کونسل کے مابین کوئی تضاد نہیں پایا۔ انتظامیہ اور بلدیاتی نمائندوں میں افہام و تفہیم کی فضا قائم ہے۔

میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ اس طریقے سے

آپ اس نظام کو کامیاب بنا کر عوام کی خدمت کا موقع مہیا کریں گے۔

اس نظام کی چند ایک خوبیاں ہیں۔ یہ جمہوری بھی ہے، عوامی بھی ہے اور اس میں اسلامی عنصر بھی موجود ہے۔ اس رابطے سے ہم نے ایک صورت پیدا کر دی ہے جس سے انتظامیہ عوام کے ساتھ رابطہ قائم کر کے، ان کے صلاح مشورے کے ساتھ حکومت کو چلانے کے فرائض سرانجام دے۔ لہٰذا آپ پر جہاں بہت سے دوسرے فرائض ہیں، وہاں یہ فریضہ بھی ہے کہ آپ عوام کی تکالیف اور عوام کی ضروریات کو انتظامیہ تک پہنچائیے۔ جن مسائل کا حل آپ کے حلقۂ اختیار میں ہے، آپ انہیں حل کیجئے اور جو آپ کے حلقۂ اختیار میں نہیں ہے انہیں آپ ان حضرات تک پہنچائیے جن کے دائرہ اختیار میں ہو۔ مجھے اُمید ہے کہ اس طریقے سے ہم پاکستان میں ایک ایسا نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جس کی بنیاد مضبوط ہو گی، اور وہ بنیاد بلدیاتی ادارے ہیں۔ اگر یہ مضبوط ہوئے اور اس میں عوام کے حقیقی نمائندے شامل ہوئے تو اس پر جو عمارت قائم کی جائے گی وہ بھی اتنی ہی مضبوط ہو گی جتنی کہ بنیادیں مضبوط ہیں۔

ہر جگہ اور علاقے کے مختلف مسائل ہوتے ہیں۔ اس طرح قلات ڈویژن کے بھی بعض مسائل ہیں۔ ہماری یہ کوشش رہی ہے اور انشاء اللہ رہے گی کہ صوبۂ بلوچستان کی طرف زیادہ توجہ رہے۔ بعض وجوہات کی بنا پر جن میں سے بعض پر اختیار تھا اور بعض پر نہیں، جن میں کچھ خامیاں بھی رہی ہیں، لیکن اس میں چند مجبوریوں کا بھی عمل دخل رہا ہے۔ اس بنا پر صوبۂ بلوچستان ترقی کی راہ میں دوسرے صوبوں سے تھوڑا سا پیچھے ہے۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ صوبۂ بلوچستان دوسرے صوبوں سے آگے نہیں تو کم از کم ان کے ساتھ ضرور چلنے کے قابل ہو۔ اس سلسلے میں مجھے بھی بہت کچھ کرنا ہے اور

آپ کو بھی بہت کچھ کرنا ہے۔ یہاں آپ حق بجانب ہیں کہ قلات ڈویژن، صوبۂ بلوچستان میں ترقیاتی کاموں کی طرف اور توجہ دی جانی چاہیئے۔ میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں، ہماری یہ کوشش ہے کہ ترقیاتی کاموں میں اضافہ ہونا چاہیئے۔ آپ کی یہ بات بھی درست ہے کہ قلات ڈویژن میں بجلی آگئی ہے۔ مگر دیہاتوں میں بھی بجلی جانی چاہیئے۔ لیکن میں آپ کے فرض کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ کے ذمے حکومت کے واجب الادا قرضہ جات اور بلوں کی جو رقوم ہیں ادا کر دیں۔ کیونکہ اگر قلات ڈویژن سے بلوں کی ادائیگی نہیں ہوگی، قرضہ جات واپس نہیں ہوں گے تو نہ صرف قلات ڈویژن بلکہ بلوچستان کے لوگوں کو نقصان پہنچے گا۔ لہٰذا ایک اچھا پاکستانی ہونے کے اور ایک اچھا مسلمان ہونے کے یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ حکومت کی واجب الادا رقوم واپس کر دیں۔

ایک چیز کی طرف ہماری خصوصی توجہ ہے، وہ یہ کہ ہمارا معاشی نظام سود سے پاک ہونا چاہیئے۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ سود کی لعنت ختم ہو، قرضہ جات قرض حسنہ کے طور پر دیئے جائیں، لوگ ان سے فائدہ اٹھا کر قرض کی رقم واپس کریں تاکہ پھر دوسرے ضرورت مند شہریوں کی مدد کی جا سکے۔ تو جہاں تک قرضوں کا تعلق ہے، میں اس کا جائزہ لوں گا کہ اس میں کتنی سود کی رقم بقایا ہے اور کتنی اصل رقم بقایا ہے۔ آپ اصل رقم فوری طور پہ واپس کر دیں اور جہاں تک سود کی رقم کا تعلق ہے، میری صوبۂ بلوچستان کے گورنر صاحب کے ساتھ گفت و شنید کے بعد، اس میں جتنی کمی ہو سکے کی جائے گی۔ میں آپ سے دوبارہ گزارش کرتا ہوں کہ آپ کے ذمے واجب الادا جو رقوم ہیں وہ ضرور واپس کیجئے۔

ڈیزل مہنگا ہے اور جن علاقوں میں ڈیزل سے آبپاشی کی جا رہی ہے وہاں

بجلی پہنچے تاکہ یہ اخراجات کم ہوں۔ ڈیزل کی ضروریات کم ہوں، چونکہ پٹرول کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کچھ پٹرول پاکستان میں بھی نکلا ہے، لیکن فی الحال اتنا نہیں کہ ہم اس سے اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ ہمیں باہر سے پٹرول منگوانا پڑے گا اور تیل پیدا کرنے والے ملک تیل کی قیمتوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔ ایک اضافہ ابھی ہوا ہے اور ایک اضافہ ہونے کا امکان ہے۔ ڈیزل کی قیمت بڑھے گی۔

اس لئے ہمیں چاہیئے کہ خصوصاً دیہی علاقوں میں زراعت کے لئے بجلی پہنچائیں اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے ذمے جو رقوم ہیں وہ ادا کر دیں۔ جیسا کہ صحراب محب خان صاحب نے کہا ہے، جن جن علاقوں میں جنریٹر کی ضرورت ہے، اس کا جائزہ لے کر ضروری اقدام کئے جائیں گے۔

زراعت میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ ہمیں اپنی تمام ضروریات اپنے وسائل سے پوری کرنی چاہئیں۔ قلات ڈویژن میں زیر زمین پانی موجود ہے جس سے آپ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لیکن دوسری اہم بات جو ہمارے علم میں ہے کہ یہ پانی محدود مقدار میں ہے۔ جہاں جہاں ٹیوب ویل لگے ہیں وہاں پانی کی سطح گر گئی ہے۔ اس لئے میں آپ سے گذارش کروں گا کہ آپ کفایت شعاری سے پانی استعمال کیجئے تاکہ آپ اس کو زیادہ دیر تک استعمال کر سکیں۔

جہاں تک پیاز کی فصل کا تعلق ہے، اس چیز کا جائزہ لیا جائے گا کہ ہماری ضروریات کتنی ہیں اور زمیندار کو اپنی فصل کا معاوضہ صحیح ملنا چاہیئے۔

ہمیں اتنی فصل اگانی چاہیئے کہ ہم اپنی ضروریات کے علاوہ برآمد بھی کر سکیں۔ میں آپ کو ایک مشورہ ضرور دوں گا کہ آپ نے اپنے علاقے میں کواپریٹو سوسائیٹز نہیں بنائی ہیں تو ضرور بنائیے، کیونکہ ان سے زمیندار کو بہت فائدہ ہوگا

کواپریٹو سوسائیٹیز کے ذمے یہ کام ہونا چاہیئے کہ وہ تخمینہ لگائیں کہ کتنی پیاز یہاں رکھی جائے اور کتنی برآمد کی جائے۔ اگر سوسائٹی صحیح معنوں میں کام کرے تو وہ ایسے ذرائع پیدا کر سکتی ہے کہ زمیندار کا مال باہر بھیجا جائے اور رقم کا حصول بھی زمیندار کے لئے آسان تر بنا دیا جائے۔ لہٰذا آپ کواپریٹو سوسائیٹیز ضرور بنایئے اور ایسے ادارے قائم کرنے کی کوشش کریں جو آپ کی مدد کر سکیں۔

چند ایک باتوں کا میں اور ذکر کرنا چاہوں گا۔ ان کا تعلق بلوچستان کے پڑھے لکھے لوگوں سے ہے۔ وفاقی وزیر مواصلات، جناب محی الدین صاحب نے بہت کوشش کی ہے۔ انہوں نے بلوچستان کے تمام علاقوں سے تقریباً ۳۵۰ کے قریب نوجوانوں کو وفاقی حکومت کے مختلف اداروں میں ملازمت دلوانے کا کام سرانجام دیا ہے۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ بلوچستان کے پڑھے لکھے لوگ فوج میں آئیں، پولیس میں آئیں اور مختلف اداروں میں جائیں۔ بلوچستان کے نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کے لئے جنہوں نے ایم اے یا ایم ایس سی کیا ہے، میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ انہیں وفاقی حکومت کے اداروں میں ملازمت دی جائے گی۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ مستونگ میں کالج کے طلبا کو ٹرانسپورٹ کی دقت ہے۔ میں وفاقی حکومت کی طرف سے اُن کے لئے ایک بس کے عطیے کا اعلان کرتا ہوں تاکہ اُنہیں آمدورفت میں سہولت ہو۔

مستونگ میونسپل کمیٹی کے لئے بھی مناسب مالی امداد دی جائے گی۔

زکوٰۃ کے سلسلے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ہمارے غریب بھائی جو اس کے مستحق ہیں، ہمیں اُن کی مالی امداد کے علاوہ ایسے مستقل ذرائع بھی پیدا کرنے

چاہئیں تاکہ وہ اپنی حالت بہتر بنا سکیں۔ زکوٰۃ کمیٹیوں کو اس سلسلے میں بھرپور کردار ادا کرنا چاہیئے۔

مستونگ میں ایک ایسا ادارہ قائم کرنا چاہیئے جس کے ذریعے بیوگان، یتیمی اور مستحق طالب علموں کی مدد ہو سکے۔ میں مستونگ زکوٰۃ کمیٹی کے لئے پانچ لاکھ روپے کی رقم کا اعلان کرتا ہوں۔ اس رقم سے ایسے ذرائع پیدا کئے جائیں کہ ضرورت مندوں کی مستقل بنیادوں پر مدد کی جا سکے اور میں جب آئندہ مستونگ آؤں تو کسی بیوہ کو کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ نادار طلبا کے تعلیم کے اخراجات پورے ہوتے رہیں۔ آپ اس رقم سے یہاں ایک ایسا مثالی ادارہ قائم کریں جو غریب غربا کا مددگار ثابت ہو۔

شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

پشین میں جلسۂ عام سے خطاب

پشین : ۲۳ نومبر، ۱۹۸۰ء

۲۲ نومبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے پشین میں ایک جلسے سے خطاب کیا۔ انہوں نے مغربی سرحد کی صورتِ حال پر تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم افغان مہاجرین کی جو خدمت کر رہے ہیں، وہ سراسر اسلامی جذبۂ ایثار، مہمان نوازی اور انسانی ہمدردی کے پیشِ نظر کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مملکت کے کاروبار میں عوام کو شریک کرنے کے لئے بلدیاتی سطح پر عوام کے نمائندوں کا انتخاب ہوا ہے۔ عوام کا فرض ہے کہ وہ ان اداروں کو کامیاب اور مستحکم بنائیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت صوبے میں ترقیاتی کاموں کی ضرورت سے آگاہ ہے اور سڑکوں کی تعمیر اور پانی اور بجلی کی فراہمی پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ انہوں نے عوام پر زور دیا کہ جن علاقوں میں بجلی پہنچائی جا چکی ہے، وہاں بجلی کے بلوں کی ادائیگی ضرور کریں تاکہ دیگر علاقوں میں بھی سہولتیں بہم پہنچائی جا سکیں۔ انہوں نے بچوں کو تعلیم دلوانے پر بھی زور دیا اور زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین کو مرکزی حکومت کی طرف سے پانچ لاکھ روپے دینے کا اعلان کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ

مشیر گورنر بلوچستان، جناب راجہ احمد خان صاحب،
چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل پشین، جناب محمد سرور خان صاحب،
اور
معزز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ میں آپ حضرات کا مشکور ہوں کہ آپ نے زحمت فرمائی، یہاں تشریف لائے اور مجھے یہ موقع دیا کہ میں آپ کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کر سکوں۔ جیسا کہ پہلے میں کئی دفعہ کہہ چکا ہوں، میرے نزدیک دو باتیں بہت اہم ہیں۔ ایک پاکستان کا اِتحّاد اور دوسرے اسلام۔ میرے تمام تر خیالات انہی دو باتوں کے گرد گھومتے ہیں جن کا میں مختلف موقعوں پر اظہار کرتا رہتا ہوں۔

مجھے خوشی ہے کہ آج میں ان باتوں کا اظہار اس علاقے میں کر رہا ہوں جہاں کے لوگوں نے قیامِ پاکستان میں مثبت کردار ادا کیا۔ وہ آج بھی اسلام کے نام پر

نہ صرف خدمت کر رہے ہیں بلکہ اسلام کے نام کو زندہ رکھنے کے لئے اور پاکستان کی بقا کے لئے ایسے کام سرانجام دے رہے ہیں کہ ان کا نام پاکستان کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ میں ضلع پشین کے لوگوں کو اور خاص طور پر بلوچستان کے لوگوں کو آپ کی وساطت سے مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ آپ جس جذبے اور ایثار کے ساتھ اپنے افغان بھائیوں کی مدد کر رہے ہیں، وہ دینِ اسلام کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔ یہاں پیشتر اس کے کہ میں کسی اور بات کا اظہار کروں، پہلے اسی موضوع پر آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہماری مغربی سرحدوں کے پار جو کچھ ہو رہا ہے، وہ ہمارے لئے باعثِ تشویش ہے۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ افغانستان ایک اسلامی مملکت اور ایک غیر جانبدار ملک ہے۔ اس ملک کی حیثیت کو بدلا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس ملک کے ۱۲ لاکھ عوام پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے ہیں۔ ان ۱۲ لاکھ میں سے ۲ لاکھ مہاجرین اس وقت کوئٹہ، بلوچستان میں ہیں۔ ان میں سے اکثر آپ کے علاقے میں قیام پذیر ہیں۔ ہم ان بھائیوں کی جو خدمت کر رہے ہیں، وہ سراسر اسلامی جذبۂ ایثار، مہمان نوازی اور انسانی ہمدردی کو مدِنظر رکھتے ہوئے کر رہے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہماری اس معمولی سی خدمت میں اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو وہ اس سے درگزر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کرے کہ وہ جلد از جلد عزت، وقار اور سلامتی کے ساتھ اپنے ملک کو واپس جائیں لیکن جس وقت تک وہ ہماری زمین پر ہیں، ہم اپنے وسائل اور حیثیت کے مطابق ان کی خاطر مدارات اور مہمان نوازی اسلامی شعار کے مطابق کرتے رہیں گے۔

اس کے بعد دوسری اہم بات جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس قوم کی حالت نہیں بدلتے جب تک کہ وہ قوم خود اپنے پاؤں پر کھڑی نہ ہو اور اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہ کرے۔ اس لئے ہمیں اپنی مدد آپ کے تحت اور اپنے وسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے اس ملک کو اس منزل تک پہنچانا ہے تاکہ نہ صرف یہ مثالی ملک ہو بلکہ صحیح معنوں میں ایک ابھرتی ہوئی اسلامی مملکت ہو۔ آپ لوگ جس طرح محنت کر رہے ہیں اور جس طرح اسلام کی خدمت کر رہے ہیں، مجھے اُمید ہے کہ یہی جذبہ کارگر رہا تو انشاءاللہ پاکستان کو ہر میدان میں فتح ہو گی اور ہر میدان میں کامیابی حاصل ہو گی۔ جہاں میں اسلام کا ذکر کر رہا ہوں، وہاں میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اور آج کل کے حالات کے مطابق مملکت کے کاروبار کو چلانے کے لئے یہ لازمی ہے کہ عوام نہ صرف اس میں دلچسپی لیں بلکہ ان کی شرکت بھی ہو۔ اسی شرکت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے بلدیاتی نظام کو متعارف کرایا ہے۔ بلدیاتی نظام کے متعلق آپ نے سرور خان صاحب کی زبانی سنا ہے۔ آپ نے اس نظام کی کارکردگی کا مشاہدہ خود بھی کیا ہے۔ یہ آپ کے نمائندے ہیں، ان کو آپ نے چُنا ہے اور ان سے ہماری توقع ہے کہ یہ صحیح معنوں میں ملک و قوم کی خدمت کریں گے۔ ان لوگوں کو کوئی تنخواہ نہیں ملتی اور ان کو جو اختیارات دیئے گئے ہیں، وہ صرف ایسے ہیں کہ جن سے آپ کی مدد کی جا سکے۔ یہ ادارے ابھی اپنی کم عمری میں ہیں۔ ان کی بنیادیں ابھی مضبوط ہوتی ہیں، ان کے طریقۂ کار میں بہت سے تجزیے کی ضرورت ہے، بہت سی اصلاحات لانے کی ضرورت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم نہ صرف قوم و ملک

کی خدمت کریں گے بلکہ ان اداروں کو اور زیادہ مضبوط بنائیں گے۔ ان اداروں کی ایک خاصیت یہ ہے کہ یہ سراسر عوامی ادارے ہیں اور ان میں عوام کے چنے ہوئے نمائندے ہیں۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ بنیادی سطح پر گاؤں میں یونین کونسل، شہری علاقوں میں ٹاؤن کمیٹی، ڈسٹرکٹ کونسل اور میونسپل کمیٹی جیسے اداروں میں ایسا نظام نافذ کیا جا سکے جس کے سیاسی عزائم ہوں۔ سیاسی عزائم سے میری مراد عام فہم الفاظ میں یہ ہے کہ ہم نے جو سیاسی طریقۂ کار ماضی میں پاکستان میں دیکھا ہے، اس سے قطع نظر لوگوں کے ایسے نمائندے آئیں جو لوگوں کی صحیح طور پر خدمت کر سکیں اور اپنی ذمہ داری کو پورا کریں۔ حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ پاکستان کے عام علاقوں میں اور خاص طور پر بلوچستان کے علاقوں میں ترقیاتی کاموں کی رفتار تیز تر ہونی چاہیئے۔

صوبۂ بلوچستان بعض وجوہات کی بناپر، کچھ مسائل کی زیادتی اور کچھ وسائل کی کمی کی وجہ سے، ترقی کی راہ میں باقی صوبوں سے تھوڑا سا پیچھے رہ گیا ہے۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ آپ نہ صرف باقی صوبوں کے برابر آئیں بلکہ ان سے ایک قدم آگے نکلیں کیونکہ علاقے کے لحاظ سے صوبۂ بلوچستان پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے کچھ کم ہے۔ اس لئے ہمیں آبادی اور علاقے کا لحاظ رکھتے ہوئے یہاں کام کرنا ہے۔ یہاں سڑکیں چند میلوں میں نہیں بلکہ سینکڑوں میلوں میں بنتی ہیں تب ایک علاقے کو دوسرے علاقے کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے۔

جہاں تک آپ کے علاقے ضلع پشین کا تعلق ہے، ٹوبہ کاکڑی اور ٹوبہ اچکزئی کی طرف آپ نے توجّہ دلائی ہے۔ یہاں آنے سے پہلے کل شام

کو صوبائی انتظامیہ کے ساتھ میں اس علاقے کے مسائل پر غور کر رہا تھا تو سب سے پہلے ہماری توجہ جن علاقوں پر مرکوز ہوئی۔ ان میں ٹوبہ کاکڑی اور ٹوبہ اچکزئی اور بعض دوسرے علاقے شامل ہیں جن کی ترقی پر توجہ نہیں دی گئی۔ ہم اس چیز کا جائزہ لے رہے ہیں کہ ان علاقوں میں کس کام سے پہل کریں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا کام جو ہے وہ ان علاقوں میں پانی مہیا کرنا ہے۔ ان میں بعض علاقے ایسی وادیاں ہیں جو پانی ملنے سے سرسبز ہو جائیں گی۔ وہاں ہمیں بجلی پہنچانی ہے، سڑکیں بنانی ہیں لیکن سب سے پہلے ہماری توجّہ پانی کی فراہمی کی طرف ہے۔ اس میں کچھ وقت لگے گا کیونکہ بہت عرصے سے جن علاقوں پر توجہ نہیں دی گئی، وہاں وسائل کی کمی کی وجہ سے کچھ وقت درکار ہوگا۔ ہماری پوری توجّہ اس طرف ہے کیونکہ پشین نہ صرف اپنے ضلع میں بلکہ یہ تمام حصّہ بلوچستان میں زرعی لحاظ سے بہت اہمیّت کا حامل ہے۔

یہاں ہم نے بجلی پہنچائی ہے، گرڈ سٹیشن مہیا کیا ہے۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ اس وقت ہمارے درمیان چیئرمین واپڈا، جناب فضل رازق صاحب بھی موجود ہیں اور ان کی اور واپڈا کی کوششوں سے یہ سب ممکن ہوا ہے۔ مجھے اُمید ہے آپ اس کو سراہیں گے۔ واپڈا نے یہاں بہت محنت اور کامیابی سے کام کیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ان کی کوششوں سے اور حکومت کے وسائل سے آپ کے ان علاقوں میں جہاں ابھی تک بجلی نہیں پہنچی، وہاں بھی پہنچے گی۔ میں آپ کے سامنے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ آپ کی اپنی حکومت ہے اور ہماری یہ کوشش ہے ملک و قوم کی جتنی خدمت ہو، کریں، لیکن ہمارے وسائل محدود ہیں۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ جس

طرح ایک خاندان، قوم یا ایک قبیلے کو اپنے وسائل کے مطابق زندگی بسر کرنی پڑتی ہے، اسی طرح حکومت کو بھی اپنے وسائل کو مدّنظر رکھتے ہوئے کام کرنا پڑتا ہے۔ اگر آپ کو بجلی مہیّا کی گئی ہے تو آپ کا بھی فرض ہوتا ہے کہ اس پر آنے والے اخراجات ادا کریں اور بلوں کی ادائیگی باقاعدگی سے کریں۔ جب تک آپ یہ اخراجات برداشت نہیں کریں گے، آپ کے دوسرے بھائیوں کو یہ سہولتیں نہیں ملیں گی۔ وسائل اور پیسے تو قوم اپنی بچت سے، ٹیکسوں سے، قرضوں سے اور بلوں سے حاصل کرتی ہے۔ جب تک آپ بلوں کی رقوم ادا نہیں کریں گے، اس وقت تک دوسرے لوگوں کو سہولت حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے میں آپ سے گزارش کروں گا کہ بجلی کے بلوں کی ادائیگی پر توجّہ دیں تاکہ جو رقم جمع ہو اس سے دوسرے علاقوں میں بجلی مہیّا کی جاسکے اور لوگوں کو اس کا فائدہ پہنچے۔

سڑکوں کی تعمیر پر ہماری خاص توجہ ہے اور مجھے امید ہے کہ نہ صرف کوئٹہ پشین روڈ بلکہ اس علاقے کی تمام سڑکوں کی حالت بہتر بنائی جائے گی۔ جہاں تک پانی کا تعلق ہے، اس کے لئے بھی ایک جامع منصوبہ بنایا جائے گا۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ واپڈا کو یہ اختیار دیں کہ صوبۂ بلوچستان میں، خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں اس کا امکان زیادہ ہے، پانی کی تلاش کے لئے ایک جامع منصوبہ بنائے تاکہ اس منصوبے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زراعت کو ان علاقوں میں ترقی دی جائے اور پینے کا پانی مہیّا کیا جائے، خصوصاً ان علاقوں میں جہاں اس کی کمی رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ اس منصوبے سے اور حکومت کی کوششوں سے نہ صرف آپ کی زراعت کے لئے پانی

کی فراہمی کے امکانات روشن ہوں گے بلکہ اور دوسری ضروریات کے لئے بھی پانی مہیا کیا جائے گا۔ علم ایسا زیور ہے کہ اس کا اور کوئی متبادل نہیں۔ اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ علم حاصل کرو۔ خود علم حاصل کرو اور اپنے بچوں کو بھی علم حاصل کرواؤ۔ ہماری یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ ہم مسجدوں کو آباد کریں۔ مسجدوں کے جو خطیب ہیں ان سے یہ کام لینا ہے کہ وہ بچوں کو خواہ لڑکیاں ہوں یا لڑکے، قرآن کی تعلیم دیں۔ نہ صرف قرآن پڑھنا بلکہ قرآن پر عمل بھی کرنا چاہیئے۔ جب یہ بنیادی تعلیم ہمارے پاس آجائے گی تو پھر ہم دنیاوی تعلیم میں بھی ترقی کریں گے۔ سرور خان صاحب نے کالج کے قیام کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میں انشاءاللہ اس کا جائزہ لے کر جوں ہی ممکن ہوا، صوبائی حکومت کی توجہ اس جانب مبذول کراؤں گا۔ اگر یہ ممکن ہے تو پھر اس میں وفاقی حکومت بھی مدد کے لئے تیار ہے۔

ان چند گزارشات کے بعد میں ایک اور جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں اور وہ ہے ہمارا نظام زکوٰۃ۔ اس سلسلے میں پشین کے علاقے کے کچھ مسائل ہیں جنہیں حل کرنا ہے۔ آپ کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ آپ کے علاقے میں بہت سے لوازمات ہیں۔ اللہ کا بڑا کرم ہے۔ اس کے طفیل معاشی حالت باقی علاقوں کے مقابلے میں بہتر ہے۔ ماشاءاللہ بعض حضرات آپ میں مخیر بھی ہیں ان میں صاحب حیثیت بھی ہیں اور صاحب نصاب بھی۔ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ اپنے علاقے میں زکوٰۃ کمیٹیوں کو مستحکم کیجئے۔ ان کو تقویت پہنچایئے اور اس قابل بنایئے کہ وہ زکوٰۃ کی رقم وصول کر کے اسے مستحقین کی فلاح کے لئے خرچ کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ

ہماری توجہ اس طرف بھی ہے کہ ہم تمام علاقوں میں اس قسم کے ادارے قائم کرسکیں تاکہ ہمارے غریب بھائی، بیوائیں، یتیم بچے، نادار طالب علم اور دینی مدارس کے طالب علموں کی مدد ہو سکے۔ دینی مدارس کے نظام میں اور بہتری ہو سکے۔ اس طرح ان کو کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ زکوٰۃ کی رقم آئے اور ان میں تقسیم ہو جائے۔ اس کے علاوہ ایسے ادارے ہونے چاہئیں جیسا کہ میں نے کل کوئٹہ میں بھی عرض کیا تھا، جن کی مدد سے غریب غرباء، مساکین، بیوگان کی مدد خود بخود ہو جائے تاکہ ان کو کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ مجھے امید ہے کہ سرور خان صاحب چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل پشین یا یہاں کی ٹاؤن کمیٹی کے ارکان یا زکوٰۃ کمیٹی کے جو ممبران ہیں وہ اس بات کی طرف توجہ دیں گے اور ایسا نظام قائم کریں گے جس سے مستقل ذریعۂ آمدنی بن سکے۔

ان چند گزارشات کے بعد میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان میں اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فضا سازگار ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ مگر ہماری سرحدوں کے پار حالات تشویش ناک ہیں۔ افغانستان کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے اس کا آپ کو بھی علم ہے۔ اس وقت دو اسلامی ممالک میں بھی جنگ ہو رہی ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں مسلمان ملکوں کو ہدایت دے کہ آپس میں صلح صفائی سے اپنے معاملات کو درست کر کے جو نقصان ہو رہا ہے اس کی تلافی کریں تاکہ عالمِ اسلام میں امن قائم ہو۔ مجھے اُمید ہے کہ ضلع پشین کے عوام اور کونسلر صاحبان اسلامی اقدار کو بلند کرنے کی خاطر صحیح معنوں میں مثبت کردار ادا کریں گے

اور ہر لحاظ سے اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ یہی ہمارا اول اور آخری فرض ہے۔

میں تعلیم کے سلسلے میں ایک خصوصی گرانٹ کا اعلان کرتا ہوں۔ یہاں کے جو ہونہار طالب علم ہیں، ان کو اس میں سے وظیفے دیئے جائیں گے اور ان میں سے وہ ہونہار طالب علم جو اچھے نمبروں میں پاس ہوں گے، ان کو نہ صرف پاکستان میں بلکہ اگر ضرورت پڑی تو بیرونِ ملک بھی مواقع دیئے جائیں گے۔ میں سرور خان صاحب کو اور ڈپٹی کمشنر صاحب کو بتاؤں گا کہ یہ ایک لاکھ روپے کی جو رقم ہے، وہ کس طریقے سے تقسیم کی جائے گی۔ دوسری رقم کا میں ابھی ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے نوشکی مستونگ اور کوئٹہ میں بھی اعلان کیا ہے، زکوٰۃ کے لئے جو میں نے ادارے بنانے کے لئے کہا ہے، ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین کی صوابدید پر ۵ لاکھ روپے کی رقم ہوگی جسے وہ یہاں کے غرباء، مساکین، بیوگان میں تقسیم نہیں کریں گے۔ یہ رقم زکوٰۃ کی رقم نہیں ہے۔ یہ رقم حکومت کے دوسرے وسائل سے آرہی ہے اس کو اس طریقے سے خرچ کیا جائے جیسا کہ میں نے اعلان کیا ہے۔ مجھے اُمید ہے اس چھوٹے سے ہدیے کو جو میں پیش کر رہا ہوں، آپ قبول فرمائیں گے اور اُمید کرتا ہوں اس سے بہتر نتائج نکلیں گے۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

کوہلو ایجنسی، بلوچستان کے کونسلروں سے خطاب

کوہلو : ۲۳ نومبر، ۱۹۸۰ء

۲۳ نومبر، ۱۹۸۰ء کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے صوبۂ بلوچستان کے دورے کے موقع پر کوہلو ایجنسی میں کونسلر حضرات اور دوسرے معززین سے خطاب کیا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ عوام نے بلدیاتی اداروں کے لئے جن کونسلر حضرات کا انتخاب کیا ہے، انہیں چاہیئے کہ وہ عوام کی بھرپور خدمت کریں اور ان کے اعتماد پر پورے اتریں۔

صدرِ مملکت نے دیہی علاقوں میں سڑکوں کی تعمیر، بجلی اور پینے کے صاف پانی کی فراہمی اور دیگر عمومی سہولتوں کو ترجیحی بنیادوں پر مہیا کرنے کا یقین دلایا اور حسب وعدہ بلوچستان کے شہر کوئٹہ اور دوسرے علاقوں تک سوئی گیس پہنچانے کے منصوبے کا اعادہ کیا۔ صدر نے سبی، کوہلو سے لے کر ڈیرہ غازی خان تک ایک سڑک کی تعمیر کے منصوبے کا تذکرہ بھی کیا۔

مقامی ذرائع آمد و رفت کو بہتر بنانے کے لئے صدر نے ڈسٹرکٹ کونسل کوہلو ایجنسی کو اپنی طرف سے دو عدد نئی بسیں دینے کا اعلان کیا اور طالب علموں کے لئے تعلیم کی دیگر سہولیات کا وعدہ بھی کیا۔ انہوں نے زکوٰۃ کمیٹیوں کی

زکوٰۃ کی رقوم مستحقین تک پہنچانے کی اہم ذمہ داری اور فریضے پر بھی روشنی ڈالی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ ۔

مشیر گورنر بلوچستان، جناب راجہ احمد خاں صاحب،

چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل کوہلو ایجنسی، جناب آمدان صاحب،

اور

معزز خواتین وحضرات !

السلام علیکم۔ یہ موقع میرے لئے باعثِ فخر ہے کہ میں یہاں دوبارہ حاضر ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں۔ آپ حضرات سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ میرے بارے میں چیئرمین صاحب نے جو کلمات کہے ہیں اس کے لئے میں اُن کا مشکور ہوں۔ گو میں اپنے آپ کو ان الفاظ کا اتنا مستحق تو نہیں سمجھتا، لیکن جس انداز سے انہوں نے میرے متعلق اظہارِ خیال کیا ہے اس کے لئے میں اِن کا شکر گزار ہوں۔ اگر میں قوم و ملک اور آپ لوگوں کی خدمت کرنے کے قابل ہو سکوں تو میں سمجھوں گا کہ شاید میری زندگی کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ میں چند ایک گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے قوی اُمید

ہے کہ آپ لوگ ان گذارشات پر توجہ دیں گے۔

سب سے پہلی بات جس کی جانب میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ ہے بلدیاتی نظام۔ بلدیاتی نظام کے متعلق جیسا کہ چیئرمین آمدان صاحب نے بتایا ہے کہ آپ نے اپنے نمائندے خود چنے اور ان کے چناؤ کے بعد یونین کونسل بنی۔ یونین کونسلوں کے بعد پھر ڈسٹرکٹ کونسلیں بنیں۔ آپ کے شہری علاقوں میں کہیں ٹاؤن کمیٹی ہے اور کہیں میونسپل کمیٹی ہے۔ کوئٹہ میونسپل کمیٹی کا درجہ بڑھا کر ہم نے میونسپل کارپوریشن کر دیا ہے۔ یہاں دیہی علاقے زیادہ ہیں اس لئے یونین کمیٹی اور ڈسٹرکٹ کونسل سے زیادہ توقعات ہیں، یہ جو نظام ہے اس کو آپ عوامی نظام کہہ لیں، اسلامی نظام کہہ لیں یا جمہوری نظام کہہ لیں، ہم نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس نظام کو سیاست سے پاک رکھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ ہر شخص کا سیاست کے ساتھ اتنا لگاؤ ہے کہ ہر آدمی کسی نہ کسی طور سیاست میں ملوث ہے۔ اگر اِس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو پھر اس میں تطہیر کی ضرورت ہے۔ ہماری یہ توقع ہے کہ ان بلدیاتی اداروں میں یونین کونسلوں، ڈسٹرکٹ کونسلوں، ٹاؤن کمیٹیوں اور میونسپل کمیٹیوں میں جو کونسلر حضرات اپنی کارکردگی اور ذاتی قابلیت کی بنیاد پر چنے گئے ہیں یا چنے جائیں گے، وہ عوام کی خدمت جس کا انہیں موقع ملا ہے، اس طرح کریں گے کہ جن لوگوں نے ان پر اعتبار کیا ہے اور انہیں ووٹ دیئے ہیں، ان کے اعتماد پر پورے اتریں گے۔ میں آپ کو یہ بتانے میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ میں نے چاروں صوبوں میں بلدیاتی نظام کا جائزہ لیا ہے مگر جس خوش اسلوبی، نیک نیتی اور جوش و خروش کے ساتھ بلوچستان میں یہ ادارے کام کر رہے ہیں، وہ قابلِ تحسین ہے۔ حکومت بلوچستان کے گورنر صاحب، ان کے مشیر، چیف سیکرٹری اور انتظامیہ کے دوسرے نمائندوں نے جس طرح بتایا ہے کہ کوہلو ایجنسی میں کام ہو رہا ہے، یہ امر بھی قابلِ تحسین ہے۔ میں آپ کے چیئرمین اور کونسلر حضرات کو مبارک باد دیتا ہوں اور امید

کرتا ہوں کہ وہ اسی طریقے سے انشاء اللہ کام کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ عوام کی خدمت کرنے کا موقع دے۔

جہاں تک بلدیاتی اداروں کا تعلق ہے، ان میں ایک چیز کی کمی ہے۔ ہر علاقے میں، خواہ وہ یونین کونسل ہو یا ڈسٹرکٹ کونسل، ان کی یہ توقع اور کوشش ہے کہ ان کے ہاں زیادہ سڑکیں بنیں، پینے کے لئے پانی مہیا ہو، بجلی آئے، سکول اور کالج بنیں۔ ان کی کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ ترقی ہو۔ لیکن وسائل کی کچھ کمی ہے اس لئے ان سکیموں کو تکمیل تک پہنچانے میں کچھ وقت لگے گا۔ میں آپ سے گذارش کروں گا کہ آپ اپنی زیادہ توجہ اپنی مدد آپ پر دیجئے۔ اس سلسلے میں مَیں آپ کو وفاقی حکومت کی طرف سے پورے تعاون اور مدد کا یقین دلاتا ہوں۔ جہاں تک وسائل کا تعلق ہے، بعض غلط فہمیاں ہیں۔ بعض دفعہ یہ سننے میں آتا ہے کہ دیکھئے! یہ گیس جو سوئی کے مقام سے نکلتی ہے اس کا پورے پاکستان کو فائدہ پہنچ رہا ہے لیکن جس علاقے سے نکل رہی ہے، اس کو اور اس کے آس پاس کے علاقوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا۔ یہاں میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وفاقی حکومت نے صوبائی حکومت کو گیس کی جو رائلٹی دی ہے وہ ۵۸ کروڑ روپے ہے۔ اگر آپ کہیں کہ اس کا ایک فی صد آپ کو ملے تو میرے خیال میں یہ مطالبہ اتنا حقیقت پسندانہ نہیں ہے کیونکہ پھر صوبائی حکومت آپ سے کہے گی کہ یہ ایک فی صد آپ لے لیجئے۔ لیکن پھر آپ یہ بتایئے کہ جو رقم صوبائی حکومت کو ایجنسی کے حالات بہتر بنانے، سڑکوں کی مرمت، پانی اور بجلی کی فراہمی کے لئے درکار ہوگی وہ کہاں سے آئے گی۔ ہاں! ایک چیز کا میں اعتراف کرتا ہوں کہ معدنیات حکومت کا نہیں بلکہ قوم کا سرمایہ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ کہیں سے دریا نکلا ہے، کہیں پر ڈیم بنا ہے، کہیں بجلی پیدا کی جا رہی ہے، کہیں سے کوئلہ نکل رہا ہے، کہیں سے گیس نکل رہی ہے اور کہیں سے تیل نکل رہا ہے۔ یہ تمام ذرائع کسی ایک علاقے کی

ملکیّت نہیں کہلائے جا سکتے۔ ان تمام کا تعلق پورے ملک سے ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جس جگہ سے قدرتی معدنیات نکلتی ہیں، اس علاقے کو بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچنا چاہیئے۔ اس سکیم کے تحت سوئی کے آس پاس کے جو علاقے ہیں، وہاں ایک میل کے دائرے میں بجلی و پانی مہیا کیا جائے گا۔ میں نے جناب چیئرمین صاحب کی یہ بات توجہ سے سُنی ہے کہ کام اتنی تیزی کے ساتھ نہیں ہو رہا۔ اس کی رفتار میں بھی تیزی لائی جائے گی اور باقی عمومی سہولتیں بھی ان علاقوں کو ترجیحی بنیادوں پر مہیا کی جائیں گی۔ میں آپ کو اس بات کا اطمینان دلانا چاہتا ہوں کہ یہ ہماری پالیسی کے تحت ہے اور اگر اس سال نہیں تو اگلے سال اس کے لئے ضرور کچھ رقم مختص کی جائے گی تاکہ اُن علاقوں کو تھوڑی بہت امداد دی جا سکے اور وہ اپنی حالت بہتر بنا سکیں۔

جہاں تک بلدیاتی اداروں کا تعلق ہے، مجھے اُمید ہے کہ وہ تمام سکیموں کی طرف توجہ دیں گے۔ اگر صوبائی حکومت کے تحت کچھ پروگرام مرتب ہوتے ہیں تو ہماری موجودہ پالیسی کے تحت بلدیاتی ادارے نہ صرف اُن سکیموں کے بنانے میں حق بجانب ہیں بلکہ اس میں ان کا پورا پورا ہاتھ ہونا چاہیئے۔ آج میں نے صبح پشین میں یہ بات کہی اور یہاں بھی دُہرانا چاہتا ہوں کہ تعلیمی میدان میں ہمیں نہ صرف کوہلو ایجنسی، بلوچستان بلکہ پورے پاکستان میں بہت زیادہ ترقی کرنی چاہیئے۔ اب تعلیم کے لئے یہاں سکول ہیں اور یہاں لڑکیوں کا بھی سکول ہے۔ پچھلی مرتبہ میں یہاں کچھ مالی امداد دے گیا تھا۔ اس سے بھی کچھ ترقی ہوئی ہے۔ کالج کی حالت بھی کچھ بہتر ہوئی ہے۔ لیکن اس کالج میں میری معلومات کے مطابق صرف دو طالب علم ہیں۔ اب آپ خود بتایئے کہ دو طلبا کے لئے اگر سائنس کے مضامین رکھے جائیں تو ہر مضمون کے لئے علیحدہ استاد ہونا چاہیئے۔ پھر لیبارٹری بھی ہونی چاہیئے۔ میں آپ کو وفاقی حکومت کی طرف سے جو ہدیہ دے رہا ہوں اس سے آپ کے کالج کی ترقی ہوگی۔

وقت آنے پر سائنس کی تعلیم بھی دی جائے گی، لیکن کوہلو ایجنسی میں اب جو طلبا سائنس پڑھنا چاہیں اور تعلیم کی طرف توجہ دیں تو میں ڈسٹرکٹ کونسل کے چیئرمین جناب آمدان صاحب کے سپرد یہ کام کرتا ہوں کہ یہاں سے اپنے طلبا کا چناؤ کریں۔ وفاقی حکومت انہیں وظیفہ دے گی اور اگر وہ کسی بھی یونیورسٹی مثلاً بلوچستان، پنجاب، سرحد یا سندھ کی کسی یونیورسٹی میں جانا چاہیں تو انہیں خصوصی وظائف دیئے جائیں گے۔ ان کے رہنے اور تعلیم کا مناسب بندوبست کیا جائے گا۔ آپ طلبا ڈھونڈیئے، ان کو تعلیم حاصل کرنے میں مدد پہنچانا میرا کام ہے۔ اسی طرح یہاں کے سائنس کے طلبا کو تعلیم دلوانے کی ذمہ داری بھی میری ہے بشرطیکہ وہ اپنی طرف سے بھی کوشش کریں اور آپ اس کی اجازت دیں تاکہ آج سے ۵ سال بعد جب آپ یہاں اکٹھے ہوں اور کوئی اور یہاں میری جگہ بات کر رہا ہو یا پاکستان کے دوسرے حصے سے لوگ یہاں آئیں تو وہ یہ دیکھیں کہ پاکستان کے اس حصے میں، کوہلو ایجنسی میں کتنے سائنس دان پیدا ہوئے ہیں، کتنے ریاضی دان پیدا ہوئے ہیں، کتنے ماہرین معاشیات پیدا ہوئے ہیں۔ ہمت آپ کیجئے مواقع میں پیدا کروں گا۔

دوسری بات جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ ترقی سڑک کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ میں اس چیز کو مانتا ہوں کہ ترقی کے لئے تین چیزوں کی اشد ضرورت ہے۔ سڑک، بجلی اور پانی۔ ہمیں یہاں پانی نہ صرف زراعت کے لئے چاہیئے بلکہ بعض جگہ تو پانی پینے کے لئے بھی نہیں ہے۔ میں نے آپ کی جنریٹر کی ضرورت سن لی ہے۔ چیئرمین واپڈا، جناب فضل رازق میرے ساتھ یہاں تشریف لائے ہیں۔ وہ یہاں بجلی کے کاموں کا جائزہ بھی لیں گے اور اگر جنریٹر کی ضرورت ہوئی تو ایک نہیں دو فراہم کریں گے لیکن ان کا صحیح استعمال آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ بجلی کے لئے آٹھ گھنٹے کا مطالبہ کر رہے ہیں، میں دوں گا۔ جہاں تک گرڈ سے بجلی لانے کی سکیم کا تعلق ہے وہ ہماری نظر میں ہے انشاءاللہ

وہ بھی جلدی آئے گی۔ لیکن میں آپ سے درخواست کروں گا کہ یہ حکومت کا روپیہ ہے، یہ آسمان سے نہیں گرتا، درختوں پر نہیں لگتا، زمین کے نیچے سے نہیں نکلتا۔ یہ ملک کی دولت ہے۔ اس میں آپ کی اور میری کمائی شامل ہے اور اس میں گیس کی بھی کمائی ہے اور کوئلے کی بھی۔ اس میں تمام تر ملکی وسائل کی آمدنی شامل ہے۔ یہ رقم جو یہاں خرچ ہو رہی ہے، اس میں سے پڑھنے کے لئے بجلی کا مہیا کرنا ہو یا کسی اور کام کے لئے یا زراعت کے لئے پانی فراہم کرنا ہو، یہ جو مواقع آپ کو دیئے جاتے ہیں یہ مفت نہیں دیئے جاتے کیونکہ یہ ہے تو قوم کی دولت، لیکن جو شخص اس کو استعمال کرے گا اُس کو اِس استعمال کی لاگت بھی دینی پڑے گی۔

میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ بجلی کے بل اور جو بقایا جات ہیں ان کو ادا کیجئے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جتنی رقم آپ کے بجلی کے بلوں کی ادائیگی سے آئے گی اس سے دوگنی رقم ہم یہاں ترقیاتی کاموں پر صرف کریں گے۔ یہ میں وعدہ کرتا ہوں، اب آگے آپ پر منحصر ہے۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ یہاں بجلی کے رعایتی نرخ ہیں۔ اگر آپ بلوں کی ادائیگی نہیں کریں گے تو آپ کے ساتھ والے گاؤں میں بجلی نہیں پہنچے گی۔ اس لئے مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنے واجبات ادا کر دیں گے تا کہ اس سے اور کام کئے جا سکیں۔

جہاں تک باقی مطالبات کا تعلق ہے، جیسے سڑک کا منصوبہ، ہسپتالوں کی حالت بہتر بنانا، کالجوں کی حالت بہتر بنانا، یہ تمام منصوبے ہمارے سامنے ہیں۔ میں نے چھوٹا سا ہدیہ آپ کے طلبہ کے لئے دیا ہے۔ ایک چھوٹا سا ہدیہ اور دیتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہمارا ایک منصوبہ ہے کہ ایک سڑک سبّی سے نکلے اور ایک سڑک کوہلو سے ہوتی ہوئی ڈیرہ غازی خان کو جا کر ملے۔ یہ ہماری پالیسی ہے۔ ہو سکتا ہے اس میں کچھ وقت لگے۔ ہم اتنی جلدی ہر چیز کی طرف توجہ نہیں دے سکتے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ پاکستان کو اتنے وسائل دے کہ ہم اپنی مدد خود کر سکیں۔ کچھ اور مدد جس کا ہمیں ہمارے پڑوسی ممالک اور کچھ مسلمان ممالک نے وعدہ کیا ہے، جیسے ہی آتی ہے

ہم سب سے پہلا کام یہ کریں گے کہ حسب وعدہ سوئی گیس بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں پہنچائیں گے پھر دوسرے علاقوں میں۔اس کے علاوہ ایک سڑک سبّی سے ڈیرہ غازی خان تک بھی تعمیر کی جائے گی جیسے گرینڈ ٹرنک روڈ کراچی سے پشاور تک تعمیر کی گئی ہے۔

آپ کے چیئرمین جناب آمدان خان صاحب نے بتایا ہے کہ کچھ ٹرانسپورٹ کی بھی دشواریاں ہیں۔ میں حکومت کی طرف سے گورنمنٹ ٹرانسپورٹ چلانے کے حق میں نہیں ہوں۔ ہمارے ہاں سیاسی بیداری ہے، ہمارے ہاں علم کی بیداری ہے، لیکن ہمارے ہاں جس چیز کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے وہ حکومت کے ادارے ہیں۔ اگر آج یہاں بجلی کا کھمبا لگا دیں تو اس کی اتنی قدر نہیں ہوگی جتنی اُس کھمبے کی جس کو آپ خود لگائیں گے۔ آپ اپنا ٹیوب ویل لگائیں گے تو آپ کو اس کی بڑی قدر ہوگی۔ لیکن اگر اور کوئی آپ کو لگا کر دے تو اس کی آپ کو اتنی قدر نہیں ہوگی۔ ابھی یہاں سے ڈیرہ غازی خان کے لئے ایک بس چلتی ہے۔ میں آپ کو دو بسیں دوں گا۔ ڈیرہ غازی خان تک چلائیے یا کہیں اور تک، یہ آپ کا مسئلہ ہے۔ دو نئی بسیں میں آپ کو تحفتاً دوں گا، لیکن اُن کو چلانے کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ اگر کوئی ذاتی طور پر لینا چاہے تو میں وہ بسیں بغیر کسی سود یا منافع کے اُن کو دینے کے لئے تیار ہوں۔ اگر آپ میں سے کوئی ذاتی طور پر نہیں خریدنا چاہتا تو میں ڈسٹرکٹ کونسل کو تحفتاً دینے کے لئے تیار ہوں۔ اس کی آمدنی ڈسٹرکٹ کونسل کو ملے، لیکن بس آپ کے نام پر چلے گی۔ اس کا کرایہ لیا جائے گا اور مرمت آپ خود کروائیں گے۔ اگر آپ اس کو توڑ پھوڑ دیتے ہیں تو آپ کی اپنی جائیداد ہے۔ یہ تحفہ میری طرف سے جناب آمدان خان صاحب، چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل اور میرے بھائی جو ڈیرہ بگٹی اور کوہلو کہیان میں ہیں، ان کے لئے ہے۔ یہ حکومت پاکستان کا تحفہ ہے۔ ان بسوں کو اپنی ملکیت سمجھ کر چلایئے اور ان کا کرایہ بھی وصول کیجئے تاکہ اس سے ڈسٹرکٹ کونسل کو کوئی آمدنی ہو اور وہ اور نئی بسیں خرید سکے۔

بجلی کے منصوبے کے متعلق میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہاں بجلی نیشنل گرڈز سے پہنچانے کا منصوبہ ہے۔ سڑکوں کے بارے میں میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ اس کے بعد جس چیز کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ ہے ہمارا زکوٰۃ کا نظام۔ مجھے امید ہے ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی کے ممبران یہاں موجود ہوں گے۔ ہم نے زکوٰۃ کا جو نظام بنایا ہے اُس کے مطابق جیسا کہ آپ کو علم ہوگا، ہر دیہی علاقے میں گاؤں کی سطح پر اور ہر شہری علاقے میں وارڈ کی سطح پر زکوٰۃ کمیٹی بنائی گئی ہے۔ اس کے ممبران سات ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ ممبران صحیح قانونی طریقے سے چنے گئے ہوں گے کیونکہ اس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ گاؤں کی یا وارڈ کی مسجد کے اندر اس علاقے کے تمام لوگ جمع ہوں اور وہ اپنے سات نمائندے چن لیں۔ یہ لوگ اپنی نیک نیتی، ایمانداری اور اسلام پسندی کی وجہ سے چنے گئے ہوں۔ ان کا کام یہ ہے کہ یہ اپنے علاقے کے اُن صاحبِ نصاب لوگوں کی، جن پر زکوٰۃ دینا واجب ہے، نشاندہی کریں۔ اُن کے پاس جائیں، اُن سے التجا کریں، اُن سے درخواست کریں کہ جناب آپ پر زکوٰۃ کی جو رقم واجب ہے، وہ ادا کریں۔ اب یہ کسی شخص کی اپنی صوابدید پر ہے کہ وہ زکوٰۃ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دینا چاہے، جس کی فقہی لحاظ سے اجازت ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اسے چاہیئے کہ زکوٰۃ کمیٹی کو دے تاکہ اس کا صحیح استعمال ہو سکے۔

زکوٰۃ کمیٹی کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے علاقے میں جو غریب لوگ ہیں، اُن کا جائزہ لے تاکہ جو لوگ مستحق ہیں اُن تک وہ رقم پہنچائی جا سکے۔ جو رقم حکومت کو اس مد میں حاصل ہوتی ہے اس میں سے پچھلی مرتبہ ہم نے ۸ ہزار روپیہ فی زکوٰۃ کمیٹی دیا تھا۔ اس کے بعد یہ جو دوسری قسط آئی ہے، یہ بھی لگ بھگ ۶ ہزار روپے فی زکوٰۃ کمیٹی ہے۔ مجھے امید ہے کہ وفاقی حکومت سے جو رقم آ رہی ہے، اس پر ہی انحصار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اگر صرف اسی پر انحصار کیا گیا تو پھر آپ کی ضروریات پوری نہیں ہوں گی۔

ہمارے ہاں بعض علاقوں میں بڑی غربت ہے کئی بیوگان ہیں، یتیم بچے ہیں، نادار طلبا ہیں، مذہبی مدارس ہیں۔ دینی مدارس کی دیکھ بھال کرنا ہمارا فرض ہے۔ دینی مدارس کے طلبا پر یہ رقم خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے لوگ مدد کے مستحق ہیں۔ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ کوہلو ایجنسی کا جائزہ لیں۔

کل میں نے کوئٹہ میں ایک اسکیم چلانے کی تجویز پیش کی ہے اور صوبائی حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ایک جامع منصوبہ بنائے۔ اس جامع منصوبے کی تکمیل کے لئے میں نے کچھ رقم مختلف مقامات پر دی ہے۔ اس جامع منصوبے کے تحت ایک اسکیم بنائیں۔ اس اسکیم کے تحت یہ جائزہ لیں کہ کس قسم کے ادارے بنائے جا سکتے ہیں جن کے ذریعے بیوگان، یتٰمیٰ، مساکین، مسافروں اور تمام ایسے لوگوں کے لئے، جو نہ صرف فقہی لحاظ سے بلکہ انسانی ہمدردی کے لحاظ سے بھی مدد کے مستحق ہیں، کچھ کیا جا سکے۔ آپ جانتے ہیں کہ زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کے مخصوص طریقے ہیں، ان میں ردّو بدل نہیں ہو سکتا۔ لیکن جس رقم کا میں آپ سے ذکر کر رہا ہوں اس کا استعمال ایک جامع منصوبے کے تحت صوبائی حکومت یہاں موجود زکوٰۃ کمیٹی اور چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل کے تعاون سے ایسے منصوبوں کے لئے کام میں لائے گی جن کے لئے وفاقی حکومت مالی امداد دے گی۔ آپ ایسے ادارے قائم کیجئے تاکہ بیوگان اور یتٰمیٰ کے لئے ایک مستقل ذریعۂ آمدنی ہو اور ایک ایسا چشمۂ فیض یہاں سے جاری ہو جس سے سب فائدہ اٹھا سکیں اور کسی کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ پڑے۔

اس کے بعد میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں اور آپ نے بھی جائزہ لیا ہوگا کہ کوہلو ایجنسی بلوچستان کا حصّہ ہے اور بلوچستان پاکستان کا حصّہ ہے۔ پاکستان کے لئے ہر

وہ علاقہ، خواہ وہ لاہور میں ہو یا کراچی میں، سندھ میں ہو یا بلوچستان میں، اتنا ہی اہم ہے جتنے دوسرے علاقے ہیں، بلکہ ان علاقوں کی صوبائی حکومت پر تو ذمہ داری ہے ہی، وفاقی حکومت پر بھی ذمہ داری ہونی چاہیئے کہ وہ ان پر توجہ دے۔ پچھلے کچھ سال سے آپ کے ہاں جو ترقی ہوئی ہے، ذرائع آمدنی، آبپاشی، زراعت اور دوسری سہولتوں میں جو اضافہ ہوا ہے، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہاں امن وامان ہے۔ لوگ آپس میں بھائیوں کی طرح رہیں تو ہم مل کر ایک ایسا معاشرہ بنا سکتے ہیں جو صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی معاشرہ ہو۔ اسلام کے اصولوں کے مطابق یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے اپنے بھائی کی مدد کرو۔ اس سے اتنی محبت کرو جتنی اپنے عزیز و اقارب سے کرتے ہو۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ جن علاقوں کی طرف پہلے توجہ نہیں دی گئی، ان پر توجہ دی جائے۔ وہ علاقے جہاں آپس میں کچھ اختلافات ہیں، ان کو دور کیا جائے۔ آپس میں محبت اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا کی جائے اور جن لوگوں کو کسی وجہ سے نقصان پہنچا ہے، ان کو کچھ نہ کچھ معاوضہ دیا جائے تاکہ وہ آئندہ اپنی زندگی افہام و تفہیم اور محبت سے گزار سکیں اور معاشرہ صحت مند خطوط پر استوار ہو۔ آنے والی نسلیں آپ سے اور مجھ سے پوچھیں گی کہ بتایئے ہمارے آباؤ اجداد نے ہمارے لئے کیا کیا۔ آپ اپنے بچوں کے لئے کیا کیا چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ یہ میرا اور آپ کا فرض ہے کہ ہم اپنے لئے نہیں تو اپنی اولاد کے لئے ایسے مواقع چھوڑ کر جائیں کہ نہ صرف وہ امن و امان سے رہ سکیں بلکہ ترقی کے میدان میں اتنا آگے بڑھیں کہ لوگ پوچھیں کہ یہ کون سے علاقے کے رہنے والے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اس سلسلے میں مجھے بزرگوں، بھائیوں اور عزیزوں کا تعاون حاصل ہوگا تاکہ ہم اس علاقے کی صحیح معنوں میں خدمت کر سکیں۔

ہمارے ہاں بہت سے مسائل ہیں۔ ہمارے ملک کو بنے ہوئے ابھی صرف ۳۲ سال ہوئے ہیں۔ اس ملک کو ہم نے صحیح معنوں میں اسلامی طریقے سے چلانا ہے اور یہاں صحیح معنوں میں ترقی کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنا کچھ دیا ہے۔ پانی ہمارے پاس ہے، بجلی ہمارے پاس ہے، لوگ ہمارے پاس ہیں، دین ہمارے پاس ہے، اللہ کی ہدایت کی کتاب ہمارے پاس ہے، اور جس چیز کے بارے میں بھی آپ سوچیں، وہ اللہ کے فضل سے پاکستان میں موجود ہے۔ اس کا صحیح فائدہ اٹھانا ہمارا کام ہے۔ میں انشاءاللہ اگر موقع ملا تو دوبارہ حاضر ہوں گا۔ یہاں سے چند ایک اصحاب بعض مرتبہ اسلام آباد بھی آتے جاتے ہیں، ان سے بھی ملاقات کروں گا۔ میرا یہ عقیدہ ہی نہیں مشاہدہ ہے کہ اگر آدمی کی نیت ٹھیک ہو وہ کوشش کرے اور اللہ پر بھروسہ کرے تو پھر کامیابی خود اُس کے قدم چومتی ہے، اجتماعی طور پر بھی اور انفرادی طور پر بھی۔ مجھے امید ہے کہ اس ایجنسی کے افراد جو صحیح معنوں میں اسلام کے داعی ہیں، آپس میں افہام وتفہیم کے ساتھ کام کریں گے۔ میرے لائق جو خدمت ہوگی میں انشاءاللہ سرانجام دوں گا۔ آپ کی جو ذمہ داریاں ہیں وہ آپ پوری کریں۔ بطور مسلمان میں آپ کا دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہ موقع دیا اور اتنی تکلیف کر کے اتنے پروقار طریقے سے، یہاں کوہلو ایجنسی میں ایک باقاعدہ دربار ہال بنا دیا۔ اب آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے کاموں میں برکت ڈالے۔ آمین۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

بلوچستان کے علماء، مشائخ اور زکوٰۃ کمیٹیوں کے ارکان سے خطاب

کوئٹہ : ۲۳ نومبر، ۱۹۸۰ء

۲۳ نومبر، ۱۹۸۰ء کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے کوئٹہ میں بلوچستان کے علماء، مشائخ اور زکوٰۃ کمیٹیوں کے ارکان سے ملاقات کی۔ اس موقع پر مختصر خطاب میں صدر نے کہا کہ اسلام آباد میں علماء کنونشن اور مشائخ کنونشن نے سفارش کی تھی کہ علماء اور مشائخ کا ایک ایک بورڈ ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ ایک ادارہ اسلامی نظریاتی کونسل کی صورت میں پہلے سے موجود ہے اس لئے اب یہ جائزہ لیا جا رہا ہے کہ ان اداروں کا آپس میں کیا تعلق ہونا چاہیئے۔

انہوں نے کہا کہ اسلام کا نام لینے والے ہی اسلام کے لئے کام کر سکتے ہیں۔ اس لئے مفکرینِ دین، علماء اور مشائخ کو چاہیئے کہ وہ حکومت کی راہبری کریں تاکہ معاشرے میں اسلامی اقدار قائم کی جائیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ

معزّز حاضرین!

السّلام علیکم۔ میرا آج ولولہ انگیز، جوشیلی تقریر کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ میرا ارادہ صرف آپ حضرات سے ملاقات کرنے کا ہے، کیونکہ میں جب بھی کوئٹہ آتا ہوں تو علماء حضرات سے، مشائخ سے ملتا ہوں۔ آپ کی اس محفل میں زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبر حضرات بھی شامل ہیں۔ میں آج کی اس ملاقات کے ذریعے آپ کے خیالات سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر کچھ چیزوں کی وضاحت کی ضرورت ہوئی تو میں آخر میں آپ کی خدمت میں عرض کروں گا یہ ایک بے تکلّفانہ ملاقات ہے تاکہ آپ حضرات کی تجاویز اور سفارشات سے، جس چیز کی طرف آپ سمجھ رہے ہیں کہ میری توجّہ ہونی چاہیئے یا گورنر صاحب کی توجہ ہونی چاہیئے، آگاہی ہو۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اسلام آباد میں علماء کنونشن اور مشائخ کنونشن منعقد

ہوا۔ پھر اس کے بعد میں اقوام متحدہ United Nations چلا گیا۔ علماء کنونشن سے جو سفارشات آئی تھیں، اُن میں سے بعض پر عمل ہو گیا ہے اور بعض پر ابھی تک عمل نہیں ہو سکا ہے۔ اس کی کچھ وجوہات تھیں۔ عنقریب انشاء اللہ چند ایک ضروری اور اہم اقدامات، مثلاً جو علماء کنونشن میں ہم نے پانچ چھ کمیٹیاں بنائی تھیں، ان کی تکمیل کا اعلان ہو گا۔ اس کے بعد یہ کہ علماء اور مشائخ بورڈ کو کس طریقے سے آرگنائز کیا جائے تاکہ اس سے استفادہ کیا جا سکے، کیونکہ ہمارے پاس پچھلے علماء کنونشن کی سفارشات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ علماء کا ایک بورڈ بنایا جائے۔ مشائخ کنونشن میں بھی انہوں نے کہا کہ ایک مشائخ کا بھی بورڈ ہونا چاہیئے۔ ہمارے پاس اسلامک آئیڈیالوجی کونسل پہلے ہی موجود ہے۔ تو ہم اس چیز کا جائزہ لے رہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک عملے کا دوسرے کے ساتھ بجائے اس کے کہ تعاون ہو، کہیں تضاد نہ ہو جائے۔ اس لئے اس کا جائزہ لے کر کمیٹیوں کی تشکیل کا اعلان یہاں سے جانے کے فوراً بعد انشاء اللہ کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد ہم یہ جائزہ لے رہے ہیں اور اس کا بھی عنقریب اعلان ہو گا کہ علماء کا جو بورڈ ہے، اس میں مشائخ ہوں، علماء ہوں اور دوسرے دینی فکر والے جو اصحاب ہیں، اُن کی کس قسم کی باڈی بنائی جائے تاکہ اس سے پورا فائدہ حاصل ہو۔ اس کا اور اسلامک آئیڈیالوجی کونسل کا آپس میں کیا رابطہ ہونا چاہیئے اور وفاقی حکومت کی کابینہ کا اس کے ساتھ کیا رابطہ ہونا چاہیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ لوگ کہیں کہ یہ بھی انہوں نے کوئی دھندا شروع کر دیا ہے۔ میں آپ سے یقین سے کہتا ہوں، میرا ایمان ہے کہ پاکستان میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلامی Infection (میں اس کو وبا کہتا ہوں) جو ہے وہ اب پھیل گئی ہے۔ لوگ

دین کا نام لینے میں اب کچھ فخر محسوس کرنے لگے ہیں اور فضا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑی اچھی ہے۔ اس فضا کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، میں جیسا کہ عرض کر رہا تھا کہ پاکستان میں اسلام کا نام لینے والے ہی اسلام کے لئے کام کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اس کو مدِّنظر رکھتے ہوئے علماء، مفکّرینِ دین، مشائخ اور وہ تمام حضرات جن کا دین کے ساتھ تعلق زیادہ ہے، ان کی راہبری میں حکومتِ وقت کو مختلف اقدامات کرنے ہیں تاکہ ہر پہلو سے معاشرے کی تطہیر ہی نہ ہو بلکہ اس کے ہر شعبۂ زندگی میں اسلامی اقدار قائم کی جائیں۔

میں آپ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اب آپ مجھے بتایئے کہ کن مسائل پر، میری یا گورنر بلوچستان، جنرل رحیم الدین صاحب کی توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ بعض چیزوں کا ہمیں علم ہے، بعض آپ بتائیں گے۔ آپ کی سفارشات کی طرف بھرپور توجہ دی جائے گی، انشاءاللہ۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

کل پاکستان اہلِ قلم کانفرنس سے خطاب

اسلام آباد: ۲۵ نومبر، ۱۹۸۰ء

۲۵ نومبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے کل پاکستان اہلِ قلم کانفرنس سے خطاب کیا۔ یہ کانفرنس اکادمی ادبیات کے زیر اہتمام اسلام آباد میں منعقد ہوئی۔ صدر نے اہلِ قلم خواتین و حضرات کو یقین دہانی کرائی کہ حکومت نہ ان کے قلم پر کوئی پہرہ بٹھانا چاہتی ہے اور نہ ہی انہیں اوامر و نواہی کا کوئی فارمولا دینا چاہتی ہے۔ اس کے برعکس حکومت ادیبوں، شاعروں اور تخلیق کاروں کو ادب کے علماء اور مشائخ سمجھتی ہے جو ادب اور اس کے تقاضوں کو نہ صرف سمجھتے ہیں بلکہ اس سلسلے میں راہنمائی بھی فراہم کر سکتے ہیں۔ صدر نے کہا کہ ہمارے ملک کے قلمکار یا تو ایسے ہیں جو محض اپنے ارد گرد کے علاقے کو اپنی تخلیقی سرگرمیوں کا محور بنا لیتے ہیں یا پھر آفاقیت کی تلاش میں اپنے ہی ملک کی نفی کرنے لگتے ہیں جو ان کی شناخت کا اصل حوالہ ہے۔ انہوں نے گزشتہ سال کی کانفرنس میں اپنی تقریر کے الفاظ دہرائے جس میں انہوں نے کہا تھا "وہ قلمکار جو پاکستان کو اپنی شناخت کا حوالہ بنانے سے شرماتے ہیں یا کتراتے ہیں، ان پر اس سرزمین کا رزق، اس کا پانی، اس کی چھاؤں اور اس کی چاندنی حرام ہے"۔ صدر نے کہا کہ ہم سب کی کمٹ منٹ پاکستان اور اسلام سے ہے۔ کوئی شہری خواہ وہ ادیب ہو، کاشت کار

ہو، سپاہی ہو، صنعت کار ہو، مزدور ہو اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اس بات پر کوئی سمجھوتہ ممکن نہیں۔

صدر نے کہا کہ تیسری دنیا میں آزادیٔ اظہار کے اعتبار سے پاکستان جنت ہے۔ نظریاتی ممالک کو دیکھیں تو آپ عبرت سے کان پکڑنے لگیں گے۔ مغربی دنیا میں بھی مادر پدر آزادی کا تصور نہیں ہے۔ صدر نے کہا کہ مادر پدر آزادی قانونِ فطرت کے خلاف ہے۔ آزاد اور بے لگام بہنے والا دریا بھی دو کناروں کے درمیان بہنے پر مجبور ہے۔ آزاد پرندہ بھی فضائی حدود سے باہر نکلنے سے معذور ہے۔ وسیع سمندر پر بھی کوئی نہ کوئی کنارا پہرا دیتا ہے۔

صدر نے کاپی رائٹ قوانین، ادبی پرچوں کی حالتِ زار اور قلم کاروں کے مسائل کے حل کی سفارشات مرتب کرنے کے لئے ڈاکٹر این۔ اے۔ بلوچ کی سربراہی میں ایک سات رکنی کمیٹی تشکیل دی اور " اکادمی ادبیاتِ پاکستان " کے ڈائریکٹر جنرل کو اس کا سیکرٹری مقرر کیا۔ ارکان کا چناؤ ایوان کو کرنا تھا۔ انہوں نے رائٹرز ویلفیئر فنڈ کے لئے پانچ لاکھ روپے کے عطیے کا بھی اعلان کیا۔

یہ کانفرنس دو روز تک جاری رہی جس میں ملک بھر کے ممتاز قلم کاروں نے شرکت کی۔ افتتاحی اجلاس میں وفاقی وزیرِ تعلیم، جناب محمد علی ہوتی بھی شریک تھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

وفاقی وزیرِ تعلیم، محمد علی خان آف ہوتی صاحب،
اکیڈمی آف لیٹرز کے معزز اراکین
اور
اہلِ قلم خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ ڈیڑھ سال بعد ایک مرتبہ پھر آپ سے مخاطب ہونے کا موقع ملا ہے۔ آپ میں سے بعض حاضرین کو یاد ہو گا کہ میں نے پچھلے سال اسی پلیٹ فارم سے آپ کی خدمت میں چند باتیں عرض کی تھیں اور آپ سے کہا تھا کہ حکومت آپ کے تخیّل کی پرواز کے پر کاٹنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ حکومت آپ کے قلم پر پہرے بٹھانا نہیں چاہتی۔ حکومت آپ پر امر و نہی کا کوئی فارمولا مسلّط کرنا نہیں چاہتی۔ حکومت چاہتی ہے کہ آپ آزادانہ اپنا تخلیقی کام جاری رکھیں، اپنے قلم کو پوری ذمہ داری کے ساتھ استعمال کریں

اور ملک کی تعمیرِ نو میں بھرپور حصّہ لیں۔ گزشتہ ڈیڑھ سال یا اس سے پیشتر دو برسوں پر نظر ڈالیں تو آپ کو احساس ہو گا کہ حکومت نے مارشل لا کے باوجود کسی قلم کار کا قلم نہیں چھینا۔ ضروری قوانین موجود ہوتے ہوئے کسی ادیب یا شاعر پر مقدمہ نہیں چلایا۔ کسی لکھنے والے کو پسِ زنداں نہیں پھینکا حالانکہ بعض قلم کاروں نے شہرت کا "شارٹ کٹ" تلاش کرنے کے لئے یا کسی اور مقصد کی خاطر اشتعال انگیز تحریریں بھی لکھیں، لیکن ہم نے اسے بھی درگزر کیا۔ میں اس کی نشاندہی کرکے کوئی احسان نہیں جتا رہا، صرف حقیقتِ حال کا اظہار کر رہا ہوں۔

میں آج جو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ موجودہ حالات میں ادیبوں کے رول کے بارے میں ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ جو ادبی اور تنقیدی محفلوں میں طویل مقالے سننے کے عادی ہیں، میری گزارشات بھی توجہ سے سنیں گے۔ آخر موقع بھی تو بہت عرصے بعد ملا ہے۔

ادیبوں، شاعروں اور دوسرے قلم کاروں کے متعلق حکومت کا یہ رویّہ حاکمانہ ہے نہ غلامانہ، آمرانہ ہے نہ عاجزانہ کیونکہ ان سب رویّوں سے غالب اور مغلوب، حاکم اور محکوم، مُنعِم اور مُنعَم کی بُو آتی ہے۔ حکومت ادیبوں، شاعروں اور تخلیق کاروں کو ادب کے علماء اور مشائخ سمجھتی ہے جو ادب اور اس کے تقاضوں کو نہ صرف سمجھتے ہیں بلکہ اس سلسلے میں ضروری راہنمائی بھی فراہم کر سکتے ہیں۔ حکومت قلم کاروں کو قیسِ عامری سمجھتی ہے جو سچائی کی تلاش میں خیالات کے بَن اور تصوّرات کے صحرا طے کرتے ہیں۔ حکومت قلم کاروں کو فرہادِ تیشہ بردار سمجھتی ہے جو محبت و اخوت کی میٹھی نہریں بہانے کے لئے ظلم و استبداد کے پہاڑ کاٹنے میں زندگی صرف کرتے ہیں۔ حکومت قلم کاروں کو اعلیٰ انسانی قدروں کے امین اور بہتر مستقبل کے

نقیب سمجھتی ہے۔

یہ باتیں ہر تخلیق کار پر صادق آتی ہیں اور میں غیر مشروط طور پر ان عالمی صداقتوں پر اپنے ایمان کا اظہار کرتا ہوں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ کوئی قلم کار ہوا میں معلّق نہیں رہ سکتا۔ وہ ایک معاشرے کا فرد اور ایک ملک کا شہری ہوتا ہے۔ وہ ایک خاص آب و ہوا میں پلتا بڑھتا اور ایک خاص انسانی معاشرے میں پروان چڑھتا ہے۔ وہ معاشرے کو متاثر کرنے سے پہلے خود معاشرے سے اثر قبول کرتا ہے، بلکہ معاشرہ ہی وہ خام مال مہیا کرتا ہے جو اس کے شعور کی بھٹی میں پک کر ادب پارے کی شکل اختیار کرتا ہے۔ آپ کے لئے سوچنے کی بات یہ ہے کہ آپ کا خام مال کہاں سے آتا ہے۔ آپ کی بھٹی کس ساخت کی ہے۔ آپ کا احساس شعور کہاں کا پروردہ ہے؟ کیا یہ سارا مال دساور سے منگوایا گیا ہے یا سب خانہ ساز ہے۔ کیا اس کی جڑیں اپنی دھرتی اور اپنے ملک میں ہیں یا انہیں غیر ملکی گملوں اور کھاد میں پروان چڑھایا جا رہا ہے۔

پاکستانی ادیبوں کے حوالے سے یہ تلخ حقیقت میرے سامنے آئی ہے کہ چند قلم کاروں کو چھوڑ کر ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو یا تو اتنے سکڑتے ہیں کہ اپنے آبائی قبیلے یا علاقے تک محدود ہو جاتے ہیں یا پھر "آفاقیت" کی خیالی منزل کے پیچھے ایسے بھاگتے ہیں کہ اپنے ہی ملک کی نفی کرنے لگتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کا ادراک کرنے سے گھبراتے ہیں جو ان کی شناخت کا اصل حوالہ ہے۔ وہ اس مٹی سے قطع تعلق کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں جس میں ان کی جڑیں ہیں۔ وہ اس پانی سے پہلو تہی کرتے ہیں جس کی طراوت سے ان کی تحریریں برگ و بار پاتی ہیں۔

میرے خیال میں اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی مٹی، اپنے پانی اور اپنی آب و ہوا کے متعلق دوٹوک فیصلہ کرلیں اور کسی قسم کے معذرت خواہانہ انداز کی بجائے یہ تسلیم کرلیں کہ ہماری تخلیقی قوتوں کا سرچشمہ ہمارا اپنا نظریۂ حیات ہے۔ جو صرف اور صرف نظریۂ اسلام پر مبنی ہے۔ اسلام کے نام سے بدکنے یا کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسلام نے آپ کو یہ ملک دیا ہے۔ اسلام کی بدولت آج آپ آزادی کی فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ اسلام اور پاکستان لازم و ملزوم ہیں۔

میں نے پچھلے سال اپنی تقریر میں واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ :

"وہ قلمکار جو پاکستان کو اپنی شناخت کا حوالہ بنانے سے شرماتے یا کتراتے ہیں، ان پر اس سرزمین کا رزق، اس کا پانی، اس کی چھاؤں اور اس کی چاندنی حرام ہے۔"

مجھے خوشی ہے کہ اس اعلان کے بعد کسی ادیب اور شاعر نے ملک کی ان نعمتوں سے کنارہ کشی نہیں کی۔ کسی نے ان آسائشوں کو اپنے لئے حرام نہیں سمجھا۔ کسی نے اپنے آپ کو ان کا غیر مستحق نہیں گردانا، جس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کے تقریباً سبھی ادیب، شاعر اور نقّاد اپنے آپ کو حقیقتاً اس ملک کا وفادار سمجھتے ہیں اور اس کی نعمتوں پر اپنا حق جانتے ہیں۔

اگر میرا یہ مفروضہ درست ہے تو میں اس مرتبہ ایک قدم آگے جانا چاہوں گا اور آپ سے استدعا کروں گا کہ آپ ان قلمکاروں کی موشگافیوں کا منہ توڑ جواب دیں جو آپ کے اور ہمارے وطنِ عزیز کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کے درپے ہیں آج ملک کی جغرافیائی سرحدیں اتنی تشویش ناک نہیں جتنی اندرونی حالت توجّہ طلب ہے۔ اندرونِ ملک نظریاتی محاذ پر سرنگیں اور آبدوزیں کام کر رہی ہیں۔ آج اِس

قد آور اور سدا بہار درخت کی جڑوں میں دیمک لگانے کے لئے تگ و دو کی جا رہی ہے۔ آج اس بلند و بالا عمارت کی بنیادی اینٹوں کو ہلانے کی درپردہ کوششیں ہو رہی ہیں۔ ادیبوں، شاعروں اور دوسرے قلمکاروں کو جن کی حسیات دوسروں کی نسبت تیز اور جن کے قلمی ہتھیاروں کی کاٹ دوسروں سے زیادہ پُر اثر ہوتی ہے، ان باتوں کا نوٹس لینا چاہیئے اور فکری محاذ پر دفاعِ پاکستان کی جنگ لڑنی چاہیئے۔ جہاں سپاہی کا یہ فرض ہے کہ وہ جغرافیائی سرحدوں پر لڑے، کاشتکار کا یہ فرض ہے کہ وہ بہتر زرعی پیداوار مہیا کر کے وطن کو مضبوط بنائے، جہاں مزدور کا یہ کام ہے کہ وہ صنعتی پیداوار میں اضافہ کر کے ملک کو نئی قوت بخشے، وہاں ادیب کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ نظریاتی محاذ پر اپنے قلم کا اثر دکھائے اور دفاعِ وطن کی جنگ میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے۔ اس سلسلے میں آپ کو نہ صرف اپنی تخلیقات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ان سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ملک کی نظریاتی بنیادوں پر زد نہ پڑے بلکہ اس طرف بھی نظر رکھنی ہے کہ پاکستان پر شبخون کس طرف سے مارا جا رہا ہے اور اس کا سدّباب کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ یہ مسئلہ سراسر کمٹ منٹ Commitment کا مسئلہ ہے۔ ہم سب کی کمٹ منٹ پاکستان اور اسلام سے ہے۔ کوئی شہری خواہ وہ ادیب ہو یا کاشتکار، شاعر ہو یا صنعتکار، سپاہی ہو یا تخلیق کار، سرکاری ملازم ہو یا قلمکار اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اس بات پر کسی قسم کا سمجھوتہ یا Compromise ممکن نہیں۔

مجھے معلوم ہے کہ ادیب خواب دیکھتا ہے شاعر تصوّراتی دنیا کا تانا بانا بنتا ہے۔ تخلیق کار ایک ایسے انسانی معاشرے کے خواب دیکھتا ہے۔ جہاں کوئی کسی کا محتاج نہ ہو، جہاں کوئی بندہ اور کوئی آقا نہ ہو، جہاں استحصال کرنے والا

اور استحصال کا شکار ہونے والا کوئی نہ ہو۔

خواتین و حضرات!

اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہی وہ خواب ہیں جنہیں حقیقت کا روپ دینے کے لئے اسلام آیا تھا۔ یہی وہ معاشرہ تھا جسے قائم کرنے کے لئے احکامِ الٰہی نازل ہوئے تھے۔ اگر آج تک ہم ان اقدار پر مبنی معاشرہ قائم نہیں کر سکے تو اس میں قصور اسلام کا نہیں، ہمارا ہے۔ اگر آج بھی استحصالی قوتیں سرگرمِ عمل ہیں تو قصور اسلامی نظریۂ حیات یا اس پر قائم ہونے والے پاکستان کا نہیں بلکہ ہمارا ہے۔ اگر آج بھی ظلم و استبداد کی قوتیں عدل و انصاف پر غالب ہیں تو اس میں قصور دینِ اسلام کا نہیں، ہم جیسے گنہگاروں کا ہے۔ لہٰذا میں آپ کو دعوت دوں گا کہ آیئے، اس جہاد میں سب مل کر کام کریں۔ آیئے، اس کارِ خیر میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ آیئے، ایسا مثالی معاشرہ قائم کرنے کے لئے اپنی اجتماعی صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔

ممکن ہے بعض مغرب زدہ ذہن "اسلام" کا نام سن کر یہ سمجھیں کہ میں ان کے ذہنوں کو کسی تنگ خانے میں بند کرنا چاہتا ہوں، ہرگز نہیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے آپ میں زیادہ تر قلمکار مسلمان ہیں۔ میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ جس دین کے علمبردار ہیں، اس کے نظریۂ حیات پر غور کیجئے۔ اس کی اقدار کو اپنی فکر میں جگہ دیجئے۔ اس کے پیش کردہ مثالی معاشرے کے خدوخال پہچاننے کی کوشش کیجئے۔ آپ کو خود بخود اندازہ ہو جائے گا کہ اسلامی معاشرہ جن قدروں کی علمبرداری کرتا ہے، وہ قدریں آفاقی ہیں، وہ اصول لافانی ہیں، وہ بنیادیں عالمگیر ہیں۔ انہیں اپنانے سے آپ کی فکر کا دامن تنگ نہیں، وسیع ہو گا۔ انہیں موضوع

بنانے سے آپ کی تخلیقی صلاحیتیں مفلوج نہیں، تیز تر ہوں گی۔

کمٹ منٹ Commitment کے بعد میں جس بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ آزادئ اظہار ہے۔ میں آزادئ فکر اور آزادی اظہار کا قائل ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مرغِ تخیل گائیڈڈ میزائل نہیں جو صرف مقرر کردہ ہدف کی طرف حرکت کرتا ہے بلکہ یہ آزاد پرندہ ہے جس کی پرواز کسی سمت کی پابند نہیں ہوتی۔ اس کا جی چاہے تو شرق و غرب پرواز کرتا رہے اور اس کے من میں آئے تو وہ شمال و جنوب اڑنے لگے۔ حکومت بھی آپ کے مرغِ تخیل کو قید کرنا نہیں چاہتی۔ لہٰذا آپ جو چاہیں سوچیں، جو چاہیں لکھیں، آپ پر کوئی گرفت نہیں۔ البتہ ایک نقطۂ نظر کے طور پر میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میرے خیال میں آزادئ مطلق یا Absolute Truth کا تصوّر نہ کسی زمانے میں رائج رہا ہے اور نہ ہی آج دنیا کے کسی خطّے میں رائج ہے۔ آپ تیسری دنیا کے ممالک پر نظر ڈالیئے تو آزادئ اظہار کے لحاظ سے پاکستان آپ کو جنت نظیر معلوم ہوگا۔ آپ دوسرے نظریاتی ممالک کو دیکھئے تو آپ عبرت سے کان پکڑنے لگیں گے بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ اگر آپ کا معیار مغربی دنیا ہی ہے تو ذرا کرید کر دیکھ لیجئے۔ وہاں بھی حقیقتاً سبزہ اتنا سبز نہیں جتنا نظر آتا ہے۔ وہاں بھی سنگریزے ہیں، وہاں بھی خارِ مغیلاں ہیں، وہاں بھی لوگ دست تہِ سنگ محسوس کرتے ہیں، وہاں بھی مادر پدر آزادی نہیں ہے کیونکہ مادر پدر آزادی قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ آزاد اور بے لگام بہنے والا دریا بھی دو کناروں کے درمیان بہنے پر مجبور ہے۔ آزاد و خود مختار اڑنے والا پرندہ بھی فضائی حدود سے باہر نکلنے سے معذور ہے۔ یہاں تک کہ وسیع سے وسیع سمندر پر بھی کوئی نہ کوئی کنارہ پہرے داری کرتا ہے۔

میں اس توضیح سے جو بات آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ آزادئ مطلق یا Absolute Truth کے موہوم تصوّر کا پیچھا کرنے کی بجائے حقیقت پسندی سے کام لیجئے۔ آزادئ اظہار کا استعمال کرتے وقت اپنے گرد و پیش پر نظر رکھیئے۔ تخلیقی کام کے دریا بہاتے وقت اپنے کناروں کا خیال کیجئے کیونکہ دریا جو کناروں سے باہر بہہ جائے دریا نہیں رہتا، تخریبی نوعیت کا سیلاب بن جاتا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت آپ کے تخلیقی دریا کی راہ میں کوئی بند باندھنا نہیں چاہتی۔ اس کے کناروں کا تعیّن ہم نے نہیں، فطرت نے کیا ہے اور انسانی ارتقا کا راز قوانینِ فطرت کی پابندی میں ہے، اس کی خلاف ورزی میں نہیں۔

تیسری اور آخری بات جو آج کی نشست میں آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں وہ آپ کے دائرۂ کار سے متعلق ہے۔ ممکن ہے میرا نقطۂ نظر ادب کے معروف نظریوں سے مطابقت نہ رکھتا ہو، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ادیب اور شاعر کو گل و بلبل اور شمع و پروانہ کے گرداب سے نکل کر زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرنا چاہیئے۔ مجھے خوشی ہے کہ ہمارے اکثر لکھنے والے اس گرداب سے نکل آئے ہیں کیونکہ کافی ہاؤس میں چائے کی پیالی سامنے رکھ کر یہ خیال آرائی کرتے رہنا کہ "اس" کی سنہری زلفوں کو جُوٹ کے ریشے سے تشبیہ دوں یا مارِ بسمل سے، ایک اچھی ذہنی عیاشی تو ہو سکتی ہے، لیکن یہی زندگی نہیں۔ رواں دواں زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ کو بہت سے نئے حقائق ملیں گے جو آپ کی ذہنی صلاحیتوں کے منتظر ہیں۔ آپ کو معاشرے میں معاشی ناہمواریاں ملیں گی، آپ کو ترقی کی نئی چکّی میں پرانی قدریں پستی ہوئی نظر آئیں گی۔ آپ کو احیائے اسلام کے حوالے سے ایک نیا ذہنی انقلاب برپا ہوتا نظر آئے گا۔ آپ کو نئی صدی ہجری میں عالمِ اسلام میں ایک نئی

تڑپ اور نیا ولولہ محسوس ہوگا۔ آپ کو مادیت کی خاک چھاننے والی دنیا کسی نئی روح سے ہمکنار ہونے کے لئے بے چین دکھائی دے گی۔ ان پر نگاہِ التفات ڈالیئے۔ ان پر غور و فکر کیجئے۔ انہیں اپنی تخلیقی شعور کی آنچ دیجئے۔ یہ بھی آپ کے قلم اور موئے قلم کے منتظر ہیں۔ اس سے آپ کے تخلیقی جوہر چمکیں گے۔ اس سے آپ نئی بلندیوں سے ہمکنار ہوں گے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا، خود تاریخِ ادب اس کی گواہ ہے۔ مغربی قلمکاروں کو چھوڑیئے، خود مشرق میں مولانا رومی سے علامہ اقبال تک آپ کو جو بھی عظیم نام یاد آئے گا، اس کا موضوع زندگی کا وسیع کینوس Canvas ہوگا۔ وہ پگڈنڈیوں پر چلنے کی بجائے زندگی کی شاہراہ پر چلنے کا عادی ہوگا۔ مقامِ مسرّت ہے کہ ماشاءاللہ ہمارے ہاں بھی کئی ایسے ادیب موجود ہیں جن کا موضوع زندگی اور اس کے اجتماعی مسائل ہیں۔

اگر اس نقطۂ نظر میں کچھ صداقت ہے تو آپ خود سوچیئے کہ آپ کے وطنِ عزیز کے ایک جانب ایک قوم ظلم و استبداد کا شکار ہوئی ہے اور دوسری طرف مسلمان اقلیت صرف ایک نظریۂ حیات کی پیروکار ہونے کی وجہ سے ظلم و ستم کا شکار ہوئی ہے۔ کیا ہمارے کسی ادیب، شاعر یا قلم کار کے کان پر جوں رینگی ہے۔ کیا کسی کے رگ و خون میں کوئی حرکت ہوئی ہے۔ اگر ویت نام، پریٹوریا، جنوبی افریقہ اور چلّی کے واقعات پر ہمارے ادیب خون کے آنسو بہا سکتے ہیں تو اپنے وجود سے براہ راست تعلق رکھنے والے واقعات سے ان کے ذہنوں کو کیوں تحریک نہیں ملتی۔ کیا ملک کا ادیب، شاعر یا کوئی تخلیق کار اپنے ملک کی بقا، اپنے ملک کے مسائل اور اپنے ملک کے گرد و پیش سے بے نیاز رہ سکتا ہے۔ اگر وہ ایسے واقعات سے واقعی بے حس رہ سکتا ہے تو کیا وہ واقعی پاکستانی ادیب کہلانے کا مستحق ہے؟

یہ تھے تین ذہنی رویئے جو میں آپ تک پہنچانا چاہتا تھا۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ انہیں درخورِ اعتنا سمجھیں یا چائے کی پیالی کی بھاپ میں اڑا دیں۔ آپ ان باتوں کو مارشل لا احکام کی بجائے ذہنی خوراک یا Food for Thought سمجھیں۔ اگر ان میں آپ کو کوئی وزن نظر آئے اور یہ آپ کی سوچ کا ایک حصہ بن سکیں تو میں سمجھوں گا کہ میری کوشش اکارت نہیں گئی۔

میں اکیڈمی آف لیٹرز کا شکر گزار ہوں کہ اس نے اس تقریب میں مجھے مدعو کر کے آپ سے ہمکلام ہونے کا موقع دیا۔ یہ اکیڈمی صدیقی صاحب کی نہیں، آپ کی اکیڈمی ہے۔ اس کے ارکان میں سرکاری افراد کم اور آپ کے نمائندے زیادہ ہیں۔ یہ ایک ایسا پودا ہے جسے حال ہی میں لگایا گیا ہے۔ اس کی آبیاری کرنا آپ کا کام ہے۔ جب یہ تناور درخت بنے گا تو اس کی چھاؤں آپ ہی کے کام آئے گی۔ دوسری ادبی تنظیموں سے اس ادارے کی کوئی رقابت یا مخالفت نہیں ہونی چاہیئے۔ جہاں ملک میں نجی سطح پر بہت سے ادبی ادارے کام کر رہے ہیں، وہاں ایک ادارہ سرکاری ذرائع سے بھی قائم کیا گیا ہے جو اپنے دائرہ کار میں خود مختار ہے۔ اس کے اساسی ارکان یعنی Founding Fellows ملک کے مشہور ادیب، شاعر اور مصنّفین ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ ادارہ جلد از جلد ایسا مقام حاصل کر لے کہ صحیح معنوں میں ادیبوں اور شاعروں کی خدمت کر سکے۔ اس کی کارگزاری کے متعلق وزیرِ تعلیم اپنی افتتاحی تقریر میں روشنی ڈال چکے ہیں۔

مجھے معلوم ہے کہ پاکستان میں ادیبوں کے بہت سے مسائل ہیں۔ وہ خونِ جگر صرف کر کے جو کچھ تخلیق کرتے ہیں اس سے قاری کا ذہن بھرے نہ بھرے، کسی اور کی تجوری ضرور بھر جاتی ہے۔ ہمارے ہاں جہاں بہت سے پبلشرز ایسے ہیں جو ملک و قوم اور

دینِ اسلام کی قابلِ فخر خدمت کر رہے ہیں، وہاں بعض ناشرین ایسے بھی ہیں جو قلمکار کی محنت شاقہ کا معقول معاوضہ ادا کرنے کی بجائے اس کا خون چوستے ہیں۔ جو ادیب یا شاعر بددل ہو کر خود ہی اپنا پبلشر بن جاتا ہے، وہ کتابوں کی تقسیم میں مار کھا جاتا ہے کیونکہ وہاں ایک اور جال بچھا ہوا ہے جسے کاٹنا نازک طبع ادیب کے لئے ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ اچھے لکھنے والے کاپی رائٹ ایکٹ کی بے اثری پر نالاں ہیں۔ وہ اپنی جائز ذہنی اولاد کو ناجائز اشاعت کی چھری سے ذبح ہوتے دیکھتے ہیں لیکن اسے قتل سے بچا نہیں سکتے۔ وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں تو مقدمہ ختم ہونے سے پہلے ان کا اثاثہ اور حوصلہ ختم ہو جاتا ہے گویا نازک خیالات کے پھول چننے والے کانٹوں میں گھسیٹے جاتے ہیں جس سے بلاشبہ ان کی تخلیقی صلاحیتیں مجروح ہوتی ہیں۔

اسی طرح ادبی پرچوں کا حال بھی پتلا ہے۔ ان میں سے اکثر پرچے اپنا خرچ چلانے سے عاری ہیں۔ کاغذ اور چھپائی کے اخراجات روز بروز بڑھتے جاتے ہیں اور آمدنی کے ذرائع کم ہوتے جاتے ہیں۔ ادبی پرچوں کی موت درحقیقت ادبی ذوق کے زوال کا سبب بھی ہے اور اس کا نتیجہ بھی۔ یہ صورتِ حال ایک قومی المیہ سے کم نہیں جس کی طرف فوری توجّہ دینے کی ضرورت ہے۔

ان مسائل کو حل کرنے کے لئے میں آپ کی مدد اور تعاون چاہتا ہوں۔ میں آپ کی سفارشات اور تجاویز چاہتا ہوں ۔ اس مقصد کے لئے میں ایک سات رکنی کمیٹی تشکیل دیتا ہوں جس کے سپرد یہ کام ہو گا کہ وہ لکھنے والوں کے جملہ مسائل کا مفصّل جائزہ لے اور قابلِ عمل اقدامات تجویز کرے۔ ڈاکٹر این اے بلوچ اس کمیٹی کے سربراہ اور اکادمی ادبیاتِ پاکستان کے ڈائریکٹر جنرل اس کے سیکرٹری ہوں گے۔ باقی پانچ

ارکان کا چناؤ یہ ایوان کرے گا۔ اگر یہ کمیٹی اس دو روزہ کانفرنس کے اختتام تک اپنی سفارشات مرتب کر لے تو بہت اچھا ہو گا ورنہ وہ اپنی تجاویز جلد از جلد مجھے بھجوا دے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت ان تجاویز پر نہ صرف غور کرے گی بلکہ انہیں عملی جامہ پہنانے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھے گی۔

میں نے پچھلے سال اس اکیڈیمی کے افتتاح کے موقع پر ایک رائٹرز ویلفیئر فنڈ Writers' Welfare Fund قائم کیا تھا اور اس کے لئے وفاقی حکومت کی طرف سے پانچ لاکھ کے عطیے کا اعلان کیا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ رقم آپ لوگوں کے تعاون سے مستحق ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے۔ میں آج اس فنڈ میں مزید پانچ لاکھ روپے کے عطیے کا اعلان کرتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ یہ رقم معذور، ضعیف اور مستحق قلم کاروں اور ان کے لواحقین کی بہبود پر صرف کی جائے گی۔ یہ رقم ادیبوں کی خدمات کا معاوضہ نہیں، ان کے حضور ایک نذرانۂ عقیدت ہے، نشانِ سپاس ہے، تحفۂ تعظیم ہے۔ اُمید ہے آپ اسے قبول فرمائیں گے۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

انڈونیشیا کے صدر سوہارتو کے اعزاز میں دی گئی ضیافت کے موقع پر خطاب

لاہور : ۲۸ نومبر، ۱۹۸۰ء

۲۸ نومبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے لاہور میں انڈونیشیا کے صدر سوہارتو کے اعزاز میں ایک ضیافت دی۔ صدر سوہارتو اسی دن پاکستان کے سرکاری دورے پر لاہور کے ہوائی اڈے پر اترے تھے۔ ان کے ساتھ مادام سوہارتو اور ان کے وفد کے ارکان بھی تھے۔ اپنی تقریر میں صدر محمد ضیاء الحق نے دونوں برادر اسلامی ملکوں کے درمیان قدیم تاریخی روابط، انڈونیشیا کی جدوجہدِ آزادی میں پاکستانی رضاکاروں کے کردار اور پاکستان کی تاریخ کے نازک دور میں انڈونیشیا کی طرف سے کھلے دل سے امداد کا ذکر کیا اور کہا کہ بین الاقوامی معاملات میں دونوں ملکوں کا نقطۂ نظر ایک دوسرے کے مماثل ہے۔ دونوں ملک نوآبادیاتی نظام کی ہر شکل کے مخالف ہیں۔ دونوں بنڈونگ کانفرنس کے بانی رکن ہیں جس میں افرو ایشیائی اتحاد کی بنیاد رکھی گئی۔ دونوں غیر جانبدار تحریک کے رکن ہیں اور دنیا میں منصفانہ عالمی اقتصادی نظام کے لئے کوشاں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دونوں ملک اسلام کے ابدی رشتے میں منسلک ہیں۔

صدر ضیاء الحق نے عالمِ اسلام کو درپیش مسائل میں افغانستان، ایران عراق

جنگ اور فلسطین کا ذکر کیا اور کہا کہ ان مسائل کے حل کے لئے جو کوششیں کی جا رہی ہیں، پاکستان اور انڈونیشیا کا ان پر نہ صرف مکمل اتفاق رائے ہے بلکہ دونوں ملک ان میں برابر کے شریک ہیں۔ صدر نے کہا کہ ہمیں اس بات پر بڑی مسرت ہے کہ پندرھویں اسلامی صدی کے آغاز کے بعد سب سے پہلے ہمارے ملک میں دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک کے سربراہ تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے اس اُمید کا اظہار کیا کہ صدر سوہارتو کے اس دورے سے باہمی مفاہمت اور تعاون میں اضافے کے ساتھ علاقائی استحکام اور عالمی امن کو بھی فروغ حاصل ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ

انڈونیشیا کے صدر، فضیلت مآب جناب سوہارتو صاحب،

قابلِ تعظیم بیگم سوہارتو صاحبہ،

انڈونیشیا کے وفد کے دیگر ارکان،

سفراء صاحبان،

مہمانانِ گرامی

اور

خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ ہمارے لیے یہ بڑی مسرت اور عزت کا مقام ہے کہ برادر ملک انڈونیشیا کے صدر، ان کی اہلیہ محترمہ اور ان کے دیگر رفقاء پاکستان تشریف لائے ہیں۔ میں انہیں حکومتِ پاکستان، پاکستانی عوام اور خود اپنی جانب سے خوش آمدید کہتا ہوں میں اُمید کرتا ہوں کہ پاکستان میں ان کا قیام نہ صرف خوشگوار رہے گا بلکہ دونوں ملکوں

کو قریب تر لانے کا باعث بھی بنے گا۔

صدرِ گرامی! آپ نے پاکستان میں اُترتے ہی جس شہر میں قدم رکھا ہے وہ بڑا تاریخی اور خوبصورت شہر ہے۔ ہم شہر لاہور کو پاکستان کا دِل کہتے ہیں۔ گویا آج آپ ایک شہر میں نہیں بلکہ پاکستان کے دِل میں اُترے ہیں۔ ہم آپ کی آمد کو قدر اور تعظیم کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ شہر تاریخی باغوں اور یادگار عمارتوں کا شہر ہے۔ یہ شہر ہماری ثقافت کا ایک اہم مرکز اور ہمارے تمدّن کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ یہ شہر پاکستان کے زندہ دلوں کا شہر ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ نے پچھلے چند گھنٹوں میں لاہور کی ان خصوصیّات کی کچھ جھلکیاں خود دیکھ لی ہوں گی۔ آپ آئندہ چند روز میں انشاء اللہ پاکستان کے دوسرے شہروں میں بھی حُسن و خیر سگالی کے ایسے مزید نمونے دیکھ سکیں گے۔

ہم انڈونیشیا کی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ قدرت نے اسے سرسبز کھیتوں، خوبصورت جنگلوں اور سدا بہار سبزہ زاروں سے یوں سجایا ہے کہ یہ ساری دُنیا میں "زمردیں خطّہ" کے طور پر مشہور ہے۔ ظاہری حُسن کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اِسے قیمتی ذخائر سے بھی مالا مال کیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انڈونیشیا کے عوام کو ایسی بے پایاں قومی حمیّت سے نوازا ہے کہ وہ آپ کی بے مثال قیادت میں متواتر ترقی کی نئی سے نئی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ ہم انڈونیشیا کے عوام کی ترقی اور خوشحالی کو اپنی ترقی اور خوشحالی تصوّر کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ وہ ترقی کے نئے سے نئے مدارج طے کریں۔

مہمان گرامیِ قدر! یہ بڑا خوشگوار اتفاق ہے کہ پندرھویں صدی کے آغاز پر پاکستان میں دُنیا کے سب سے بڑے مسلمان ملک کے صدر تشریف لائے ہیں۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں، پندرھویں صدی ہجری میں آپ کے موجودہ دورے سے ہمارے جو تعلقات مزید استوار ہوں گے ان کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہوا تھا جب مسلمان جہاز ران، تاجر اور علماء موجودہ پاکستان کے ساحلی علاقوں اور ساحلِ عرب سے سماٹرا اور جاوا کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ ان کے سفر امیدوں، توقعات اور حادثات سے بھرپور تھے۔ لوگوں کے دلوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے میں ان مسلمانوں کی اخلاقی اقدار اور ان کے مثالی اعمال نے ایک اہم کردار ادا کیا۔

دورِ حاضر پر نظر ڈالیں تو واضح ہو گا کہ ہمارے دونوں ملک تقریباً ایک ہی ساتھ نوآبادیاتی استعمار سے آزاد ہوئے۔ پاکستان کو آزادی ملنے سے پہلے ہی ہمارے رضاکاروں نے اپنے انڈونیشی بھائیوں کی جد وجہدِ آزادی میں شانہ بہ شانہ حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۴۵ء ہی میں بابائے قوم قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے انڈونیشیا کی تحریکِ آزادی کی پُرزور حمایت کا اعلان کر دیا تھا۔ پھر ۱۹۴۶ء میں قائدِ اعظمؒ نے فرمایا کہ "برصغیر کے مسلمان جو انڈونیشیا کی فوجوں میں شامل ہو کر انڈونیشیا کے لیے لڑ رہے ہیں، ہمارے سپاہی ہیں"۔ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لاتعداد رضاکاروں نے انڈونیشیا کی آزادی کی خاطر اپنی جانوں کی قربانی دی۔ آپ کے عظیم ملک میں شہداء کے قبرستانوں میں ان مجاہدین کی قبریں ہمارے ان تاریخی تعلقات کی یاد ہمیشہ تازہ کرتی رہیں گی۔

فضیلت مآب! میں آج یہ بتانے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان جب اپنی تاریخ کے ایک خطرناک موڑ پر تھا، انڈونیشیا کی حکومت اور عوام نے دل کھول کر ہماری مادی اور اخلاقی مدد کی۔ ہم اس امداد کے لیے تہہِ دل سے مشکور ہیں۔ یہ ایسی گرانقدر اور بروقت امداد تھی جسے نہ تو بھلایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا کسی طور معاوضہ ادا کیا جا سکتا ہے۔

آزادی کے روزِ اوّل ہی سے انڈونیشیا اور پاکستان کے درمیان قریبی تعلقات رہے ہیں۔ ان تعلقات کی بنیاد ہمارا مشترکہ نصب العین ہے۔ یہ بات ہمارے لیے باعثِ اطمینان ہے کہ ہمارا دوطرفہ تعاون معاشی، تکنیکی، ثقافتی اور دیگر کئی شعبوں میں پھیلا ہوا ہے جو ۱۹۶۵ء میں قائم کردہ آئی پیک یعنی Indonesia-Pakistan Economic and Cultural Cooperation کے دائرۂ کار میں فروغ پا رہا ہے۔ دوطرفہ تعلقات کے علاوہ بین الاقوامی اداروں میں بھی ہم شانہ بشانہ کام کر رہے ہیں۔ یہ امر ہمارے لیے باعثِ فخر ہے کہ ہمارے دونوں ملک اس تاریخی بنڈونگ کانفرنس کے بانی ممالک میں شامل تھے جس نے نہ صرف افرو ایشیائی اتحاد کی بنیاد رکھی بلکہ پُرامن بقائے باہمی کے اصولوں کا بھی اعلان کیا۔ ہم دونوں ممالک جو خود نوآبادیاتی نظام کا شکار رہے ہیں، ہر طرح کے نوآبادیاتی نظام کی مخالفت کرتے ہیں اور ان تمام کوششوں میں برابر کے حصہ دار ہیں جس کا مقصد ایک منصفانہ بین الاقوامی نظام قائم کرنا ہے۔ غیر جانبدار تحریک کے ارکان ہونے کی حیثیت سے بھی ہمارے دونوں ممالک اسلام کے ابدی رشتوں میں منسلک ہیں اور اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے رُکن ہیں۔ انڈونیشیا اور پاکستان اس کے اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے بھرپور تعاون کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں کیوں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اسلامی کانفرنس اُمتِ اسلامیہ کے اتحاد اور ترقی کے لیے کام کر رہی ہے۔

جنابِ صدر! ہم پوری دنیا میں بالعموم اور اپنے علاقے میں بالخصوص امن چاہتے ہیں تاکہ ہم اپنی پوری قوتیں اپنے ملک کی ترقی اور اپنے عوام کی خوشحالی پر صرف کر سکیں۔ لہٰذا ہمیں قدرتی طور پر ان افسوسناک واقعات پر گہری تشویش ہے جن سے ہمارے برِاعظم کا امن درہم برہم ہوا ہے۔ ہمارے پڑوس میں ایک اسلامی اور غیر جانبدار ملک

افغانستان زبردست غیر ملکی فوجی مداخلت کا شکار رہا ہے۔ اُدھر ان کے پڑوس میں ایک اور غیر جانبدار ملک کمپوچیا ایک طاقت ور ہمسایہ ملک کی جارحیت کا شکار ہوا ہے۔ افغانستان اور کمپوچیا میں حق خود ارادیت اور بنیادی انسانی حقوق کو پامال کیا گیا ہے اور ان دونوں ملکوں سے بہت بڑی تعداد میں لوگ جبر و استبداد سے بچنے کے لیے اپنے اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

ہمارے علاقے میں رونما ہونے والا ایک اور تشویشناک واقعہ دو برادر اسلامی ممالک ایران اور عراق کے درمیان جنگ ہے جو گزشتہ دو مہینوں سے جاری ہے۔ ہم اس افسوسناک اور خونریز جنگ کا جلد از جلد اختتام چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مشرقِ وسطیٰ میں عرب علاقوں پر اسرائیلی تسلط قائم ہے اور عالمِ اسلام کے قبلۂ اوّل یعنی بیت المقدس کی بنیادی حیثیت کو تبدیل کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ان مسائل کی نوعیت کے بارے میں ہمارے درمیان پورا اتفاقِ رائے ہے اور ہم ان کے حل کے لیے مشترکہ کوششیں کر رہے ہیں۔ ان حالات میں آپ کا دورۂ پاکستان خاص اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ اس سے باہمی مفاہمت اور تعاون کو بڑھانے کے علاوہ علاقائی استحکام اور عالمی امن کو بھی فروغ ملے گا۔

جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں کی تنظیم یعنی آسیان ASEAN میں انڈونیشیا نے جو تعمیری کردار ادا کیا ہے، اس سے پورے خطّے میں باہمی تعاون، استحکام اور خوشحالی کو فروغ دینے میں مدد ملی ہے۔ درحقیقت آسیان عالمی امور میں ایک اہم اور مثبت تنظیم ہے۔ ہم اس تنظیم کے روز افزوں اثر و رسوخ کا خیر مقدم کرتے ہیں کیوں کہ اس کے مقاصد ہمارے عزائم سے ہم آہنگ ہیں۔

جنوب مشرقی ایشیا کو بڑی طاقتوں کی رقابت اور تصادم سے آزاد رکھنے کی

غرض سے آسیان نے امن، آزادی اور غیر جانبداری کا خطہ قائم کرنے کی جو تجویز پیش کی ہے، ہم اس کی پرزور حمایت کرتے ہیں۔ ہماری کوشش بھی یہی ہے کہ اپنے علاقے میں امن و تحفظ کو فروغ دیا جائے۔ بحرِ ہند میں خطۂ امن قائم کرنے کی تجویز بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، لہٰذا ہم اس کی حمایت کرتے ہیں۔

اُمتِ اسلامیہ، ایشیائی برادری، تیسری دنیا اور غیر جانبدار تحریک کے رُکن ہونے کی حیثیت سے پاکستان کے عوام کو اپنے انڈونیشی بھائیوں کی ترقی اور خوشحالی میں گہری دلچسپی ہے۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ صدر انڈونیشیا، ان کی اہلیہ محترمہ اور انڈونیشیا کی حکومت اور عوام پر اپنی برکات کی بارش کرے اور انہیں نت نئی کامیابیوں سے ہمکنار کرے۔

معزز حاضرین! اب میں آپ سب سے درخواست کرتا ہوں کہ نیک تمناؤں کے اظہار میں آپ میرا ساتھ دیں:۔

- فضیلت مآب صدر سوہارتو اور ان کی اہلیہ محترمہ بیگم سوہارتو کی درازیٔ عمر، صحت اور خوشیوں کے لیے،
- انڈونیشی وفد کے دیگر ارکان کی صحت اور خوشحالی کے لیے،
- اس عشائیے میں موجود تمام حاضرین کی درازیٔ عمر اور صحت کے لئے،
- انڈونیشیا کے برادر عوام کی مسلسل ترقی اور خوشحالی کے لیے،
- پاکستان اور انڈونیشیا کی ابدی دوستی کے لیے۔

پاکستان انڈونیشیا دوستی زندہ باد!

پاکستان پائندہ باد!

کراچی نیوکلئر پاور پلانٹ کے معائنے کے موقع پر خطاب

کراچی : ۳۰ نومبر، ۱۹۸۰ء

(انگریزی سے ترجمہ)

۳۰ نومبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق انڈونیشیا کے صدر سوہارتو، ان کی اہلیہ اور وفد کے ارکان کے ساتھ کراچی نیوکلیئر پاور پلانٹ دیکھنے گئے۔ اس موقع پر ایک مختصر تقریر میں انہوں نے کہا کہ ہم اپنے آپ کو جدید ٹیکنالوجی کی دنیا میں پیچھے نہیں رکھ سکتے۔ ہم نیوکلیئر ٹیکنالوجی کو پرامن مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں جس کا ایک ثبوت کراچی نیوکلیئر پاور پلانٹ ہے جو گزشتہ چودہ سال سے پرامن مقاصد کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ پلانٹ ہماری جدید ٹیکنالوجی حاصل کرنے کی خواہش کی علامت بھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کے فضل اور عوام کے تعاون سے ہم جدید ٹیکنالوجی ضرور حاصل کریں گے۔ انہوں نے صدر سوہارتو کو پیش کش کی کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ انڈونیشی بھائیوں کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ صدر نے اس موقع پر کانوپ کی مسجد کی تعمیر کے لئے پندرہ ہزار روپے اور عملے کے فلاحی فنڈ کے لئے ایک لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

یور ایکسی لینسی برادرِ عزیز، صدر سوہارتو،

یور ایکسی لینسی مادام سوہارتو،

ڈاکٹر منیر صاحب،

انڈونیشیا کے وفد کے معزز ارکان،

اور

خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ ابھی کچھ دیر پہلے میرے سامنے مہمانوں کی کتاب پیش کی گئی تو میں سوچنے لگا کہ اس میں کیا لکھوں جو میرے احساسات کی صحیح ترجمانی کرے۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں آپ کے سامنے وہی کچھ دہرا دوں جو میں نے اس کتاب میں لکھا ہے تو اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ میرے دل میں اس پلانٹ کی کتنی قدر ہے۔ میں نے لکھا ”اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو انسانی اور تکنیکی جوہر عطا کیا ہے، ہم اس پر بجا طور پر فخر کر

سکتے ہیں"۔ میں پاکستانی سائنسدانوں، انجینئروں اور ٹیکنیشنوں کو سلام کرتا ہوں۔

ڈاکٹر منیر نے ابھی اس پلانٹ کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے جس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کن حالات میں یہ پلانٹ اور اس کے سائنسدان، انجینئر اور ٹیکنیشن ملک اور قوم کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب ہمیں عملاً تنہا چھوڑ دیا گیا۔ ہمیں سب کچھ اپنے وسائل سے کرنا تھا۔ پاکستانی سائنسدانوں، انجینئروں اور ٹیکنیشنوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی سائنسدانوں، انجینئروں اور ٹیکنیشنوں کے لئے میرا دل تحسین کے جذبات سے معمور ہے۔ میرے خیال میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا سبق وہ سبق ہے جو تمام ترقی پذیر ملکوں کو حاصل کرنا ہے۔ ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہے اور اس کے لئے ضروری ٹیکنالوجی کا حصول لازمی ہے۔

جیسا کہ ابھی آپ نے سنا اس پلانٹ نے ۱۹۶۶ء میں کام شروع کیا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اس پلانٹ کی ٹیکنالوجی بھی چودہ سال پرانی ہو چکی ہے اور ٹیکنالوجی کی دنیا میں آج جس تیزی سے پیش رفت ہو رہی ہے، اس کے اعتبار سے چودہ سال ایک طویل عرصہ ہے۔ ہم اپنے آپ کو چودہ سال پیچھے نہیں رکھ سکتے۔ ہمیں جدید ٹیکنالوجی کی دنیا میں رہنا ہے۔ یہ پلانٹ اور اس کا چودہ سالہ تجربہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ ہم نیوکلیئر توانائی کو پُرامن مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ یہ پلانٹ ہماری نیوکلیئر ٹیکنالوجی حاصل کرنے کی خواہش کی زندہ علامت ہے۔ ترقی اور خوشحالی کے لئے، پُرامن مقاصد کے لئے نیوکلیئر ٹیکنالوجی کا حصول نہ صرف ہمارے سائنسدانوں انجینئروں اور ٹیکنیشنوں کی خواہش ہے بلکہ ساری قوم کا سچا عزم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور عوام کے تعاون سے ہم اس کوشش

ہیں ضرور کامیاب ہوں گے۔ اپنے ملک کو ترقی اور خوشحالی سے ہمکنار کرنے کے لئے اپنی قوم کا مستقبل روشن تر کرنے کے لیئے ہم نیوکلیئر ٹیکنالوجی سمیت کوئی بھی ٹیکنالوجی حاصل کریں گے۔ یہ ہمارا حق ہے۔ آخر کار ہمیں بھی اس دنیا میں زندہ رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے۔ سب سے بڑھ کر اس نے ہمیں عمدہ دین دیا ہے، عالم اسلام کے اتحاد کا جذبہ دیا ہے جس کے باعث آج ہزایکسی لینسی سوہارتو اور میں، اپنے اور اپنے ملکوں کے درمیان حقیقی دوستی اور بھائی چارے کے رشتے محسوس کر رہے ہیں جنہیں دینِ اسلام نے مستحکم کیا ہے۔ اسی جذبے کے تحت جیسا کہ ڈاکٹر منیر نے کہا ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے، وہ عالمِ اسلام کی خدمت کے لیئے ہے۔ ان مسلمان ملکوں کے لئے ہے جو ہمارے کندھے سے کندھا ملا کر جدید ٹیکنالوجی حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے، وہ ہمارے انڈونیشی بھائیوں کی خدمت کے لئے ہے۔ میری یہ پیش کش اس توقیر، جذبۂ دوستی، محبت اور قدر کی حقیر سی علامت کے طور پر ہے جو ہمارے دل میں ہزایکسی لینسی سوہارتو اور ان کے خوبصورت ملک انڈونیشیا کے لئے ہے۔

اس موقع پر میں کراچی نیوکلیئر پاور پلانٹ کے ٹیکنیشنوں کے لئے دو چھوٹے چھوٹے تحائف مزید پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ایک آپ کی خوبصورت مسجد کے لئے پندرہ ہزار روپے تاکہ اس میں دینی مدرسہ قائم کیا جا سکے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس سے بچے اور بڑے دینِ اسلام کے بارے میں مزید کچھ

سیکھ سکیں گے اور دوسرے عملے کے ویلفیئر فنڈ کے لئے ایک لاکھ روپیہ۔
مجھے اُمید ہے کہ آپ اسے قبول کریں گے۔

پاکستان پائندہ باد

ولی عہد شہزادہ فہد بن عبد العزیز کے اعزاز میں دی گئی ضیافت کے موقع پر خطاب

اسلام آباد : ۸ دسمبر، ۱۹۸۰ء

۸ دسمبر کو سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ فہد بن عبد العزیز پاکستان کے سرکاری دورے پر آئے۔ اسی شام صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ان کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا۔ صدر نے سعودی عرب اور پاکستان کے دیرینہ تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ خود پاکستان کا وجود اس روشنی کا مرہون منت ہے جو چودہ سو سال پہلے سعودی عرب کی متبرک سرزمین سے پھوٹی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں نفاذِ اسلام کی کوششوں میں سعودی عرب کا مکمل تعاون حاصل ہے اور گزشتہ ساڑھے تین سال کے دوران پاکستان میں جو اسلامی قوانین وضع کئے گئے ہیں، ان میں سعودی عرب اور علماء کا بہت تعاون حاصل رہا ہے۔ انہوں نے بین الاقوامی سطح پر محاذ آرائی کی فضا پر تشویش کا اظہار کیا اور عالم اسلام کو درپیش مسائل، مسئلۂ فلسطین، بیت المقدس پر اسرائیلی قبضہ، افغانستان پر غیر ملکی تسلط اور ایران عراق جنگ پر تشویش کا اظہار کیا۔ صدر نے اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کہ ان تمام مسائل کے بارے میں پاکستان اور سعودی عرب ایک ہی نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے ان مسائل کے حل کے لئے اسلامی کانفرنس کی کوششوں کو سراہا اور اس

امید کا اظہار کیا کہ اگلے ماہ سعودی عرب میں جو اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہونے والی ہے، اس سے ملتِ اسلامیہ کے مسائل حل کرنے اور مسلمان ممالک کو قریب تر لانے میں مدد ملے گی۔ انہوں نے اس اُمید کا بھی اظہار کیا کہ ولی عہد شہزادہ فہد بن عبدالعزیز کے اس دورے سے پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات مستحکم ہوں گے اور اسلامی اتحاد کو فروغ حاصل ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

عالی مرتبت ولی عہد شہزادہ جناب فہد بن عبد العزیز،

سعودی وفد کے معزز ارکان،

سفیر صاحبان

اور

دیگر مہمانانِ گرامی!

السّلام علیکم۔ یہ امر ہمارے لئے باعثِ فخر ہے کہ آج سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ جناب فہد بن عبد العزیز دیگر معزز مہمانوں سمیت پاکستان تشریف لائے ہیں۔ ان کی آمد ہمارے لئے باعثِ فخر و مسرت ہے۔ میں انہیں حکومتِ پاکستان، پاکستانی عوام اور خود اپنی جانب سے خوش آمدید کہتا ہوں۔

یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ پاکستانی عوام سعودی عرب کی سرزمین اور وہاں سے تشریف لانے والے معزز مہمانوں کے لئے گہری محبت اور عقیدت کے جذبات رکھتے

ہیں۔ مہمانانِ گرامی نے اس محبت و عقیدت کی بعض جھلکیاں آج سہ پہر راولپنڈی اور اسلام آباد میں خود دیکھ لی ہوں گی اور وہ اپنے موجودہ دورے میں انہی عقیدت بھرے جذبات کا مظاہرہ دوسرے شہروں میں بھی دیکھ سکیں گے۔

ہمارے لئے یہ بات اور بھی باعثِ مسرّت ہے کہ عزّت مآب ولی عہد شہزادہ فہد بن عبدالعزیز نے اپنی موجودہ حیثیت میں سعودی عرب سے باہر قدم رنجہ فرمایا تو ایشیائی ممالک میں سب سے پہلے پاکستان کو اس عزّت افزائی کے لئے منتخب فرمایا۔ ہم اسے اپنے لئے بہت بڑا اعزاز اور سعادت سمجھتے ہیں اور اس عزّت افزائی پر ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

میں خود ایک سے زیادہ مرتبہ سعودی عرب جا چکا ہوں۔ میں نے بھی وہاں ہر مرتبہ سعودی حکومت اور سعودی عوام میں پاکستان کے لئے محبت و احترام کے قابلِ قدر جذبات دیکھے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ پاکستان کے مسائل کو اپنے مسائل اور پاکستان کی ترقی کو اپنی ترقی سمجھتے ہیں۔ میں جب بھی سرکاری یا غیر سرکاری دورے کے بعد سعودی عرب سے لوٹا ہوں، ایک نیا جذبہ اور ایک نئی قوت لے کر لوٹا ہوں۔ یہ بے محل نہ ہوگا اگر میں اس موقع پر اس محبّت اور مہمان نوازی کا شکریہ ادا کروں جو ان دوروں میں مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر ہمیشہ نچھاور کی گئی۔

اگرچہ پاکستان نسبتاً ایک نئی مملکت ہے لیکن سرزمین حجاز سے اس کا تعلق بہت پرانا ہے بلکہ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ خود پاکستان کا وجود اس روشنی کا مرہونِ منت ہے جو چودہ سو سال پہلے سعودی عرب کی متبرک زمین سے پھوٹی تھی۔ یہ اُسی روشنی کا اعجاز تھا کہ اس برّصغیر کے باشندے گمراہی کی زندگی ترک کر کے رشد و ہدایت کی راہ پر آئے۔ یہ اُسی روشنی کا کرشمہ تھا کہ یہاں مسلمان قوم وجود میں آئی۔ ہم اسی روشنی کے

احسان مند ہیں کہ اس کی بدولت قائم ہونے والی قوم بالآخر ایک علیحدہ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔

آج بھی جب ہم اسلامی نظریے کی بنا پر معرضِ وجود میں آنے والی مملکت میں اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو ہمیں سعودی عرب کا مکمل تعاون اور مدد حاصل ہے۔ ہم نے گزشتہ تین برسوں میں جو اسلامی قوانین وضع کئے ہیں اور انہیں نافذ العمل کیا ہے، ان میں سعودی حکومت اور سعودی علمار کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ خاص طور پر جلالۃ الملک شاہ خالد بن عبدالعزیز کی ذاتی دلچسپی اور معاونت کا بہت دخل ہے جس کے لئے ہم ان کے اور سعودی حکومت کے ممنون ہیں۔

ہم اسے بھی اپنے باہمی رشتوں کی ایک اہم کڑی سمجھتے ہیں کہ بہت سے پاکستانی آپ کے عظیم ملک کی تعمیر و ترقی میں ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنی محنت سے پاکستان کو قابلِ قدر زرِمبادلہ مہیا کر رہے ہیں بلکہ اپنے خون پسینے سے سعودی حکومت کے ترقیاتی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں مدد دے رہے ہیں۔ اگرچہ بیرونِ ملک کام کرنے والے پاکستانی دوسرے ممالک میں بھی موجود ہیں، لیکن سعودی عرب میں کام کرنے والے اپنے آپ کو خاص طور پر خوش قسمت سمجھتے ہیں کیونکہ سعودی عرب محض ملازمت کی جگہ ہی نہیں، روحانی تازگی اور ابدی مسرتوں کا سرچشمہ بھی ہے۔ وہاں ہمارے عزیز ترین مذہبی مقامات ہیں جن کی زیارت ہر مسلمان کی زندگی کی معراج ہے۔

فضیلت مآب! آپ تاریخ کے ایک اہم موڑ پر پاکستان تشریف لائے ہیں۔ پندرھویں صدی ہجری کو شروع ہوئے بمشکل ایک ماہ ہوا ہے۔ ملّت اسلامیہ ایک نئے عزم اور نئی امیدوں کے ساتھ نئی صدی میں داخل ہوئی ہے۔ ہم اسے احیائے اسلام کی صدی بنانا چاہتے ہیں۔ ہم اسے بنی نوع انسان کے لئے بالعموم اور مسلمانانِ عالم کے لئے بالخصوص امن اور

خوشحالی کی صدی دیکھنا چاہتے ہیں اور اس بات کا عہد کر چکے ہیں کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی کوششیں اسی مقصد کے لئے صرف کریں گے۔

ہماری نیک خواہشات اور پُرامن مقاصد کے باوجود بین الاقوامی فضا تشویشناک انداز اختیار کرتی جارہی ہے۔ بڑی طاقتوں کے درمیان محاذ آرائی کے امکانات روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ دنیا کے بعض حصّوں میں غیر یقینی حالت خطرے کا باعث بن رہی ہے۔ خود ملّتِ اسلامیہ کئی بحرانوں سے دوچار ہے۔ ایک طرف نہ صرف فلسطین کا مسئلہ ابھی تک حل طلب پڑا ہے بلکہ بیت المقدس پر اسرائیلی قبضہ سوہانِ روح بنا ہوا ہے تو دوسری طرف ایک مسلمان اور غیر جانبدار ملک افغانستان غیر ملکی فوجوں کے تسلّط میں ہے۔ اُدھر ملّتِ اسلامیہ کے دو اہم رکن ایران اور عراق ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں۔

مہمانِ گرامی! آپ کی آمد نے ان مسائل اور دوسرے معاملات کے بارے میں تبادلۂ خیال کا ایک نادر موقع فراہم کیا ہے اور مجھے خوشی ہے کہ سعودی عرب اور پاکستان تمام مسائل پر ایک ہی نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ فلسطین کا مسئلہ فلسطینی عوام کی خواہش کے مطابق حل کیا جائے۔ مسلمانوں کی مقدس سرزمین پر اسرائیل کا قبضہ ختم کیا جائے۔ افغانستان سے غیر ملکی فوجیں مکمل طور پر بلاتاخیر واپس بلالی جائیں۔ افغانستان کا اسلامی اور غیر جانبدارانہ کردار بحال کیا جائے اور وہاں کے عوام کو اپنی مرضی کی حکومت قائم کرنے کا موقع دیا جائے۔ ایران اور عراق کی جنگ جلد ختم کی جائے ، باہمی اختلافات کو مذاکرات کے ذریعے طے کیا جائے اور اس کرّۂ ارضی کو ہر قسم کی تباہی سے محفوظ رکھا جائے۔

ملّتِ اسلامیہ کو درپیش مسائل کا مفصل جائزہ لینے کا ایک موقع اسلامی سربراہی کانفرنس مہیا کرے گی جو اگلے ماہ سعودی عرب کے اُسی شہر "مکہ مکرمہ" میں منعقد ہو رہی ہے جہاں سے چودہ سو سال پہلے اسلام کی پہلی روشنی پھوٹی تھی اور اس روشنی نے پورے کرّۂ ارضی

کو منوّر کر دیا تھا۔ اس کانفرنس کا انعقاد ایک مستحسن اقدام ہے جس کے لئے سعودی عرب کی کوششیں قابلِ ستائش ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی کانفرنس کی جتنی ضرورت آج ہے، پہلے کبھی نہ تھی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس کانفرنس سے ملتِ اسلامیہ کے مسائل حل کرنے اور مسلمان ممالک کو قریب تر لانے میں مدد ملے گی۔

میں ان الفاظ کے ساتھ ایک مرتبہ پھر عالی مرتبت ولیعہد شہزادہ فہد بن عبدالعزیز اور ان کے رفقاء کو پاکستان میں خوش آمدید کہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کے موجودہ دورے سے نہ صرف پاکستان اور سعودی عرب کے دوطرفہ تعلقات مزید مستحکم ہوں گے بلکہ اتحادِ اسلامی کو فروغ دینے میں بھی مدد ملے گی۔

حاضرینِ گرامی!

اب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ دلی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے اظہار میں میرا ساتھ دیں:۔

- جلالۃ الملک خالد بن عبدالعزیز کی درازئ عمر، صحت اور خوشیوں کے لئے۔
- عزت مآب ولی عہد شہزادہ فہد بن عبدالعزیز کی درازئ عمر، صحت اور خوشیوں کے لئے۔
- سعودی وفد کے معزز ارکان کی صحت اور خوشحالی کے لئے۔
- اس عشائیے میں شریک تمام حاضرین کی صحت اور مسرت کے لئے۔
- ہمارے سعودی بھائیوں کی مسلسل ترقی اور خوشحالی کے لئے
- پاکستان سعودی عرب کی بے مثال دوستی کے مزید فروغ اور ترقی کے لئے۔

پاک سعودی دوستی زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

میڈیکل سائنس میں ترقی کے موضوع پر کانفرنس کے افتتاح کے موقع پر خطاب

کراچی : ۱۷ دسمبر، ۱۹۸۰ء

۱۷ دسمبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے کراچی میں "میڈیکل سائنس میں ترقی" کے موضوع پر دو روزہ میڈیکل کانفرنس کا افتتاح کیا۔ اس کانفرنس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں امریکہ میں مقیم ایک سو چورانوے پاکستانی سینئر ڈاکٹروں نے بھی شرکت کی۔ صدر مملکت نے اس کانفرنس میں جو افتتاحی تقریر کی، اس میں روئے سخن بیشتر انہی ڈاکٹروں کی طرف رہا۔ صدر نے بتایا کہ قیامِ پاکستان کے وقت ملک میں میڈیکل کالجوں میں دو سو طلبا کے داخلے کی گنجائش تھی جب کہ آج چار ہزار ڈاکٹر ہر سال فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور دو سو پوسٹ گریجویٹ طلبا کے داخلے کی گنجائش ہے" تاہم یہ تعداد ملک کی ضروریات کے لئے بہت کم ہے جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فارغ التحصیل ہونے والے ڈاکٹروں کی ایک تہائی تعداد بیرونِ ملک چلی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر حضرات جہاں بھی جائیں، ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں، لیکن اپنے وطن کو نہ بھولیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں ایسے سپیشلسٹوں کی ضرورت ہے جو میڈیکل کالجوں میں تدریس کا تجربہ رکھتے ہوں۔

ایسے خواتین وحضرات اگر وطن واپس آنا چاہیں تو ہم انہیں خوش آمدید کہیں گے اور ان کے اس جذبے کی قدر کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ اگرچہ امریکہ اور پاکستان کے درمیان دوطرفہ شہریت کا معاہدہ نہیں ہے، تاہم حکومت پاکستان کی طرف سے یہ اجازت ہے کہ جو پاکستانی امریکی شہریت اختیار کرتے ہیں، وہ اگر چاہیں تو پاکستانی پاسپورٹ رکھ سکتے ہیں۔ انھوں نے امریکہ میں مقیم پاکستانی ڈاکٹروں کی ایسوسی ایشن کی طرف سے ریسرچ کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپے کے عطیے سے ایک ٹرسٹ قائم کرنے کے ارادے کو سراہا اور اس بات پر بھی مسرّت کا اظہار کیا کہ ان میں سے بعض ڈاکٹر پاکستان کے ہسپتالوں میں مالی مدد دینا چاہتے ہیں۔ انھوں نے اس اُمید کا بھی اظہار کیا کہ اس کانفرنس سے قومی طبی پالیسی کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ۔

گورنر صوبۂ سندھ جناب جنرل ایس۔ ایم عبّاسی صاحب،

کانفرنس کے چیئرمین ڈاکٹر افتخار صلاح الدین صاحب،

پریذیڈنٹ آف ایسوسی ایشن آف پاکستان فزیشنز ڈاکٹر کامل مظفر صاحب،

بیرونِ ملک سے تشریف لانے والے مندوبینِ گرامی

اور

معزّز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ انگریزی جیسی فصیح و بلیغ زبان میں دو مقالے سننے کے بعد میں اردو الفاظ کی چاشنی کے ساتھ آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں پچھلے دنوں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کرنے نیویارک گیا تو وہاں مجھے امریکہ میں مقیم پاکستانی ڈاکٹروں کے ایک نمائندہ وفد سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ یہ میرا پہلا موقع نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی میں ہوانا جاتے ہوئے ایک دفعہ نیویارک میں رُکا تھا اور وہاں

ڈاکٹروں سے ملاقات ہوئی تھی۔اکثر پاکستانی وفود سے ملاقات ہوتی رہتی ہے، مگر ڈاکٹروں سے دو دفعہ ملاقات ہو سکی اور مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ یہ پاکستانی اپنے وطن سے دور اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہونے کے باوجود اپنے ملک کے لئے قابلِ قدر جذبۂ خدمت رکھتے ہیں، میری آج یہاں موجودگی ان کے اسی جذبۂ خدمت کا اعتراف ہے اور مجھے خوشی ہے کہ پاکستانی ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر اتنا طویل سفر طے کر کے اور اپنی اہم مصروفیات میں سے وقت نکال کر یہاں تشریف لائے ہیں۔ میں انہیں اپنی طرف سے اور پاکستانی عوام کی طرف سے خوش آمدید کہتا ہوں۔

امریکہ میں مقیم پاکستانی ڈاکٹروں کی ایسوسی ایشن نے جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، ان کا مجھے علم ہے، انہوں نے نہ صرف بیرونِ ملک پاکستان کا نام بلند کیا ہے بلکہ پاکستان میں معذور بچوں کے لئے طبی سامان بھی مہیا کیا ہے، اس سے ان کی حُب الوطنی اور جذبۂ خدمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ اس بارے میں بہت سے قابلِ ستائش اقدام اور بھی کریں گے جن کے لئے حکومت ان سے ہر طرح کا تعاون کرتی رہے گی۔

آج کی یہ کانفرنس جو طبّی میدان میں پیش رفت کے عنوان سے متعلق ہے، میری نظر میں بہت اہم ہے کیونکہ یہ ایک ایسے موضوع سے تعلق رکھتی ہے جو نہ صرف میرے بلکہ پاکستانی عوام کے دل کے بہت قریب ہے، خاص طور پر طبیبوں کے دل کے بہت قریب ہے اور حکومت کی پالیسیوں میں بہت بلند ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ہمارا معاشرہ ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے۔ ہم صدیوں کی قدامت پسندی اور ماضی کی پسماندگی کے اندھیروں سے نکل چکے ہیں، لیکن مکمل طور پر ابھی جدید دور کی روشنی سے مستفید نہیں ہوئے۔ ہم درحقیقت دورِ جدید کی دہلیز پر کھڑے

ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دیگر شعبوں کی طرح طبّی شعبے میں بھی ایک روشن مستقبل ہمارے سامنے ہے۔ اس مستقبل کو حاصل کرنے کے لئے ہمارے دل میں شدید جذبہ اور تڑپ موجود ہے اور ہم اپنے وسائل اسی تڑپ کی تسکین اور اسی منزل کے حصول کے لئے صرف کر رہے ہیں، لیکن اس کے لئے ابھی انتھک محنت اور مسلسل کوششوں کی ضرورت ہے۔ پاکستانی معاشرے کو اس عبوری دور سے نکال کر ترقی یافتہ دور میں پہنچانا ہم سب کا مشترکہ فریضہ ہے۔ ترقی یافتہ دور سے میری مراد وہ دور ہے جس میں ہم غربت اور افلاس سے نجات پانے کے ساتھ ساتھ مختلف بیماریوں پر بھی قابو پانے کے اہل ہو جائیں اور ملک کے ہر شہری کو نہایت تسلی بخش اور مکمل طبّی سہولتیں میسّر ہو سکیں۔

ڈاکٹر صلاح الدین صاحب نے فرمایا ہے کہ طبّی سہولتیں مہیّا کرنا حکومت کے لئے کوئی بڑی کارکردگی نہیں ہے، یہ عوام کا پیدائشی حق ہے۔ میں ان سے اتفاق کرتا ہوں، لیکن میں ان کا تعاون چاہوں گا اور یہاں موجود ایک سو چورانوے پاکستانی ڈاکٹر صاحبان جو امریکہ سے واپس آئے ہیں، وہ اگر ان دو دنوں کی کاوش کے بعد ہمیں کچھ نسخہ بتا سکیں تو میں ان کا نہایت مشکور ہوں گا کیونکہ مجھے علم نہیں ہے اور میں جب نسخے کا ذکر کرتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں آپ کا ڈاکٹری نسخہ مانگ رہا ہوں کیونکہ پاکستان کے اندر ایسی کوئی چیز نہیں جس کا ہمیں علم نہ ہو) جہاں تک طبی سہولتوں کا تعلق ہے، آپ آج بھی پاکستان میں دیکھیں گے، آپ اپنے آپ کو غیر ملکی سمجھیں یا نہ سمجھیں وہ علیحدہ چیز ہے، ہم آپ کو پاکستانی سمجھتے ہیں۔ یہ آپ کی تقاریر سے بھی ظاہر ہے، آپ کے جذبے سے بھی ظاہر ہے اور آج آپ کی یہاں موجودگی سے بھی ظاہر ہے۔ لیکن میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان ان ممالک میں سے ایک واحد ملک ہے جس کے پاس

وسائل موجود ہیں، لیکن وسائل کو صحیح معنوں میں، صحیح راستے سے اب تک استعمال کرنے میں کچھ کوتاہی ہوئی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ جب میں یہ کہتا ہوں کہ وسائل موجود ہیں، ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے وسائل موجود ہونے کے باوجود محدود بھی ہیں۔

آپ یہ دیکھئے کہ امریکہ میں اس وقت جو اقدار ہیں ان کی روشنی میں وہاں ایک طرف تو یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ کپڑے پہننے کے لئے کس قسم کی ترقی کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسری طرف یہ چیز بھی دیکھی جا رہی ہے کہ جدید سائنسی ٹیکنالوجی کے ذریعے چاند پر پہنچنے کے علاوہ انسان اور کہاں کہاں پہنچ سکتا ہے۔ یہ ان کی اقدار ہیں اور ساتھ ساتھ وہ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ زندگی مصروف ہونے کے باوجود کس طریقے پر صحیح معنوں میں پروقار طریقے سے گزاری جا سکتی ہے۔

ہمارے ہاں جو اقدار ہیں وہ یہ ہیں کہ ہم یہ دیکھیں کہ ہم معاشرے کو صحیح معنوں میں کس طریقے سے انسانی جذبۂ خدمت پر مائل کریں۔ ہمارے سامنے یہ مسئلہ موجود ہے کہ ہم اپنے محدود وسائل کے باوجود کس طریقے سے سڑکیں بنائیں، لوگوں کو پینے کا پانی مہیا کریں۔ آپ تو ڈاکٹری کی بات کر رہے ہیں، میں یہاں پینے کے پانی کا ذکر کر رہا ہوں۔ امریکہ میں شاید یہ مسئلہ موجود نہ ہو، لیکن آپ یقین کیجئے کہ پاکستان میں کراچی جیسے ماڈرن شہر کے آس پاس ایسے علاقے ہیں جہاں آج تک پینے کا پانی موجود نہیں ہے۔ طبی سہولتوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں آج سے کچھ عرصہ پہلے (میں ابھی آپ کو تعداد بھی بتاؤں گا) پاکستان میں ہم نے صرف دو میڈیکل کالجوں سے شروع کیا تھا، آج ہمارے پاس سولہ میڈیکل کالج ہیں، پانچ ایڈوانس میڈیکل سنٹر موجود ہیں، پوسٹ گریجوایٹ سنٹر ہیں۔ اس لئے ہمارے ہاں جہاں بہت سی تکالیف بھی ہیں وہاں اللہ تعالیٰ

کے فضل وکرم سے سرنگ کے آخر میں کچھ روشنی نظر آرہی ہے۔ اتنا زیادہ غمگین اور افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تکالیف ضرور ہیں، لیکن ان کو انشاء اللہ تعالیٰ اب دور کیا جا سکتا ہے۔ آپ ان ممالک کا مقابلہ کر رہے ہیں جو دو سو سال پہلے نہ صرف ایک قوم بنے بلکہ انہوں نے اپنی کوششوں کے ساتھ آج ایک ایسا معیار قائم کیا ہے، ایک ایسا مقام پیدا کیا ہے کہ لوگ انہیں سپر پاور کہتے ہیں۔ ہمارے پاکستان کو بنے ہوئے تو ابھی صرف ۴۲ سال ہوئے ہیں۔ تو لب لباب یہ ہے کہ اس پاکستان کا جو نظریۂ حیات ہے، وہ اسلام ہے۔ اگر آپ اس پاکستان سے وہ نظریۂ حیات نکال لیں اور یہ کہیں کہ یہ ایک سیکولر اسٹیٹ ہو یا ایک لادینی ملک بنے تو پھر آپ اس پاکستان کو Write off کر دیں۔ اس لحاظ سے میں جس چیز سے آپ کو روشناس کرانا چاہتا تھا وہ یہ تھا کہ ہمارے ہاں بہت سی خامیاں ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سے وسائل دیئے ہیں، بہت سی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے اور ان نعمتوں میں سے ۹۴ حضرات آج یہاں موجود ہیں۔ یہ بھی پاکستان کی نعمت ہیں تو جہاں اللہ تعالیٰ کا اتنا فضل وکرم ہے، وہاں انسان کو اس کا نہ صرف شکر ادا کرنا چاہیئے بلکہ یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ اس نعمت سے کس طریقے سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایسے مایہ ناز ماہرین دیئے ہیں جن کی صلاحیتوں کا اعتراف نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ (جیسا کہ آپ نے سنا اور دیکھا ہے) بیرونِ ملک بھی کیا جاتا ہے۔ ان باصلاحیت افراد میں ہمارے ڈاکٹر، سرجن اور دیگر طبی ماہرین امتیازی حیثیت رکھتے ہیں جو ملک کو طبی میدان میں اپنی منزل سے ہمکنار کرنے میں ضروری مدد اور رہنمائی مہیا کر سکتے ہیں۔

طبی میدان میں پیش قدمی کے لیئے طبی درس گاہیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ آزادی کے وقت ہمارے حصے میں جیسا کہ ابھی میں نے آپ سے ذکر کیا تھا صرف

دو میڈیکل کالج آئے تھے، جن میں صرف اس وقت ۲۰۰ طلباء کے داخلے کی گنجائش تھی اور اس وقت ملک میں تربیت یافتہ ڈاکٹروں کی تعداد صرف ۱۲۰۰ تھی۔ لیکن آج پاکستان میں، جیسا کہ ابھی میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا، چھ میڈیکل کالج اور پانچ پوسٹ گریجویٹس میڈیکل سنٹرز موجود ہیں۔ ان درس گاہوں میں چار ہزار ایم بی ایس اور ۲۰۰ پوسٹ گریجویٹ طلباء کے داخلے کی گنجائش ہے۔ یہ سہولتیں اگرچہ ماضی کی نسبت بہت بہتر ہیں، لیکن اب بھی ملک میں تربیت یافتہ ڈاکٹروں کی کمی ہے۔ اس وقت اندرونِ ملک دستیاب ڈاکٹروں کی تعداد کو ملکی آبادی کے تناسب سے تقسیم کیا جائے تو سات ہزار افراد کے حصے میں صرف ایک ڈاکٹر آتا ہے، بشرطیکہ وہ ڈاکٹر ہو اور موجودہ پانچ سالہ منصوبے کی تکمیل تک یہ شرح چار ہزار افراد فی ڈاکٹر ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔ یہ بھی ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ اس کمی کی ایک وجہ یہ ہے کہ ملک میں جتنی تعداد میں ڈاکٹر تربیت پاتے ہیں، ان میں سے تقریباً ایک تہائی بیرونِ ملک چلے جاتے ہیں اور جو ڈاکٹر ملک میں رہ جاتے ہیں ان میں سے ۸۰ فی صد ملک کی ۲۰ فی صد آبادی پر توجہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے دیہی علاقوں میں بسنے والے لاکھوں افراد جدید طبی سہولتوں سے محروم ہیں۔

انسان کو جہاں عزت ملے گی، وہاں اس کو معاوضہ بھی اچھا ملے گا۔ جہاں اس کی اپنی تشنگی کو تسکین ملے گی، لازمی بات ہے وہ وہاں پر کام کرے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسانی فطرت کا خاصا یہ بھی ہے کہ چاہے جتنی خوشیاں اس کو مل جائیں اس کی تشنگی ساری عمر نہیں مٹتی۔ اسی لئے اسلام کا ایک بہت بڑا اصول ہے تقویٰ! آپ نہ صرف تقویٰ اختیار کیجئے بلکہ قناعت کو اپنائیے۔ اگر آپ قناعت اختیار کریں گے تو پھر یہ آپ کو امریکہ میں بھی ملے گی، انگلستان میں بھی اور پاکستان میں بھی ملے گی۔

ہیں واللہ آپ کے سامنے پاکستانی عوام کے جذبے کا اظہار کر رہا ہوں۔ ہمیں بڑی خوشی ہے کہ ہمارے پاکستانی ڈاکٹر امریکہ میں ہیں اور ہمیں اور زیادہ خوشی ہوگی کہ ہمارے ڈاکٹر صاحبان اس سے زیادہ تعداد میں وہاں جاکر عوام کی خدمت کرسکیں۔ ہمیں اس کا یہ صلہ ملا ہے کہ پاکستان کے ڈاکٹروں میں سے چند ایک ایسے بھی ڈاکٹر موجود ہیں جو نہایت اعلیٰ تعلیمی معیار حاصل کر رہے ہیں۔ ہمیں اس بات کی خوشی ہوگی اور ساتھ ہی یہ بھی پوری توقع ہے کہ آپ ۹۴ حضرات یا خواتین جو آج یہاں موجود ہیں، آپ لکھ لیجئے آج میں آپ کو بتاتا ہوں کہ کسی نہ کسی دن آپ کے دل میں ایک چرکا ضرور لگے گا کہ یا اللہ تعالیٰ ہمیں پاکستان پہنچا دے۔ یہ میں آپ کو لکھ کے دیتا ہوں، آپ کے دل کی دھڑکن میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ آپ کو وہاں سہولتیں ہیں۔ آپ کی مالی پوزیشن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہت اچھی ہے۔ آپ کو وہاں اپنے فن کے مظاہرے کے مواقع بہت زیادہ ملتے ہیں، لیکن ایک تڑپ اگر آج نہیں تو پانچ چھ سال بعد ضرور اٹھے گی، پھر اس وقت آپ آئیں یا نہ آئیں، یہ آپ پر منحصر ہے لیکن میری تسلّی ضرور ہو جائے گی۔

جو ڈاکٹر بیرونِ ملک کام کر رہے ہیں، ان کی ایک نمائندہ تعداد آج اس ہال میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے موجود ہے۔ آپ کی محنت سے آپ کے پاس وافر مادی وسائل اور تجربے کی لازوال دولت ہے جو اپنی جگہ ایک قابلِ فخر کارنامہ ہے۔ لیکن اگر آپ ذرا غور فرمائیں تو آپ کو یہ احساس ہوگا کہ آپ کے پیشہ ورانہ عروج کی اس عمارت کا بنیادی ڈھانچہ جس کا ذکر نہایت مفصل طور پر ڈاکٹر افتخار صلاح الدین صاحب نے فرمایا ہے کہ اس کا ڈھانچہ اسی غریب ملک کے وسائل اور کوششوں سے قائم کیا گیا تھا۔ یہ اسی ملک اور اسی معاشرے کی دین ہے کہ آپ نے یہاں طبّی تعلیم حاصل کی، پیشہ ورانہ

ڈگریاں پائیں اور کوالیفائڈ ڈاکٹر کہلائے۔ آج ترقی کی موجودہ منزل پر پہنچ کر عہدِ ماضی کی طرف نظر ڈالیئے۔ یہ سوچیئے کہ جس معاشرے نے اپنے محدود وسائل کے باوجود آپ کو تعلیمی سہولتیں مہیا کی ہیں، کیا آپ اس کا حق اسے لوٹا سکے ہیں یا نہیں؟ یہ ایک سوال میں آپ کے لئے چھوڑتا ہوں۔ میں ڈاکٹروں کے بیرونِ ملک جانے کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ میں نے ابھی آپ سے عرض کیا ہے، ان کی ایک خاصی تعداد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے نیک جذبے سے باہر گئی ہے۔ اس کے علاوہ جو مادی فائدے کے لئے بھی ملک چھوڑتے ہیں، وہ بھی باہر جا کر مزید تجربے اور تحقیق سے مستفید ہوتے ہیں۔ وہ جہاں چاہیں رہیں ہماری دعائیں اور ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ میری ان سے یہی گزارش ہے کہ اپنے وطن کو نہ بھولیں۔ اپنے تجربے اور ترقی سے اپنی مادرِ وطن کو بھی فیض یاب کرنے کی کوشش کریں۔ اس کی ایک مثال آج آپ کی یہاں موجودگی سے صاف ظاہر ہے۔ میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ میں آپ کی اطلاع کے لئے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ملک میں ہمارے ہاں سپیشلسٹوں کی بہت ضرورت ہے۔ خاص طور پر ایسے سپیشلسٹ جو میڈیکل کالجوں میں تدریسی تجربہ رکھتے ہوں ہم ان ڈاکٹروں کو شاید وہ تنخواہ یا سہولتیں تو نہ دے سکیں جو انہیں بیرونِ ملک دستیاب ہیں، لیکن میں انہیں یہ یقین دلاتا ہوں کہ ہم نہ صرف انہیں خوش آمدید کہیں گے بلکہ ان کے اس فیصلے کی قدر کریں گے۔ یہاں آپ کی موجودہ ایسوسی ایشن کے ممبران یا یہ کانفرنس اگر اس بارے میں اگر چند ٹھوس تجاویز پیش کر سکے تو میں ان کا خیر مقدم کروں گا۔

امریکہ میں رہنے والے پاکستانیوں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ پاکستانی پاسپورٹ اور پاکستانی قومیت بھی رکھیں۔ یہ مجھے نیویارک کے دورے کے موقع پر بتایا گیا تھا۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ جہاں تک حکومتِ پاکستان کا تعلق ہے، اسے دونوں باتوں پر

کوئی اعتراض نہیں۔ دراصل پاکستان اور چند ممالک کے درمیان یہ معاہدہ موجود ہے کہ ایک ملک کے شہری دوسرے ملک کی شہریت اختیار کرسکتے ہیں، لیکن امریکہ ان ممالک میں شامل نہیں ہے۔اگر امریکہ اس بارے میں دوطرفہ معاہدے پر رضامند ہو جائے تو ہمیں خوشی ہوگی، لیکن ہم اپنے طور پر یہ ضرور کرسکتے ہیں کہ آپ میں جو حضرات یا خواتین امریکی شہریت اختیار کریں آپ کو وہ شہریت مبارک ہو، اور اس کے علاوہ اگر آپ پاکستانی پاسپورٹ بھی اپنے پاس رکھنا چاہیں تو میری طرف سے آپ کو اجازت ہے کہ جب آپ پاکستان آنا چاہیں تو اگر آپ امریکی پاسپورٹ پر آنا چاہیں بسم اللہ، اگر آپ پاکستانی پاسپورٹ پر آنا چاہیں تب بھی ہم آپ کا خیر مقدم کریں گے۔اس کے علاوہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے،حکومت پاکستان نے یہ بھی رعایت دی ہے کہ وطن واپس آنے والے ڈاکٹر طبی مقاصد کے لئے اپنے ساتھ جو طبی سامان لائیں گے، اس پر کوئی ڈیوٹی نہیں لی جائے گی۔ اس سے یقیناً ان ڈاکٹروں کو مدد ملے گی جو وطن واپس آکر پریکٹس کرنا چاہتے ہیں یا جو بعض ہسپتالوں یا کلینکوں کو مدد دینا چاہتے ہیں۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی ہے کہ اس اقدام کو متعلقہ حلقوں میں مناسب پذیرائی ملی ہے۔ یہ بات بڑی حوصلہ افزا ہے کہ امریکہ میں مقیم پاکستانی ڈاکٹروں کی ایسوسی ایشن نے طبی سہولتوں اور ریسرچ کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپے کے عطیے سے ایک ٹرسٹ قائم کرنے کا ارادہ کیا ہے۔یہ ایک نیک ارادہ ہے جس سے یقیناً طبی تحقیق کے میدان میں مدد ملے گی، لیکن شاید آپ کو اس چیز کا علم نہ ہو، میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں ٹوٹے پھوٹے ہسپتال اور ایکس رے پلانٹ ہیں۔ ایسی ہی ٹوٹی پھوٹی ایک ریسرچ کونسل بھی ہے۔ اس ریسرچ کونسل کو اگر آپ فعال بناسکیں تو یہ بہتر ہوگا۔ بہرحال، یہ آپ کی مرضی پر ہے اگر آپ ٹرسٹ قائم کرنا چاہیں یا اگر آپ پاکستان میڈیکل

ریسرچ کونسل کو اور زیادہ فعال بنانا چاہیں۔ میں آپ سے یہ گزارش کروں گا کہ اس کا جائزہ لیجئے اور دیکھئے کہ اس کے کیا کیا امکانات ہیں۔

آخری نکتہ جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ میرے اندازِ فکر کے مطابق امریکہ میں کام کرنے والے ڈاکٹر ایک علیحدہ گروہ یا کمیونٹی Community نہیں ہیں۔ وہ بھی ہمارے دیگر ہم وطنوں کی طرح خالص پاکستانی ہیں اور ان کی خدمات بھی اپنی جگہ نہایت مستحسن ہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ اندرونِ ملک کام کریں یا بیرونِ ملک، آپ کے پیشِ نظر صرف اور صرف ایک ہی مقصد ہونا چاہیئے، یعنی ملکی مفاد۔ مجھے خوشی ہے کہ امریکہ میں مقیم پاکستانی ڈاکٹروں کی ایسوسی ایشن ملکی مفاد اور قومی ترقی کے لئے بھرپور کوششیں کر رہی ہے۔

اس دو روزہ کانفرنس کے پروگرام سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے مختلف سیشن اور ورکشاپ میں نہ صرف میڈیکل سائنس کے تمام اہم موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے بلکہ ان پر اظہارِ خیال کے لئے نہایت اعلیٰ اور چیدہ چیدہ حضرات کو دعوت دی گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کانفرنس سے ایسے مفید نتائج سامنے آئیں گے جن سے قومی طبّی پالیسی کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کانفرنس کو کامیاب کرے، جن حضرات نے اس میں حصّہ لیا ہے انہیں جزائے خیر دے اور امریکہ میں پاکستانی ڈاکٹروں کی ایسوسی ایشن کو بڑھ چڑھ کر خدمت کرنے کی ہمت اور توفیق دے۔

میں یہ بات پھر دہرانا چاہتا ہوں کہ ہمیں یہ خوشی ہے کہ آپ پاکستان سے باہر مختلف ممالک میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور ساتھ ہی آپ کو پاکستان کی خدمت کا بھی درد ہے۔ میں اس جذبے کا احترام کرتا ہوں اور جیسا کہ میں نے پہلے دو تین دفعہ کہا ہے، میں پاکستان کے عوام کی طرف سے آپ کا نہایت

ممنون ہوں۔ میں نے تمام ڈاکٹروں کی محفلوں کے اندر کہا ہے اور پچھلے تین سال میں مَیں نے بہت سے ڈاکٹروں کی میڈیکل کانفرنسوں کو مخاطب کیا ہے، لیکن اتنی بڑی تعداد سے مخاطب ہونے کا موقع نہیں ملا اور یہ بات میرے لئے باعثِ فخر ہے۔

میری آپ سے صرف یہ گزارش ہے کہ آپ تو ۱۹۴ کی تعداد میں ہیں۔ میں آپ سے یہ نہیں کہتا کہ آپ ایک ڈالر دے دیجئے، یا دو ڈالر دے دیجئے۔ پاکستان کا تو آپ پر حق ہے۔ آپ اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ میں صرف اس چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جس کالج سے، جس شعبے سے، جس ادارے سے آپ نے تعلیم حاصل کی، اس کا مجھ سے اور پاکستان سے زیادہ حق ہے۔ خاص طور پر میڈیکل کالج آپ کا وہ ادارہ ہے جہاں سے آپ نے تعلیم حاصل کی۔ پاکستان میں ہماری جہاں بہت سی خامیاں ہیں اور جہاں ہمیں آپ پر اتنا فخر ہے، وہاں ہماری آپ سے کچھ توقعات بھی ہیں اور بڑی توقع یہ ہے کہ آپ اپنے کالج کو یاد رکھیئے، آپ پاکستان کو یاد رکھیئے اور بطورِ امریکی شہری اپنے آپ کو پاکستانی سمجھیئے۔ جہاں بھی آپ کام کریں، وہاں اس چیز کا ضرور خیال رکھیں۔ اگر آپ نے اچھی کارکردگی دکھائی تو لوگ یہ نہیں کہیں گے کہ ڈاکٹر مظفر صاحب امریکی شہری ہیں۔ ٹھیک ہے وہ ضرور کہیں گے، لیکن ساتھ وہ یہ بھی کہیں گے کہ پاکستانی ہیں۔ لہٰذا اس چیز کی طرف ضرور توجّہ دیجئے۔ مجھے اُمید ہے کہ انشاء اللہ یہ چیز آپ کے پیشِ نظر رہے گی۔

اس کانفرنس کے بعد اگر آپ چاہیں تو اپنا ایک نمائندہ وفد جس کے لئے آپ پانچ آدمی لیں، دس لیں، ایک سو چورانوے لیں، سر آنکھوں پر، آپ راولپنڈی تشریف لایئے تاکہ

میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر آپ کے خیالات اور تجاویز سے تفصیلاً استفادہ کر سکوں اور ہم باہمی تبادلۂ خیال کے بعد ایسی راہیں تلاش کر سکیں جن سے امریکہ اور پاکستان میں کام کرنے والے ڈاکٹروں کے درمیان مسلسل رابطہ قائم رہ سکے اور پاکستان میں میڈیکل سائنس کو مزید ترقی دی جا سکے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

ملٹری کالج جہلم کے جلسۂ تقسیمِ اسناد سے خطاب

جہلم : ۱۸ دسمبر، ۱۹۸۰ء

۱۸ دسمبر کو صدرِ مملکت نے ملٹری کالج جہلم کے سالانہ جلسۂ تقسیمِ انعامات میں بطورِ مہمانِ خصوصی شرکت کی۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ نظریاتی ملک میں تعلیم اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اس میں ملک کے نظریے کے تحفظ کی تعلیم شامل نہ ہو۔ نظریاتی تعلیم کا مقصد طالب علموں کو ان اقدار سے لیس کرنا ہوتا ہے جو اس نظریے سے ہم آہنگ ہوں تاکہ نئی نسل صحیح معنوں میں نظریاتی مملکت کی وارث بن سکے۔ انہوں نے کہا کہ ملٹری کالج جہلم بنیادی طور پر ایک قومی درس گاہ ہے، اس کے بعد افواجِ پاکستان کا تربیتی ادارہ۔ اس طرح اس کے مقاصد قومی مقاصد کے تابع اور ان سے ہم آہنگ ہیں۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اگلے سال کالج میں نشستوں کی تعداد تین سو بیس سے بڑھا کر پانچ سو کر دی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ اس اضافے کا فائدہ فوج کے اس عنصر کو جائے گا جس کی آمدنی اور رتبہ کم ہے۔ صدر نے اعلان کیا کہ کالج میں رہائشی سہولتوں کی مشکلات دور کی جائیں گی، لائبریری کو بہتر بنایا جائے گا اور ایمبولینس کی سہولت

کا اضافہ کیا جائے گا۔ صدر نے بہترین طالب علم کے لئے اپنی طرف سے ایک ٹرافی کا اجرا کیا اور جنرل اقبال سے بھی جو اس تقریب میں شریک تھے، سفارش کی کہ وہ ایک ٹرافی کالج کو دیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

جناب جنرل اقبال صاحب، چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی،

ملٹری کالج جہلم کے کمانڈنٹ، کرنل عبدالستار صاحب،

اساتذہ کرام،

عزیز طلبا

اور

معزّز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ ملٹری کالج کی اس سالانہ تقریب میں شرکت میرے لئے خوشی اور عزت کا باعث ہے۔ میری ایک عرصے سے خواہش تھی کہ میں اس کالج میں آؤں اور اس کی کارکردگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ آج تقسیمِ انعامات کے جلسے نے یہ موقع فراہم کیا ہے اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ یہ ادارہ اپنی روایات اور شہرت کے مطابق روز بروز ترقی کر رہا ہے۔

میں نے کالج کے کمانڈنٹ کی رپورٹ بڑے غور سے سُنی ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کالج ماشاءاللہ نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں پیش پیش ہے جس کے لئے کالج کے اساتذہ، طلبا اور دیگر سٹاف مبارکباد کے مستحق ہیں ۔میں خاص طور پر ان طلبا کو دلی مبارکباد دیتا ہوں جنہوں نے مختلف شعبوں میں امتیازی پوزیشن حاصل کی اور آج انعامات پائے۔میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں زندگی کے آئندہ مرحلوں میں بھی ایسی کامیابیوں سے ہمکنار کرے۔

ملٹری کالج جہلم پر دوہری ذمہ داریاں ہیں۔اس کی ایک ذمہ داری ملک کی ایک ممتاز درس گاہ کی حیثیت سے ہے اور دوسری عسکری حوالے سے ان ذمہ داریوں کی نشاندہی کرنے سے پہلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک عام ملک اور نظریاتی ملک کی تعلیم میں فرق ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے۔ممکن ہے غیر نظریاتی ممالک اسی بات کو اپنی معراج سمجھیں کہ انہوں نے طالب علموں کو اہم مضامین میں ضروری معلومات فراہم کر دی ہیں اور بس۔ممکن ہے وہ اسی میں فخر محسوس کریں کہ ان کے تعلیم یافتہ افراد دوسروں سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔ممکن ہے ان کا مقصدِ حیات صرف یہ ہو کہ قدیم اور جدید علوم سائنٹیفک طریقے سے نئی نسل تک پہنچا دیئے جائیں۔لیکن ایک نظریاتی ملک یہ سب کچھ کرنے کے باوجود یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے نئی نسل کو ایسی تعلیم سے آراستہ کر دیا ہے جس کی ایک نظریاتی مملکت کو ضرورت ہوتی ہے۔ نظریاتی مملکت میں دیگر شعبوں کی طرح تعلیم بھی متعلقہ نظریے کے تابع ہوتی ہے۔ اس میں تعلیم کا مقصد صرف قدیم اور جدید علوم کو سائنٹیفک طریقے سے اگلی نسل تک پہنچانا نہیں ہوتا، نئی نسل کو ایسی اقدار سے لیس کرنا ہوتا ہے جو اس نظریے سے پوری طرح ہم آہنگ ہوں۔دوسرے الفاظ میں ایسے افراد تیار کرنا ہوتا ہے

جو نہ صرف اس نظریاتی مملکت کے سچے وارث ثابت ہو سکیں بلکہ اس کے بہتر اور روشن تر مستقبل کی ضمانت بھی بن سکیں۔ اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر دیکھئے تو پاکستان میں دی جانے والی تعلیم ہر لحاظ سے اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق ہونی چاہیئے جو اس ملک کی بنیاد ہے۔ یہاں تعلیم کا مقصد محض حصولِ تعلیم نہیں بلکہ ان اقدار کا فروغ ہونا چاہیئے جو اس نظریۂ حیات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اگر ہم نے یہ ذمہ داریاں احسن طریقے سے پوری کر لیں تو ہمیں اطمینان ہونا چاہیئے کہ ہم نے اسلامی نظریاتی ملک کے نہ صرف سچے وارث پیدا کر لئے ہیں بلکہ اس کے قابلِ اعتماد نگہبان اور پاسبان بھی تیار کر لئے ہیں۔

اس ضرورت کے پیشِ نظر ہمارا اوّلین فرض یہ تھا کہ جونہی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور مسلمانانِ جنوبی ایشیا کی کوششوں سے ہمیں علیحدہ ملک نصیب ہوا، ہم اس کے نظامِ تعلیم کو بلا تاخیر اس کے بنیادی نظریے کے مطابق ڈھالتے، لیکن ہم نے اس ضرورت کو نظر انداز کیا اور اس کوتاہی کی ہمیں یہ سزا ملی کہ نئی نسل غیر اسلامی اقدار کے جنگل میں بھٹکنے لگی۔ اگر آج بھی ہمیں نئی پود میں اسلامی اقدار کا رنگ نظر آتا ہے تو یہ معجزہ ہمارے نظامِ تعلیم کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں زیادہ تر ان والدین، بزرگوں اور اساتذہ کا ہاتھ ہے جنہوں نے اپنے بچوں کی تربیت کے لئے سرکاری ذرائع تعلیم پر انحصار کرنے کے بجائے اپنے نونہالوں کی خود آبیاری کی۔ یہ والدین، یہ بزرگ اور یہ اساتذہ ہمارے تشکر اور احسان مندی کے مستحق ہیں۔ ان محسنوں کی کوششیں بیشک قابلِ ستائش سہی، لیکن پورے ملک کی آبادی کو چند افراد کی نجی کوششوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ قومی سطح پر ایسی تعلیم کا اہتمام کیا جائے جو ایک اسلامی نظریاتی ملک کے تقاضوں پر پوری اتر سکے، لہٰذا موجودہ حکومت میں

ملک کی نئی تعلیمی پالیسی اور اس کے تحت چلنے والے نصاب خامیوں سے پاک نہیں، لیکن دیگر شعبوں کی طرح ہم یہاں بھی انقلابی اقدامات کے بجائے تدریجی لائحہ عمل اپنا رہے ہیں اور ہماری کوشش ہے کہ اس عمل کے ذریعے ملکی نظامِ تعلیم کو جلد از جلد مکمل طور پر مملکت کے اسلامی نظریات کے شایانِ شان بنایا جائے۔

مجھے یہاں نظامِ تعلیم اور مقاصدِ تعلیم پر روشنی ڈالنے کی اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اگرچہ ملٹری کالج جہلم کا مقصد ایسے افراد کی تربیت ہے جو آگے چل کر مسلح افواج میں قیادت کی ذمہ داریاں سنبھال سکیں، لیکن یہ مقصد اس ذمہ داری کی نفی نہیں کرتا جو ملک کی ایک ممتاز درس گاہ ہونے کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتی ہے بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ ملٹری کالج جہلم بنیادی طور پر ایک قومی درس گاہ ہے، اس کے بعد افواجِ پاکستان کا تربیتی ادارہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں افواج پاکستان کے تعلیمی اداروں کے مقاصد قومی مقاصد کے تابع اور ان سے پوری طرح ہم آہنگ ہوتے ہیں اور ملٹری کالج جہلم جب اچھے کیڈٹ پیدا کرتا ہے تو وہ لامحالہ اچھے پاکستانی اور اچھے شہری بھی پیدا کرتا ہے اس کی جھلکیاں کمانڈنٹ صاحب کی رپورٹ میں بھی ملتی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ کالج نے نہ صرف مسلح افواج کے کئی اعلیٰ افسر پیدا کئے بلکہ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبا میں وہ روحِ اسمٰعیلی بھی پیدا کی کہ جب میدانِ جنگ میں اللہ تعالیٰ اور ملک کی خاطر اپنی جان کی قربانی دینے کا وقت آیا تو انھوں نے بے دریغ جامِ شہادت نوش کیا۔ ان شہیدوں نے نہ صرف کالج ہی کا نام بلند کیا ہے بلکہ ملک کی آن بھی بچائی ہے۔ قوم کے دل میں ان شہیدوں کے لئے بے پناہ محبت اور عقیدت ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ ملٹری کالج جہلم نے اپنے ان شہیدوں کے کارناموں کو

کتابی شکل میں محفوظ کر لیا ہے اور اب شجاعت کے اعزازات پانے والوں پر ایک کتاب بھی زیر ترتیب ہے۔ اس کتاب سے یقیناً موجودہ اور آئندہ طلبا نیا جذبہ اور نئی تحریک پائیں گے۔

یہاں میں ایک دو چیزوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ عام طور پر ایسی تقریبوں میں تقریریں اس چیز پر ختم ہوتی ہیں کہ ہمیں اتنی رقم چاہیئے، ہمارا یہ مطالبہ ہے، ہماری یہ ضروریات ہیں اور انہیں پورا کرنے کے لئے جو حضرات مہمان خصوصی ہوں یہ ان کی توجہ دلانے کا ایک موقع سمجھا جاتا ہے۔ میں جناب کرنل عبدالستار صاحب کا مشکور ہوں کہ انہوں نے آج اس رسمی قدم سے ہٹ کر اپنا کوئی مطالبہ پیش نہیں کیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں بھی کچھ دیئے بغیر چلا جاؤں۔

میں اس کالج سے کچھ دور سے منسوب رہا۔ اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے بھی ایک کالج میں بطور بورڈر کے تعلیم حاصل کی ہے اور بطور استاد بھی ایک ایسے ادارے کی سربراہی کی ہے جس کے پانچ سو شرارتی بچوں کے نظم و نسق سے واسطہ رہا ہے۔ بچے عموماً شرارتی ہوتے ہیں۔ اس جواں عمری میں اگر بچہ شرارت نہیں کرے گا تو پھر لازمی طور پر سمجھ لیجئے کہ کہیں نہ کہیں کچھ چیز غلط ہے۔ اس سلسلے میں میں اپنے تجربے کی بنا پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جس وقت میں نے ۱۹۴۹ء میں آرمڈ کور کے بوائز ونگ کی کمان سنبھالی تو سب سے پہلا ادارہ جو میں نے ۱۹۴۹ء میں دیکھا، وہ ملٹری کالج جہلم تھا۔ اس کے بعد مجھے یہاں آنے کا فخر یا سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ اس کی کارکردگی کے متعلق میں بطور چیف آف سٹاف اور بطور فوج کے اعلیٰ افسر ہونے کے وقتاً فوقتاً جائزہ لیتا رہا ہوں اور مجھے یہ کہنے میں فخر محسوس ہوتا ہے کہ یہ کالج نہایت اہم کردار ادا

کر رہا ہے لیکن اتنی محنت، اتنی رقم اور اتنا وقت صرف کرنے کے بعد ہم اس میں صرف ۳۲۰ بچوں کو تعلیم دے رہے ہیں۔ یہاں سہولتیں اتنی ہیں کہ ان میں تھوڑا سا اضافہ کر کے طلبا کی تعداد کافی بڑھائی جا سکتی ہے۔

آج اس تقریب کے موقع پر میں یہ اعلان کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ اس کالج کے طلبا کی تعداد ۳۲۰ سے بڑھا کر اگلے سال تک ۵۰۰ کر دی جائے گی۔ درس گاہوں میں طلبا کے بعد سب سے بڑا حصہ اساتذہ کا ہوتا ہے۔ اگر آج ملٹری کالج جہلم اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کر رہا ہے تو اس کا سہرا کالج کے کمانڈنٹ جناب کرنل عبدالستار صاحب اور کالج کے اساتذہ کے سر ہے۔ اس کے بعد طلبا کی باری آتی ہے۔ میں یہاں یہ اعلان کرنے میں بھی خوشی محسوس کرتا ہوں کہ فوجی قوانین کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کرنل عبدالستار صاحب کو بریگیڈیئر کے رینک پر ترقی دی جائے گی۔ یہ فوج کی خوش قسمتی ہے کہ جہاں ہماری آرمی ایجوکیشن کور فوج میں تعلیم دینے کی بہت سی خدمات انجام دے رہی ہے، وہاں اس کا ملک کی تعلیم میں بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ اس وقت شمالی علاقوں میں مختلف کالجوں اور سکولوں کے جو سربراہ ہیں، وہ فوج کے افسران ہیں۔ ایبٹ آباد میں دو نہایت اہم تعلیمی ادارے ہیں۔ ان کی سربراہی بھی پاکستان آرمی ایجوکیشن کے افسروں کے ہاتھ میں ہے اور ملٹری کالج جہلم کی بطور ملٹری کالج اور بطور ایک علمی درس گاہ، کی سربراہی بھی فوج کے اختیار میں ہے۔ اب تک اس کالج کی کارکردگی بہت اچھی رہی ہے اور جیسا کہ آپ نے ابھی اظہار کیا، اس کامیابی کا سہرا کالج کے کمانڈنٹ کے سر ہے۔

ان چند گزارشات کے بعد میں بچوں سے بھی اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے تیرہ سال کی عمر میں گھر چھوڑا تھا۔ ان تیرہ سالوں میں میں نے گھر سے جو کچھ سیکھا، اس میں

پختگی تو آئی لیکن اس میں اضافہ بہت کم ہوا۔ یہاں میں اپنے والدین کی زیادہ تعریف نہیں کرنا چاہتا، صرف آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ گھر میں والدین کی تعلیم کا بچے کے اوپر جو اثر ہوتا ہے، وہ ساری عمر قائم رہتا ہے۔ اس لیئے آج بھی اگر آپ جواں عمروں کے دل میں قومی جذبہ یا اسلام کی محبت دیکھیں گے اور اس کی اصلیت پر غور کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں اگرچہ درس گاہوں کی تعلیم کا بھی اثر ہے مگر زیادہ تر حصہ والدین کا ہے۔ اس لیئے میں ذاتی طور پر اس بات کا قائل ہوں کہ بچوں کی تعلیم گھر میں ہونی چاہیئے، بورڈر، سکول اور کالج کم ہونے چاہئیں، لیکن جو ہیں، وہاں لازمی بات ہے کہ ان کا درجہ بہتر بنایا جائے۔ ملٹری کالج جہلم ایک ایسا بورڈر ادارہ ہے جہاں بچے مقیم رہتے ہیں، تعلیم بھی حاصل کرتے ہیں حسن ابدال کا کیڈٹ کالج ہے، لاہور کا ایچی سن کالج ہے اور بہت سے ایسے ادارے ہیں جہاں بچے مقیم رہتے ہیں اور تعلیم بھی حاصل کرتے ہیں۔ ہمیں یہ چاہیئے کہ ان اداروں میں ان والدین کے بچوں کے لیئے سہولتیں مہیا کریں جن کی آمدنی کم ہے، کیوں کہ جن لوگوں کی آمدنی زیادہ ہے یا وہ فوج کے اعلیٰ افسران ہیں اور انہیں اپنے بچوں کو تعلیم دلوانی ہے تو ان کے لیئے تو بہت سے مواقع ہیں لیکن جو ادنیٰ افسران ہیں یا ادنیٰ طبقے کے ملازمین ہیں، ان کی سہولت کو بہتر بنانے کے لیئے میں نے آج کالج کے لڑکوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا ہے۔ اس کا زیادہ فائدہ فوج کے اس عنصر کو ہوگا جس کی آمدنی کم ہے یا جس کا رتبہ کم ہے۔ آپ ملک میں فوجی اور غیر فوجی طلبا کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کر سکتے۔ آج اسی کالج کے طلبا میں سے بعض فوج میں جائیں گے اور کچھ سول میں جائیں گے۔ کچھ بزنس مین بنیں گے،

کچھ تاجر بنیں گے، کچھ ڈاکٹر بنیں گے، کچھ سائنس دان بنیں گے۔ ان میں آپس کا تضاد نہیں بلکہ ہم آہنگی ہونی چاہیئے۔ اس لئے میں یہ چاہوں گا کہ یہاں نہ صرف فوجیوں کے بچوں کو تعلیم دی جائے بلکہ اس میں غیر فوجی عملے کے ارکان کے بچوں کو بھی اجازت ہونی چاہیئے جو اس قابل ہیں کہ وہ اس کالج کا معیاری امتحان پاس کر کے داخلے کے حق دار ہوں۔

بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ اگر اس عمر کے بچے کے اندر نظم وضبط اور ڈسپلن کی روح پھونک دی جائے تو وہ ساری عمر قائم رہتی ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس ڈسپلن کا جو طریقہ ہے اس میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ہر بچے کے لئے ایک نیا طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر آپ سب کو ایک ہی رسی سے باندھیں گے۔ یا ایک ہی ڈنڈے سے ہانکیں گے تو لازمی بات ہے کہیں نہ کہیں کچھ فرق ہو گا۔

میں کرنل عبدالستار صاحب جو کہ ایک ماہر تعلیم ہیں اور ڈائریکٹر آرمی ایجوکیشن، بریگیڈیئر نصیر صاحب کی خدمت میں عرض کروں گا کہ وہ ان بچوں کی تعلیم کے لئے اس چیز پر غور کریں کہ ان کے اندر نظم وضبط کس طریقے سے رضا کارانہ طور پر پیدا کیا جائے، بجائے اس کے کہ ان کے سر کے اوپر ڈنڈا رہے۔ میں نے ڈنڈا بھی استعمال کر کے دیکھا ہے، نرمی بھی استعمال کر کے دیکھی ہے۔ دونوں چیزیں کام آتی ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک چیز کی طرف توجہ دی جائے اور دوسری کو چھوڑ دیا جائے۔ صبح سے لے کر شام تک بچوں کو تعلیم دینے کے لئے لازمی بات ہے کہ ان کے لئے کھیلوں کا بھی انتظام ہونا چاہیئے۔ آج جن چند ایک چیزوں کا مثلاً پی ٹی یا گھڑ سواری کا مظاہرہ کیا گیا ہے، میں اس پر کالج کے اساتذہ کا، ان بچوں کا جنہوں نے ان میں حصہ لیا

اور ان کے جو استاد ہیں ان کو خاص طور پر مبارکباد دیتا ہوں کیونکہ میں نے بہت اعلیٰ نمونہ اور بہت اعلیٰ سٹینڈرڈ دیکھا ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان کو مختلف قسم کی سہولتیں دی جائیں تاکہ وہ اپنے اس معیار کو اور زیادہ بلند کر سکیں۔ والدین کا اس کے ساتھ شاید زیادہ تعلق نہ ہو، بچوں کا زیادہ تعلق ہے۔ میں نے عبدالستار صاحب سے یہ کہا ہے کہ وہ ہفتے میں پانچ دن خوب پڑھائی کروائیں اور جمعے کی ایک دن چھٹی ویسے ہی ہوتی ہے۔ جمعرات کی چھٹی نہیں بلکہ جمعرات کو چھٹی کے طور پر تسلیم کیا جائے۔ میرا مطلب آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ پانچ دن خوب محنت سے پڑھائی کیجئے۔ چھٹے دن آپ کھیلیں، آپ باہر جائیں، کیمپنگ پہ جائیں سکاؤٹنگ کریں، ہائیکنگ کریں، لیکن تعلیم کے لئے پانچ دن، ایک دن ریکری ایشن کے لئے اور پاکستانی کو چھٹی کی زیادہ ضرورت ہے تو ایک دن چھٹی کے لئے وقف رکھیں۔

ان گزارشات کے بعد میں بچوں اور اساتذہ کو پھر یقین دلانا چاہتا ہوں کہ آپ کی اکاموڈیشن کی جو مشکلات ہیں وہ دور کی جائیں گی۔ یہاں کالج کی لائبریری کو بہتر بنانے میں بہت کام کرنے کی ضرورت ہے۔ کالج کی لائبریری کے لئے، کالج کے لئے، بوائز کالج کے لئے ایمبولنس، یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں سب پوری ہو جائیں گی۔ اس کے علاوہ میں نے آج بہت انعامات تقسیم کئے ہیں۔ ان میں جنرل اقبال صاحب کی طرف سے کوئی ٹرافی نہیں ہے۔ اس لئے میں جنرل اقبال صاحب کو یہ حکماً کہوں گا کہ بطور صدر عالمگیرین ایسوسی ایشن اگلے انعامات سے پہلے اپنے نام کی ایک اچھی سی ٹرافی کالج کو دیں اور ان کو اس چیز کی طرف مائل کرنے کے لئے بطور صدر پاکستان میں ایک نہایت عمدہ ٹرافی کالج کو دوں گا تاکہ وہ سب سے اچھے طالب علم کو

دی جائے جو اپنی کارکردگی کے لحاظ سے پورے سال میں اپنے اساتذہ کی نظروں میں سب سے اچھا رہا ہو۔

آخر میں مَیں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے آج کی تقریب میں مدعو کر کے میری عزت افزائی فرمائی اور مجھے اپنے خیالات آپ تک پہنچانے کا موقع دیا۔

پاکستان ملٹری کالج زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

ہفتۂ سیالکوٹ کے سلسلے میں صنعتی نمائش کے افتتاح کے موقع پر خطاب

سیالکوٹ : ۲۲ دسمبر، ۱۹۸۰ء

۲۲ دسمبر کو صدر نے ہفتۂ سیالکوٹ کے سلسلے میں صنعتی نمائش کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر اپنی تقریر میں انہوں نے صنعتکاروں پر زور دیا کہ وہ برآمدات بڑھانے کے لئے دل لگا کر کام کریں۔ انہوں نے بتایا کہ ہماری درآمدات پر برآمدات کی نسبت پندرہ سو ملین ڈالر زیادہ خرچ ہوتے ہیں۔ صدر نے کہا کہ صنعت کو فروغ دینے کے لئے اکانوے اقسام کی مشینری کو ڈیوٹی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ عنقریب اسلام آباد میں سہ فریقی کانفرنس ہو رہی ہے جس میں صنعت کاروں اور مزدوروں کے تعلقات کا جائزہ لیا جائے گا۔ صدر نے بتایا کہ گوجرانوالہ اور سیالکوٹ میں ٹیلیکس ایکس چینج لگانے کا کام شروع ہو چکا ہے اور یہ دونوں ایکسچینج آئندہ جون میں کام شروع کر دیں گے۔ صدر نے کہا کہ صنعت کاروں کی طرف سے جو سفارشات پیش کی گئی ہیں، ان پر مشتمل چاروں فائلیں وہ اپنے ساتھ لے کر جا رہے ہیں تاکہ ان کا جائزہ لیا جا سکے اور جن سفارشات پر ممکن ہو عملدرآمد کیا جا سکے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

جناب گورنر پنجاب، جنرل جیلانی صاحب،

اور

معزّز حاضرین!

السّلام علیکم۔ آج کی تقریب میں شرکت کر کے مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔ میں نے بہت سی نمائشیں دیکھی ہیں لیکن جس خوش اسلوبی سے آج کی اس نمائش کا اہتمام کیا گیا ہے، وہ قابلِ تحسین ہے۔ میں اس نمائش کے منتظمین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اس قسم کی نمائش ہر سال منعقد ہوا کرے۔

جہاں تک آپ کی تجاویز اور مطالبات کا تعلق ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ ان میں سے اکثر و بیشتر پر پہلے ہی عمل درآمد کیا جا چکا ہے۔ البتہ چند ایک تجاویز ابھی زیرِ غور ہیں کیونکہ جب تک ان کا جائزہ نہ لیا جائے، اس وقت تک ان کے بارے میں کسی قسم کا فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

جہاں تک ہماری برآمدات کا تعلق ہے، ہم چاہتے ہیں کہ درآمدات کے مقابلے میں ہماری برآمدات میں اضافہ ہو، کیوں کہ اس چیز پر ملکی معیشت کا انحصار ہے۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ برآمدات کے مقابلے میں درآمدات پر تقریباً پندرہ سو ملین ڈالر کی اضافی رقم خرچ کی جاتی ہے۔ علامہ اقبال کے شہر سیالکوٹ نے ہمیشہ ملک وقوم کی خدمت کی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس شہر کے چھوٹے بڑے تمام صنعت کار محنت اور لگن سے کام کر کے ملکی برآمدات میں نتیجہ خیز اضافہ کریں گے۔

جہاں تک مراعات کا تعلق ہے، امپورٹ، ایکسپورٹ پالیسی کے مطابق چند صنعتوں کو ساڑھے بارہ فی صد کی چھوٹ دی گئی ہے جن میں کھیلوں کا سامان، جراحی کا سامان اور کٹلری شامل ہیں۔ ڈرگس انڈسٹری Drugs Industry ابھی زیرِ غور ہے۔ جہاں تک چمڑے کی اشیاء یا صنعتِ دستانہ سازی کا تعلق ہے، یہ چیزیں چونکہ کھیلوں کے سامان کے تحت نہیں آتیں لہٰذا ان کا معاملہ ابھی زیرِ غور ہے۔
ہم نے پچھلے سال جون میں ایکسپورٹ پروموشن بورڈ کی میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ سیالکوٹ کو خاص طور پر سامانِ جراحی، کھیلوں کے سامان، کٹلری اور صنعتِ دستانہ سازی کے لئے ایسی مشینری کی ضرورت ہے جس سے وہ اپنی پیداواری اشیاء کی کوالٹی کو بہتر بنا سکے۔ اس سلسلے میں شاید آپ کو معلوم ہو کہ ۸۳ آئیٹم ایسے ہیں جن کی مختلف قسم کی مشینوں پر ڈیوٹی معاف کر دی گئی ہے۔ آٹھ آئیٹم ان کے علاوہ ہیں جن میں سے چار کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔ گویا اب تک کل ۹۱ آئیٹم کی مشینری کو امپورٹ ڈیوٹی سے مستثنیٰ قرار دیا جا چکا ہے۔
جہاں تک انکم ٹیکس کا تعلق ہے، وہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے اور اس کا بہت

سی دوسری چیزوں کے ساتھ تعلق ہے۔ البتہ لیبر کے متعلق آپ کی شکایات جائز ہیں۔

اس ماہ کی ۲۸ تاریخ کو جیسا کہ آپ حضرات نے سنا ہو گا، ایک لیبر کانفرنس ہو رہی ہے۔ اس میں مزدوروں، انتظامیہ اور کارخانہ داروں کے نمائندے شامل ہوں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس سہ فریقی کانفرنس کے بعد انشاء اللہ ایسی لیبر پالیسی بن جائے گی جس سے مزدوروں اور کارخانہ داروں دونوں کو مراعات حاصل ہوں گی اور اس سے ملک وقوم کو بے حد فائدہ ہو گا۔

میں نے ایکسپورٹ پروموشن بورڈ کے اجلاس میں سیالکوٹ میں ٹیلیکس ایکسچینج لگانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ اس وقت گوجرانوالہ اور سیالکوٹ میں ٹیلیکس ایکسچینج لگانے کا کام جاری ہے۔ گوجرانوالہ میں کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے جب کہ سیالکوٹ میں ٹیلیکس ایکسچینج لگانے کے کام کا ابھی آغاز ہوا ہے۔ یہ دونوں ٹیلیکس ایکسچینج انشاء اللہ جون میں کام کرنا شروع کر دیں گے۔ سامان اور رقم کی فراہمی میں وقت صرف ہونے کی وجہ سے اس کام میں ذرا تاخیر ہوئی ہے جس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔ بہرحال آپ کی یہ مشکل اب جلد حل ہو جائے گی۔ آپ کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ آپ کو عام ٹیلی فون ایکسچینجوں سے اوورسیز کالیں ملنی چاہئیں۔ میں اس بارے میں معلوم کر کے آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔

آپ کا ایک مطالبہ ڈسکہ کو باقی شہروں سے ملانے کے بارے میں ہے۔ حکومت اس بارے میں غور وخوض کر رہی ہے۔ جہاں تک ڈسکہ کو انڈسٹریل اسٹیٹ بنانے کا تعلق ہے، یہ بات گورنر جناب جیلانی صاحب کے نوٹس میں آ گئی ہے اور وہ اس کا جائزہ لے کر آپ کی تکالیف دور کریں گے۔

میں نے آپ کی تمام سفارشات یا تجاویز کے بارے میں اظہارِ خیال نہیں کیا

ہے۔ میں آپ کی تجاویز پر مشتمل چاروں فائلیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ سیکرٹری مالیات، سیکرٹری کامرس، چیئرمین سنٹرل بورڈ آف ریونیو اور سیکرٹری انڈسٹری کو آج میں اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں تاکہ آپ کی تجاویز اور مطالبات کا ساتھ ساتھ جائزہ لیا جا سکے اور جائزہ لینے کے بعد ان پر عمل درآمد کیا جا سکے۔

جہاں تک وفاقی حکومت کا تعلق ہے اس کی طرف سے آپ کو ہر طرح کی مراعات دی جائیں گی۔ مجھے اُمید ہے کہ ان تمام مراعات اور آپ کی انتھک کوششوں کے نتیجے میں ہماری برآمدات میں اضافہ ہو گا۔ میں آپ سے صرف یہ گزارش کروں گا کہ پاکستان کی سربلندی کا ہمیشہ خیال رکھیئے اور اسے اوّلیت دیجئے۔ آپ کو اپنی پیداواری اشیاء کی کوالٹی اور معیار کا خیال رکھنا چاہیئے تاکہ پاکستان کی بنائی ہوئی اشیاء کی بیرون ملک تعریف و تحسین ہو۔ آپ کو یاد ہو گا کہ کسی زمانے میں جاپان سستی مگر کمزور اور ناپائیدار اشیاء بنانے کے لئے مشہور تھا، لیکن آج معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آج لوگ جس وقت یہ کہتے ہیں کہ یہ مائیکروفون جاپان کا بنا ہوا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ کارکردگی اور پائیداری میں بے مثال ہے۔ آپ کو حکومت کی طرف سے مراعات دی جائیں گی اور اشیاء کی تیاری کے لئے مواقع بھی فراہم کئے جائیں گے۔ آپ کا کام ہے کہ آپ محنت کر کے اشیاء کی کوالٹی اور معیار کو برقرار رکھیں۔ اس کے لئے بے حد محنت کیجئے تاکہ ہماری برآمدات میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو سکے۔

میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے اس نمائش میں شرکت کا موقع دیا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ آئندہ بھی اسی جوش و خروش، محنت اور کوشش سے ایسی صنعتی نمائشوں کے انعقاد کا اہتمام کریں گے۔ ایکسپورٹ پروموشن بیورو کے توسط سے اس قسم کی ایک قومی صنعتی نمائش اسلام آباد میں بھی منعقد ہونی چاہیئے جس

میں باہر سے ہمارے درآمد کنندگان کو مدعو کیا جائے تاکہ وہ اس نمائش میں آکر پاکستان کی بنی ہوئی خوب صورت اور معیاری اشیاء دیکھیں۔ میں نے یہاں آج ایسی ایسی چیزیں دیکھی ہیں جو میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھیں۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پاکستان اتنی عمدہ چیزیں بنا رہا ہے۔ لوگ باہر سے واشنگ مشینیں لانے کی فکر میں ہیں جب کہ یہاں ڈسکہ میں عمدہ قسم کی واشنگ مشین بن رہی ہے۔ اسی طرح سائیکل، ڈیزل انجن اور دیگر اشیاء ہیں جو یہاں تیار ہو رہی ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ڈیزل انجن بالکل بے آواز ہیں۔ ہمارے ہاں ماشاء اللہ TALENT موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواقع دیئے ہیں۔ ہنر ہے، محنتی اور لگن سے کام کرنے والے افراد بھی ہیں۔ غرض یہ کہ اقبال کے شہر سیالکوٹ میں جو انڈسٹری ہے اس کا پاکستان کی صنعت میں اہم مقام ہے۔

لہٰذا میں آپ سے گزارش کروں گا کہ دل لگا کر کام کیجئے۔ حکومت آپ کے ساتھ نہ صرف تعاون کرے گی بلکہ آپ کی بہتری کے لئے ایسے اقدامات کرے گی جس سے آپ کی معیشت اور کارکردگی پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

ہفتۂ سیالکوٹ کے موقع پر کونسلروں سے خطاب

سیالکوٹ : ۲۲ دسمبر، ۱۹۸۰ء

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۲ دسمبر کو سیالکوٹ میں ایک تقریب سے خطاب کیا جس کا اہتمام ہفتۂ سیالکوٹ کے سلسلے میں کیا گیا تھا۔ صدر نے کہا کہ پاکستان قائم و دائم رہنے کے لئے قائم ہوا ہے اور یہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ سرحدوں پر جو بھی صورتِ حال ہے، اس سے تشویش کی ضرورت نہیں۔ اس موقع پر صدر نے سیالکوٹ کے لئے بہت سی سہولتوں اور عطیات کا اعلان کیا۔ انہوں نے سیالکوٹ کے لئے دوسرے صنعتی علاقے کے طور پر ڈسکہ کو صنعتی علاقہ بنانے کا اعلان کیا، میونسپل کمیٹی کا درجہ بڑھا کر میونسپل کارپوریشن کیا، دیہی علاقوں کے لئے چار بائیو گیس پلانٹ دینے کا اعلان کیا، ٹیلیویژن بوسٹر لگانے کا وعدہ کیا، پینے کے پانی کے لئے لگائے جانے والے چھ ٹیوب ویلوں کے اخراجات کی کفالت کا اعلان کیا اور کوڑا کرکٹ اٹھانے والی پانچ گاڑیاں تحفے کے طور پر دیں۔ انہوں نے اہل سیالکوٹ کو مشورہ دیا کہ وہ غریبوں اور ناداروں کی مدد کے لئے بیت المال قائم کریں۔

اس تقریب میں گورنر پنجاب، لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خان، چیئرمین یونین کونسل سیالکوٹ، جناب اختر علی خان، چیئرمین میونسپل کارپوریشن ڈاکٹر محمد اشرف اور

ضلع کی ایک ایسی خاتون کاشت کار بھی شریک تھیں جو اپنی زمین پر خود ٹریکٹر چلاتی ہیں۔ اس خاتون نے تقریب سے خطاب بھی کیا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

محترم جناب گورنر صوبۂ پنجاب، جنرل جیلانی صاحب،
چیئرمین یونین کونسل، جناب اختر علی صاحب،
چیئرمین میونسپل کارپوریشن، ڈاکٹر محمد اشرف صاحب،
ہماری خاتون کاشتکار
اور
معزز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ آج میں نے یہاں آنے سے پہلے سیالکوٹ میں افواجِ پاکستان کے عملے سے ملاقات کی، اس کے بعد صنعتی نمائش دیکھی اور اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ میرا خیال تھا کہ میں آپ حضرات کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزار سکوں گا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ وقت کی کمی کے باعث میں ایسا نہیں کر سکوں گا۔ لہٰذا آپ سے کچھ بات چیت آج ہوگی اور کچھ بات چیت انشاء اللہ آئندہ ہوگی۔

میرا آپ کی ڈسٹرکٹ کونسل کے چیئر مین صاحب، میونسپل کارپوریشن کے چیئر مین صاحب اور جنرل جیلانی صاحب سے وعدہ تھا اور سب سے پرانا وعدہ شہرِ اقبال کی ایک معزز ہستی کے ساتھ تھا، جن کو آپ سب جانتے ہیں اور وہ ہیں جناب خواجہ صفدر صاحب، جو میرے بزرگ بھی ہیں اور قابلِ احترام دوست بھی۔ آج آپ سب سے بھی معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ وعدہ آدھا پورا کر رہا ہوں، آدھا انشاء اللہ بعد میں پورا کروں گا۔

مجھے آپ سے کہنا یہ ہے کہ ہمارے وسائل کم ہیں اور مسائل زیادہ، لہٰذا ہمیں اپنے وسائل کے مطابق اپنی ضروریات کو ڈھالنا ہوگا تاکہ بنیادی سطح پر لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ ان کی ضروریات اور اخراجات کیا ہیں؟ ان کی آمدنی کتنی ہے اور پھر اس آمدن کے مطابق کس طرح اپنی ضروریات کو پورا کرنا چاہیئے۔ ان میں سے بعض ضروریات نہایت اہم ہیں۔ ان کے بارے میں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم ان ضروریات کے بارے میں مبالغے سے کام لے رہے ہیں۔ پینے کا پانی بھی نہایت اہم ضروریات میں سے ہے، جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور جو اس جدید دور میں بھی ہمارے بعض علاقوں میں ضرورت کے مطابق دستیاب نہیں ہیں۔

آج کی اس محفل میں کونسلر صاحبان، علمائے دین اور زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبران شامل ہیں۔ ان کے علاوہ وفاقی اور صوبائی حکومت کے افسران اور معززینِ شہر بھی یہاں موجود ہیں۔ آپ کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں چند ایک چیزوں کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ہماری حکومت نے مادی چیزوں کی فراہمی کی

طرف بھی توجہ دی ہے، کیونکہ آج کی دنیا میں ان کے بغیر گزارا نہیں اور اسلام نے بھی کبھی اس بات کی تلقین نہیں کی کہ آپ دنیا کو چھوڑ کر گوشۂ نشین ہو جائیں۔ لہٰذا دنیا کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے اور دین کا بھی۔ ہمارے خیالات، تقاریر اور مضامین کی بنیادی قدر دین ہے۔ لہٰذا اگر ہم مسلمان ہیں تو سب سے پہلے مجھے اور آپ کو دینِ اسلام پر اپنا یقین اور ایمان مضبوط کرنا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں پاکستانی ہونے کے ناطے قیامِ پاکستان کے لئے بھی عملِ پیہم سے کام لینا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا اندازِ فکر ذاتی ہونے کی بجائے قومی ہو۔ ہماری سوچ کے دھارے اپنے دین اور اپنے ملک کی طرف ہوں۔ آج کل اخبارات اور اِدھر اُدھر سے خبریں سنتے ہوئے لوگ پریشان ہو جاتے ہیں کہ پتہ نہیں ہمارا کیا حال ہونے والا ہے۔ کوئی کہتا ہے مشرق سے خطرہ ہے، کوئی کہتا ہے مغرب سے خطرہ ہے۔ میرا اس بات پر ایمان اور کامل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ یہ ملک دین کے نام پر قائم ہو لہٰذا یہ ملک قائم ہو گیا۔ اس کی بقا کا بھی وہی ذمہ دار ہے۔ لہٰذا ہمیں فکر مند نہیں ہونا چاہیئے۔ دیکھئے! آپ کی یہ خاتون کاشت کار جو ٹریکٹر چلاتی ہیں، یہاں سٹیج پر آ کر کتنی فصیح و بلیغ تقریر کر کے گئی ہیں۔ جب ہماری عورتوں کا یہ حال ہے تو اس ملک کے مردوں کو تو دو قدم آگے ہونا چاہیئے۔ میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ اپنی قوّتِ بازو پر اعتماد اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیئے۔ یہ ملک انشاء اللہ قائم و دائم رہے گا۔ میں بھی چلا جاؤں گا، آپ بھی چلے جائیں گے، لیکن یہ ملک انشاء اللہ قائم رہے گا۔ علاوہ ازیں سرزمینِ پاکستان پر بسنے والے وہ لوگ جن کا دین اسلام نہیں ہے، ان پر بھی ہمیں اتنا بھروسہ اور اطمینان ہونا چاہیئے جتنا ہمیں اپنے اوپر ہے، کیونکہ وہ بھی پاکستانی ہیں اور تمام پاکستانیوں کو مل کر اس

ملک کو چلانا ہے۔

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اور اس کی بنیاد نظریۂ اسلام پر ہے۔ پاکستان کا محور اسلام ہے۔ اس سے ہٹ کر کسی اور چیز کا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ اسی چیز کے پیشِ نظر ہم نے ارکانِ اسلام کے ایک اہم رکن، زکوٰۃ کے نظام کا آغاز کیا ہے۔ اب اس کام میں برکت، آپ کے اور ہمارے اخلاص نیت پر منحصر ہے۔ میں یہ توقع کروں گا کہ یہاں زکوٰۃ کمیٹیوں کے مخلص ممبران اور چیئرمین حضرات موجود ہیں، وہ اس نظام کو کامیاب بنانے کی طرف خصوصی توجہ دیں گے۔ ہمارا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہر شہری علاقے میں ہر وارڈ کی سطح پر اور دیہی علاقے میں ہر گاؤں کی سطح پر سات آدمیوں کی ایک کمیٹی ہو اور محلے، وارڈ یا شہر کی مسجد کے اندر یا کھلے علاقے میں تمام اہالیانِ علاقہ خود ان کا چناؤ کریں۔ اگر کسی جگہ پر کمیٹی اس طریقے سے نہیں بنی ہے اور اس میں کچھ غلط قسم کے لوگ آ گئے ہیں تو یہ ضلعی انتظامیہ اور ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی کی ذمے داری ہے کہ وہ فوراً اس چیز کا تدارک کریں۔ لوگوں نے زکوٰۃ کمیٹی کے ممبران کو بطور امین چنا ہے۔ کونسلر صاحبان نے اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ ہم آپ کی خدمت کریں گے۔ آپ سے ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ہم آپ کی نمائندگی کریں گے۔ آپ ہمیں اعتماد کا ووٹ دیں، اور لوگوں نے ان کے حق میں ووٹ دیا۔ لیکن زکوٰۃ کمیٹیوں کے ان ممبران نے خود اپنے آپ کو کھڑا نہیں کیا بلکہ آپ نے اور میں نے ان کو چنا ہے۔ یہ فرق ہے کونسلر صاحبان اور زکوٰۃ کمیٹی کے ممبران کے انتخاب میں۔ زکوٰۃ کمیٹی کے ممبران قوم کے امین ہیں۔ ہم بھی ان کی کارکردگی کے بارے میں ان سے سوال جواب ضرور کریں گے۔ لیکن درحقیقت وہ اللہ کے آگے جوابدہ ہیں۔ اس

لئے میں ان سے گزارش کروں گا کہ وہ اپنے فرائض کو صحیح معنوں میں پورا کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ میں آپ کی محنت کو قابل تحسین سمجھتا ہوں کیونکہ آپ رضاکارانہ طور پر یہ کام کر رہے ہیں۔ آپ کو کسی قسم کا کوئی لالچ نہیں۔ زکوٰۃ کمیٹی کے لئے کام کرنے سے آپ کی آمدنی میں کوئی اضافہ نہیں ہو رہا بلکہ آپ نے جتنے اجلاس اور محفلیں منعقد کی ہیں، ان کے لئے شاید آپ نے اپنی جیب سے ہی کچھ خرچ کیا ہو کیونکہ حکومت نے آپ کو کچھ نہیں دیا۔ اس لئے میں آپ سے یہ گزارش کروں گا کہ آپ اپنے اپنے علاقوں میں صحیح معنوں میں صاحب نصاب لوگ یعنی جن پر زکوٰۃ فرض ہے، کی فہرست بنائیں اور پھر جو مستحقین زکوٰۃ ہیں، ان تک یہ رقم پہنچائیں۔ لیکن ایک چیز کا خیال رکھیئے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر آپ کے علاقے میں دس مستحقین زکوٰۃ ہیں اور آپ کی آمدنی ایک ہزار روپے ہے تو آپ ان میں سو سو روپے برابر تقسیم کر دیں۔ اس کا فیصلہ آپ کی صوابدید پر ہے۔ آپ چاہیں تو ایک بیوہ کو پانچ سو روپے دے دیں۔ آپ چاہیں تو ایک نادار طالب علم کو تیس روپے دے دیں۔ آپ کے لئے کوئی بندش نہیں ہے۔ اس سے قبل جو احکامات جاری ہوئے تھے کہ سب کو چالیس چالیس روپے دیئے جائیں، وہ اب منسوخ ہو گئے ہیں۔ زکوٰۃ کے نظام کو چلانے کے لئے تمام احکامات، کتب اور تمام حساب کتاب اردو میں رکھا جا رہا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس سے آپ کو حساب کتاب کرنے میں اور آسانی ہو گی۔

اب میں کونسلر صاحبان کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ موجودہ حکومت نے پندرہ سال بعد اس ملکی نظام کو پرانے طریقے سے ہٹ

کرنئے طریقے پر چلانے کی کوشش کی ہے ۔ ہمارے خیال میں عوام کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق حاصل ہے ۔ اس حق کو پورا کرنے کے لیئے ایک بنیادی سطح ہونی چاہیئے ، اور یہ بنیادی سطح یونین کونسل اور ڈسٹرکٹ کونسل کی ہے ۔

میں نے پاکستان کے تقریباً تمام علاقوں میں جا کر کونسلر صاحبان سے خطاب کیا اور ان سے تبادلۂ خیال کیا ہے ۔ مجھے اس بات کی از حد خوشی ہے کہ میں نے انہیں دین دار اور محبِ وطن پایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان میں اپنے کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے ذوق و شوق کا مشاہدہ کیا ہے ۔ یہی چیز آج میں یہاں سیالکوٹ میں بھی دیکھ رہا ہوں ۔

یہاں میں ڈسٹرکٹ کونسل اور یونین کونسل کے چیئرمین صاحبان کی موجودگی میں گورنر صاحب کی اجازت سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ سیالکوٹ کی میونسپل کمیٹی کا درجہ بڑھا کر اسے کارپوریشن بنایا جاتا ہے ۔ مجھے امید ہے کہ اس سے نہ صرف اقبال کے اس شہر کو فوقیت حاصل ہوگی بلکہ آپ کو ملک اور قوم کی خدمت کرنے کا بہتر موقع ملے گا ۔ آج کی اس صنعتی نمائش کے حوالے سے دوسرا اعلان میں یہ کرتا ہوں کہ سیالکوٹ میں ایک اور انڈسٹریل سٹیٹ بنائی جائے گی اور ڈسکہ کے علاقے کو انڈسٹریل سٹیٹ قرار دیا جائے گا ۔ مجھے اُمید ہے کہ اس سے نہ صرف سیالکوٹ اور ڈسکہ بلکہ پورے ضلعے کی انڈسٹری پر خوش گوار اثر پڑے گا ، اور اس طرح یہ ضلع ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا ۔

دیہی علاقوں کے لیئے میں آپ کو ایک تحفہ دے کر جا رہا ہوں ۔ ہم نے جدید طریقۂ کار کے مطابق پاکستان میں ایک تجربہ کیا ہے اور وہ یہ کہ ان دیہاتی علاقوں میں جہاں بجلی نہیں ہے ، جدید سائنسی طریقے سے بائیوگیس پلانٹ لگئے

جاتے ہیں۔ میں ضلع سیالکوٹ کے چار دیہی علاقوں میں چار بائیو گیس پلانٹ لگانے کا اعلان کرتا ہوں جو عنقریب لگا دیئے جائیں گے۔ علاوہ ازیں اگر سیالکوٹ میں آپ کو ٹیلی ویژن پروگرام دیکھنے میں کوئی دقت پیش آ رہی ہے تو انشاء اللہ اس علاقے میں ٹیلی ویژن بوسٹر بھی ضرور لگے گا۔

آپ کے میونسپل کمیٹی کے چیئرمین صاحب نے، جنہیں اب میئر کہنا چاہیئے کیونکہ میونسپل کمیٹی کو کارپوریشن کا درجہ دے دیا گیا ہے، کچھ مسائل کا ذکر کیا ہے اور خواجہ صاحب نے بھی اپنے خط میں اور زبانی مجھے بہت سے مسائل کے بارے میں بتایا ہے۔ وسائل کی کمی کے باعث سردست تمام مسائل کو تو حل نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا میں نے ان میں سے دو چیزیں چُنی ہیں۔ ایک تو یہاں پینے کے پانی کی فراہمی۔ جیسا کہ آپ نے سنا چھ ٹیوب ویل لگائے جا رہے ہیں۔ اس کے لئے آپ کے بجٹ میں ڈویلپمنٹ Development کی مد میں آمدنی کم ہے اور خرچ زیادہ۔ لہٰذا آپ نے یہ ۶ ٹیوب ویل لگا کر پینے کے پانی کی فراہمی کا جو منصوبہ بنایا ہے، اسے مکمل کیجئے۔ اس کے لئے رقم انشاء اللہ میں آپ کو دوں گا۔

اس کے علاوہ شہری علاقوں میں گندگی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر آپ کوڑا کرکٹ اٹھانے والی مخصوص گاڑیاں منگوانا چاہتے ہیں تو اس کے لئے پانچ گاڑیاں آپ کو بطورِ تحفہ دی جائیں گی تاکہ شہر کے علاقے میں صفائی کا انتظام بہتر ہو سکے۔

بیت المال کے حوالے سے، میں آپ کو ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں۔ آپ نے ڈنڈوت کا نام سنا ہوگا۔ وہاں آج سے بہت عرصہ پہلے سے بیت المال

چلا آرہا ہے۔ میں نے اس بارے میں اہالیانِ راولپنڈی سے کہا کہ آپ بھی کچھ کیجئے۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ راولپنڈی کی ضلعی انتظامیہ، عوامی نمائندوں، علماء اور مشائخ نے مل کر تھوڑے سے عرصے میں صرف ضلع راولپنڈی سے ۲۵ لاکھ روپے کی رقم اکٹھی کرلی۔ میں آج یہاں اس تقریب میں جس میں زکوٰۃ کمیٹی کے ممبران کونسلر صاحبان اور ضلعی انتظامیہ کے نمائندے سبھی شامل ہیں، آپ کی توجہ اس ضرورت کی طرف دلاتا ہوں۔ اس کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی ہے کہ آپ زکوٰۃ کو مخصوص مدوں کے علاوہ کہیں اور خرچ نہیں کرسکتے۔ اور ایسی مدوں میں خرچ کرنے کے لئے بیت المال کا قیام ضروری ہے۔ میں یہ چاہوں گا کہ ضلعی انتظامیہ عوام کے تعاون سے اس کام کا بیڑہ اٹھائے۔ یہ رقم بھی یا تو زکوٰۃ کمیٹیوں کے پاس ہو یا پھر اس کی کوئی اور کمیٹی بنائی جائے، لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ کونسلر صاحبان کو اس میں شامل نہ کیا جائے کیونکہ ان کے پاس جو دوسری رقوم ہیں، ان کے صحیح مصرف کی ذمے داری ان پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ اس ذمے داری کو نبھائیں۔

گزشتہ دنوں مجھے معلوم ہوا کہ کچھ سید صاحبان ایسے ہیں جن کی مالی حالت کمزور ہے۔ اب فقہی لحاظ سے آلِ رسولؐ زکوٰۃ کی رقم کو اپنے مصرف میں نہیں لاسکتی۔ لہٰذا اگر ان میں سے کسی کی مالی حالت بہت نازک ہو تو آپ ان کی مدد کہاں سے کریں؟ حکومت تو سب کے وظیفے نہیں مقرر کرسکتی، زکوٰۃ کی رقم آپ انہیں دے نہیں سکتے تو پھر ان کی مدد کیسے کی جائے؟ اس کا ایک حل بیت المال کا قیام ہے۔ بیت المال میں وہ رقوم ہوتی ہیں جن کا تعلق زکوٰۃ سے نہیں ہوتا، یعنی صدقات، خیرات، عطیات وغیرہ۔

جہاں تک پریس کلب کا تعلق ہے، میں اس کا جائزہ لے کر جلد اعلان کروں

گا۔ آپ کو معلوم ہے، پچھلے سال ہم نے ہر ضلعے میں گندم کی زیادہ پیداوار دکھانے والے کاشتکار کو ایک ٹریکٹر انعام میں دیا تھا۔ یہ انعامات اس سال بھی دیئے جائیں گے۔ لہٰذا میں اپنی کاشتکار بہن اور باقی کاشت کاروں سے گزارش کروں گا کہ خوب محنت سے گندم کی کاشت کیجئے اور جو گندم کاشت ہوگئی ہے، اس کی دیکھ بھال کیجئے تاکہ آپ نہ صرف غلّہ بڑھانے میں پاکستان کی مدد کریں بلکہ ایک ٹریکٹر کے حقدار بھی بن سکیں۔

ہم نے نہایت محنت و مشقت اور اپنے آپ کو ڈسپلن کے ماتحت رکھتے ہوئے ملکی معیشت کو بہتر بنانے کی کوشش کی ہے جس کے نتیجے میں آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے غیر ممالک بھی پاکستان کو قرض دینے پر آمادہ ہیں۔ مالیاتی فنڈ سے بھی رقم ملنے کی توقع ہے گویا اب ہمارے وسائل میں کچھ وسعت آ رہی ہے۔ اسی طرح آپ بھی تھوڑی سی ہمت کر کے، اپنے وسائل کو بہتر بنا کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کیجئے۔ یونین کونسل، ڈسٹرکٹ کونسل، میونسپل کمیٹیوں اور ٹاؤن کمیٹیوں کے وسائل میں کوشش اور محنت کے ذریعے ہی وسعت آئے گی۔

میں معذرت چاہتا ہوں کہ میں ان تمام باتوں کا جن کا مقررین نے اپنی تقاریر میں ذکر کیا ہے، جواب نہیں دے سکا ہوں اور اقبال کے اس شہر کی بس تھوڑی سی ہی خدمت کر سکا ہوں۔ لیکن آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ اگلے مالی سال میں گورنر صاحب، میئر میونسپل کارپوریشن اور دیگر متعلقہ حضرات سے مل کر اپنے وسائل کے مطابق، آپ کے ترقیاتی فنڈ اور بہبود کے لئے جو کچھ بھی مجھ سے ہو سکے

گا وہ میں انشاء اللہ ضرور کروں گا۔ ان الفاظ کے ساتھ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

پولو ٹورنامنٹ کی تقریب تقسیمِ انعامات سے خطاب

سیالکوٹ : ۲۲ دسمبر، ۱۹۸۰ء

۲۲ دسمبر، ۱۹۸۰ء کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے سیالکوٹ میں پولو ٹورنامنٹ کی تقسیمِ انعامات کی تقریب سے خطاب کیا۔ اپنی مختصر تقریر میں صدر نے پولو ٹورنامنٹ کے منتظمین اور ان صنعت کاروں کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے اس ٹورنامنٹ کے انعقاد میں تعاون کیا تھا۔

صدر نے کہا کہ پولو کو کھیلوں کا بادشاہ اور بادشاہوں کا کھیل کہا جاتا ہے لیکن پاکستان میں یہ کھیل مقبولِ عام ہوتا جا رہا ہے۔ انھوں نے اس اُمید کا اظہار کیا کہ آئندہ بھی انہیں پولو کا ٹورنامنٹ دیکھنے کا موقع ملے گا۔

بسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحیمِ

اَلحمدُ لِلّٰہِ ربِّ العٰلمین والصّلوٰۃُ والسّلامُ علیٰ خاتمِ النّبیّین

جناب جنرل رفیع عالم صاحب،

گورنر پنجاب، جناب جنرل جیلانی صاحب،

پولو کے معزز کھلاڑی جناب بریگیڈیئر ہسکی بیگ صاحب،

بریگیڈیئر آفندی صاحب

اور

معزز خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ پولو کو کھیلوں کا بادشاہ اور بادشاہوں کا کھیل کہا جاتا ہے لیکن آج کل ہر کوئی اس کھیل کو کھیل رہا ہے۔ میں پولو کے ٹورنامنٹ کو سیالکوٹ میں منعقد کرنے پر جناب رفیع عالم صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ساتھ ہی ان کی اہلیہ کو بھی، کیونکہ اس ٹورنامنٹ کے انعقاد کے سلسلے میں انہوں نے زیادہ جوش و خروش کا مظاہرہ کیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ بیگم رفیع عالم صاحبہ، جنرل رفیع عالم

کے علاوہ باقی کھلاڑیوں کو بھی اسی طرح ترغیب دلاتی رہیں گی تاکہ پولو کا کھیل سیالکوٹ میں خوب پھلے پھولے۔

میں اپنی اور سیالکوٹ گیریژن کی طرف سے ان تمام صنعت کاروں کا جنہوں نے اس ٹورنامنٹ کو منعقد کرنے میں تعاون کیا، فرداً فرداً شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے آج ان کی طرف سے جتنے بھی تحائف ملے ہیں، وہ میں جنرل رفیع عالم صاحب کے حوالے کر رہا ہوں تاکہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق گیریژن کی بہتری کے لئے مصرف میں لاسکیں۔

اُمید ہے کہ مجھے آئندہ بھی سیالکوٹ آنے اور پولو کا ٹورنامنٹ دیکھنے کا موقع ملے گا اور اس طرح آپ حضرات سے دوبارہ ملاقات کا شرف حاصل ہوگا۔ شکریہ!

خدا حافظ!

پاکستان پائندہ باد

اشاریہ

شائع کردہ
محکمۂ فلم و مطبوعات
وزارتِ اطلاعات و نشریات
حکومتِ پاکستان،
اسلام آباد

برق سنز پرنٹرز لمیٹڈ، اسلام آباد